

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ (قصص: ۱۸۸)

”اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارو“

www.KitaboSunnat.com

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت



ABU UMAIMAH OWAIS

تصنیف

عبد الرؤف ندوی

دارالعلم
مبئی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب

← عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

← مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload)

کی جاتی ہیں۔

← دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

← کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

← ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

← نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ (قصص: ٨٨)

”اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو مت پکارو۔“

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

تصنیف:

عبدالرؤف ندوی



ABU UMAMAH OWAIS



دارالعلوم
دہلی

© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں
سلسلہ مطبوعات دارالعلم نمبر 199

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب وسنت	:	نام کتاب
عبدالرؤف ندوی	:	مصنف
زبیر احمد عبدالمعجود مدنی	:	تخریج
دارالعلم، ممبئی	:	ناشر
محمد اکرم مختار	:	طابع
ایک ہزار	:	تعداد اشاعت
۲۰۱۴ء	:	تاریخ اشاعت
بھاوے پرائیویٹ لمیٹڈ	:	مطبع
محمد ظفر عبدالرؤف محمدی	:	باہتمام
تلسی پور، بلرام پور، یوپی	:	



دارالعلم
DARUL ILM

PUBLISHERS & DISTRIBUTORS

242, J.B.B. Marg, (Belasis Road),
Nagpada, Mumbai-8 (INDIA)
Tel. (+91-22) 2308 8989, 2308 2231
Fax : (+91-22) 2302 0482
E-mail : ilmpublication@yahoo.co.in

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

مسلمانوں کی دینی زندگی کے لیے سب سے زیادہ مضر چیز بدعت ہے، جسے نبی اکرم ﷺ نے گمراہی قرار دیا ہے۔ اسلام کی صاف ستھری تعلیم اور اس کی روشن و تابناک تصویر دھندلی ہو جاتی ہے۔ افراد امت کی دینی ترجیحات کا رخ بدل جاتا ہے اور وہ طرح طرح کی خرافات اور رسموں کو عین اسلام سمجھنے لگتے ہیں۔ غیر مسلم دنیا کے لیے اس میں کوئی کشش نہیں رہ جاتی بلکہ بسا اوقات غیر مسلموں کے قبول اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ برائیوں میں لت پت ایک مسلمان اپنے ضمیر پر ایک بوجھ لیے زندہ رہتا ہے، برائی کے برائی ہونے کا احساس اسے کچوکے لگاتا رہتا ہے اور زندگی کا کوئی ایک حادثہ اسے راہِ راست پر لے آتا ہے۔ وہ گناہوں اور برائیوں سے توبہ کر کے ایک صالح اور متقی مسلمان بن کر زندگی گزارنے لگتا ہے۔ اس طرح ایک بے عمل مسلمان اپنے شب و روز عیش و مستی میں ضرور گزارتا ہے، لیکن وہ اپنی بے عملی پر پشیمان ضرور ہوتا ہے، خواہ ایک عرصے تک اپنی زبان نہ کھولے اور ضمیر کی آواز کو دبائے رکھے، لیکن زندگی کے کسی موڑ پر وہ خواب غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور بے عملی کی زندگی ترک کر کے ایک باعمل اور باکردار مسلمان بن کر زندگی گزارنے لگتا ہے۔

اس کے برعکس بدعت میں گرفتار مسلمان جس تاریکی میں پہنچ جاتا ہے، وہاں سیاہ رنگ اسے سفید دکھائی دیتا ہے بلکہ اس سے زیادہ سفیدی اسے کسی چیز میں نظر نہیں آتی۔ وہ اندھیرے کو اجلا سمجھ لیتا ہے اور اسی میں اپنا سفر حیات طے کرتا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے

کہ اس نے بدعت کو عین دین سمجھ کر اختیار کیا ہے اور دین سے چونکہ اسے غایت درجہ کی محبت ہوتی ہے، اس لیے وہ اس سے دست بردار ہونے کے لیے بمشکل تیار ہوتا ہے بلکہ اگر کوئی اس پر تنقید کرے اور اس کے طرز حیات کو غلط قرار دے تو اس سے الجھ پڑتا ہے اور ناصح ہی کو وہ گمراہ قرار دینے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں بدعت کی سخت مذمت کی گئی ہے اور بدعتی سے فاصلہ بنائے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

زیر مطالعہ کتاب میں ان بدعات کی نشان دہی کی گئی ہے جو بالعموم برصغیر میں پائی جاتی ہیں اور سال کے بارہ مہینوں میں طرح طرح کے ناموں سے ان کو یاد کیا جاتا ہے۔ کتاب کے مصنف مولانا عبدالرؤف ندوی صاحب علمی حلقوں میں متعارف ہیں، کئی ایک کتابیں انہوں نے تصنیف کی ہیں۔ پیش نظر کتاب میں مصنف نے بہت تفصیل سے سال کے مختلف مہینوں میں پائی جانے والی بدعات پر گفتگو کی ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ ہر بدعت کے پس منظر پر گفتگو کریں، جن لوگوں نے اس کو ایجاد کیا ہے، ان کی تفصیل بیان کریں اور نصوص کتاب و سنت سے اس کا ٹکراؤ کیسے ہو رہا ہے اور مسلم معاشرے پر اس کے کیا منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں، اس کی وضاحت کریں۔ کتاب کے جملہ مباحث انتہائی معلومات افزا اور بیش قیمت ہیں۔ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ مسلمانوں کی دینی زندگی میں بدعات نے کہاں کہاں تباہی مچا رکھی ہے تو اس کتاب سے آپ کو مکمل رہنمائی حاصل ہو سکے گی۔

مجھے خوشی ہے کہ مولانا محترم نے اپنی اس اہم کتاب کی اشاعت کے لیے دارالعلم کو منتخب کیا اور خواہش ظاہر کی کہ کتاب کو وسیع پیمانے پر عام کیا جائے تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو سکے۔ ادارہ مولانا رفیق احمد رئیس سلفی کا بھی شکر گزار ہے، موصوف نے پوری کتاب پر نظر ثانی کی ہے اور اپنی تقدیم سے کتاب کی علمی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

— ناشر

انتساب

کتاب و سنت کے ان مخلص داعیوں کے نام، جو توحید و سنت کی ترویج و اشاعت اور شرک و بدعت کے رد و ابطال میں پوری زندگی تیغ بکف رہے اور اپنے خونِ جگر سے چمنِ اسلام کی آبیاری کرتے ہوئے اس احساس کے ساتھ اپنے ائمہ نقوش ثبت کر گئے

حاصل عمر نثارے سر یارے کردم
خوشم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ناچیز

عبدالرؤف ندوی



ABU UMAMAH OWAIS

مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ

کا صحیح مطلب

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی ﴿مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ﴾ کو صحیح طور پر سمجھنے میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ صرف کلمہ توحید کے زبانی اقرار سے دوزخ سے نجات اور جنت میں داخلے کا پروانہ مل جاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ ایسا سمجھنے والا اپنے آپ کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے، کیونکہ نہ تو اس نے کلمہ توحید کو سمجھا اور نہ ہی اس پر غور و فکر کیا۔ کلمہ توحید کا حقیقتاً معنی یہ ہے کہ تمام قسم کے معبودوں سے بیزاری کا اظہار کیا جائے، تمام قسم کی عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کی جائیں اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق اس پر عمل کیا جائے۔ اب جو شخص عبادات میں اس کلمہ کے حقوق کی نگہداشت نہیں کرتا یا چند عبادات کی ادا ایگی تو کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کی پرستش بھی کرتا ہے، جیسے فوت شدہ اولیاء کو پکارنا، ان کے نام کی نذر ماننا تو ایسا شخص حقیقتاً کلمہ لا الہ الا اللہ کی بنیاد کو گراتا ہے، ایسے شخص کا دعویٰ اس کے لیے فائدہ مند نہ ہوگا اور نہ ہی اسے عذاب الہی سے بچا سکے گا۔ اگر صرف زبان کا اقرار کافی ہوتا تو مشرکین عرب رسول اکرم ﷺ سے عداوت نہ رکھتے اور نہ ہی ان سے جنگ کی نوبت آتی۔

(هدایة المستفید، ۱/۲۳۲)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرضِ ناشر

مسلمانوں کی دینی زندگی کے لیے سب سے زیادہ مضر چیز بدعت ہے، جسے نبی اکرم ﷺ نے گمراہی قرار دیا ہے۔ اسلام کی صاف ستھری تعلیم اور اس کی روشن و تابناک تصویر دھندلی ہو جاتی ہے۔ افراد امت کی دینی ترجیحات کا رخ بدل جاتا ہے اور وہ طرح طرح کی خرافات اور رسموں کو عین اسلام سمجھنے لگتے ہیں۔ غیر مسلم دنیا کے لیے اس میں کوئی کشش نہیں رہ جاتی بلکہ بسا اوقات غیر مسلموں کے قبول اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ برائیوں میں لت پت ایک مسلمان اپنے ضمیر پر ایک بوجھ لیے زندہ رہتا ہے، برائی کے برائی ہونے کا احساس اسے کچھ لگا رہتا ہے اور زندگی کا کوئی ایک حادثہ اسے راہِ راست پر لے آتا ہے۔ وہ گناہوں اور برائیوں سے توبہ کر کے ایک صالح اور متقی مسلمان بن کر زندگی گزارنے لگتا ہے۔ اس طرح ایک بے عمل مسلمان اپنے شب و روز عیش و مستی میں ضرور گزارتا ہے، لیکن وہ اپنی بے عملی پر پشیمان ضرور ہوتا ہے، خواہ ایک عرصے تک اپنی زبان نہ کھولے اور ضمیر کی آواز کو دبائے رکھے، لیکن زندگی کے کسی موڑ پر وہ خواب غفلت سے بیدار ہوتا ہے اور بے عملی کی زندگی ترک کر کے ایک باعمل اور باکردار مسلمان بن کر زندگی گزارنے لگتا ہے۔

اس کے برعکس بدعت میں گرفتار مسلمان جس تاریکی میں پہنچ جاتا ہے، وہاں سیاہ رنگ اسے سفید دکھائی دیتا ہے بلکہ اس سے زیادہ سفیدی اسے کسی چیز میں نظر نہیں آتی۔ وہ اندھیرے کو اجلا سمجھ لیتا ہے اور اسی میں اپنا سفر حیات طے کرتا رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے

کہ اس نے بدعت کو عین دین سمجھ کر اختیار کیا ہے اور دین سے چونکہ اسے غایت درجہ کی محبت ہوتی ہے، اس لیے وہ اس سے دست بردار ہونے کے لیے بمشکل تیار ہوتا ہے بلکہ اگر کوئی اس پر تنقید کرے اور اس کے طرز حیات کو غلط قرار دے تو اس سے الجھ پڑتا ہے اور ناصح ہی کو وہ گمراہ قرار دینے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت میں بدعت کی سخت مذمت کی گئی ہے اور بدعتی سے فاصلہ بنائے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

زیر مطالعہ کتاب میں ان بدعات کی نشان دہی کی گئی ہے جو بالعموم برصغیر میں پائی جاتی ہیں اور سال کے بارہ مہینوں میں طرح طرح کے ناموں سے ان کو یاد کیا جاتا ہے۔ کتاب کے مصنف مولانا عبدالرؤف ندوی صاحب علمی حلقوں میں متعارف ہیں، کئی ایک کتابیں انھوں نے تصنیف کی ہیں۔ پیش نظر کتاب میں مصنف نے بہت تفصیل سے سال کے مختلف مہینوں میں پائی جانے والی بدعات پر گفتگو کی ہے۔ ان کی کوشش ہے کہ ہر بدعت کے پس منظر پر گفتگو کریں، جن لوگوں نے اس کو ایجاد کیا ہے، ان کی تفصیل بیان کریں اور نصوص کتاب و سنت سے اس کا نگر او کیسے ہو رہا ہے اور مسلم معاشرے پر اس کے کیا منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں، اس کی وضاحت کریں۔ کتاب کے جملہ مباحث انتہائی معلومات افزا اور بیش قیمت ہیں۔ اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ مسلمانوں کی دینی زندگی میں بدعات نے کہاں کہاں تباہی مچا رکھی ہے تو اس کتاب سے آپ کو مکمل رہنمائی حاصل ہو سکے گی۔

مجھے خوشی ہے کہ مولانا محترم نے اپنی اس اہم کتاب کی اشاعت کے لیے دارالعلم کو منتخب کیا اور خواہش ظاہر کی کہ کتاب کو وسیع پیمانے پر عام کیا جائے تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو سکے۔ ادارہ مولانا رفیق احمد رئیس سلفی کا بھی شکر گزار ہے، موصوف نے پوری کتاب پر نظر ثانی کی ہے اور اپنی تقدیم سے کتاب کی علمی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ (آمین)

— ناشر

پیش لفظ

اسلام کی نظر میں عقیدہ کی بڑی اہمیت ہے۔ صحیح عقیدہ دین اسلام کی بنیاد ہے۔ عقیدہ ہی وہ روح ہے، جس سے اسلام کے تمام ارکان کونشو و نما ملتی ہے۔ جس طرح جسم سے روح نکل جائے تو اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح اسلام کے ظاہری اعمال و افعال سے اگر عقیدہ خالی ہو جائے تو ان کی معنویت باقی نہیں رہتی۔ انسان کے تمام اقوال و اعمال اسی وقت صحیح اور بارگاہِ الہی میں مقبول ہوں گے جب کہ اس کا عقیدہ صحیح اور درست ہو۔ اگر کسی شخص کا عقیدہ صحیح اور درست نہیں ہے تو اس کے سارے اعمال بے کار اور عند اللہ غیر مقبول ہیں، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عقیدہ کی پختگی اور اس کی اصلاح و تطہیر پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ عقائد ہی کے بیان پر مشتمل ہے، جس کے ہر لفظ سے توحید کا چشمہ اُبل رہا ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب اللہ کو ایک بتاتے ہیں اور تمام قومیں بھی اللہ کو ایک ہونے کا اقرار کرتی ہیں، لیکن توحید کا عقیدہ سب میں مفقود ہے۔ عیسائیوں نے توحید کی فضا کو تثلیث کے غبار سے مگر کر رکھا ہے اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ بنا کر توحید سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، پارسیوں نے نیکی اور بدی کے دو خالق یزداں اور اہرمن وضع کر رکھے ہیں۔ ہندوؤں کے دیوتاؤں اور خداؤں کو تو کوئی گن ہی نہیں سکتا۔ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے توحید کا ایک مکمل، پاکیزہ اور صاف ستھرا عقیدہ پیش کیا ہے۔ دورِ حاضر میں اسلام پر چوکھی حملہ ہے۔ کہیں باطل تحریکوں کی یلغار ہے، کہیں

لا دینیت اور کمیونزم کا فتنہ ہے۔ کہیں برہمنی تہذیب اور ہندو معاشرت اختیار کرنے کا فتنہ ہے اور کہیں قادیانیت اور بہائیت جیسے فتنے سر اٹھا رہے ہیں اور سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ اندرونی طور پر خود مسلمانوں کے اندر اسلام کے نام پر کھلی شرک پرستی پائی جاتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زیارت، قربانی، نذر و نیاز، فریاد، دعا، استغاثہ اور ممنوع وسیلہ ان تمام امور میں اللہ کو چھوڑ کر کھلم کھلا زندہ و مردہ مخلوق کو اپنی عقیدت و بندگی کا مرکز بنا لیا گیا ہے اور ملت اسلامیہ قدیم جاہلیت کی تمام شرکیہ رسموں کو اسلام کا نام دے کر زندہ کر چکی ہے۔ انسان روئے زمین پر آباد کیے جانے کے بعد کئی صدیوں تک برابر توحید پر گامزن رہا۔ تخلیق آدم سے بعثت نوح تک وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کرتے ہوئے ایک ایسی امت کی مانند رہا جس کے اندر شرک کا شائبہ تک نہ تھا، لیکن جب انسانی معاشرہ میں شرک کے مظاہر نمودار ہونے لگے، فطرت انسانی جو اپنی اصل میں توحید کی خوگر تھی، اس کے اندر ان خارجی عوامل کی دراندازی شروع ہو گئی جو عقیدہ توحید کے منافی تھے۔ شیطان کی ڈریت نے اپنے جدا مجد ابلیس کے عہد کو پورا کر دکھایا اور اولادِ آدم کو راہِ حق سے بھٹکا دیا، تو انسان جس کی حقیقت توحید تھی اس نے اللہ واحد کے ساتھ معبودانِ باطل کی بندگی کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا اور معبودِ حقیقی کے ساتھ غیروں کی چوکھٹ پر بھی سر جھکانے لگا۔

جب تک مسلمانوں نے توحید کو مضبوطی سے تھامے رکھا اور اس پر عمل پیرا رہے، کامیابی ان کی قدم بوسی کرتی رہی۔ یہ توحید ہی کا ثمرہ تھا جس نے بے یار و مددگار اور نہتے ابراہیم علیہ السلام کو نمرود جیسے ظالم، جابر بادشاہ کے خلاف اعلانِ حق پر آمادہ کیا۔ خلیل اللہ نے آگ اور سنگ باری کے خوف سے بے نیاز ہو کر بت پرستی کی مذمت کی اور دعوتِ توحید کو پیش کیا۔ وہ توحید ہی کی اسپرٹ تھی جس کے ذریعہ جنگ بدر میں تین سو تیرہ نہتے مسلمانوں نے کفار کے ایک ہزار لشکر کو شکستِ فاش دی۔ یہ توحید ہی کی طاقت تھی جس کی بدولت خالد بن ولید نے جنگِ یرموک میں شاہِ روم ہرقل کے لشکر جبرار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ توحید ہی کی دولت

تھی جس کے ذریعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے روم و ایران کی سلطنتوں کو زیر کر ڈالا۔ وہ توحید ہی کی برکت تھی جس کے ذریعہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر میں اسلام کا پرچم لہرایا۔ وہ توحید ہی کی اسپرٹ تھی جس کے ذریعہ محمد بن قاسم نے سندھ کے راجہ داہر کا سر کچل ڈالا اور سندھ سے لے کر ملتان تک سارا علاقہ اسلامی حکومت میں شامل کر دیا۔ وہ توحید ہی تو تھی جس کے ذریعہ طارق بن زیاد نے سرزمین اندلس کو اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا۔ وہ توحید ہی تو تھی جس کے ذریعہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے چھکے چھڑا دیے۔ وہ توحید ہی کی طاقت تھی جب ہمارے اسلاف افریقہ فتح کرتے کرتے سمندر کے ساحل پر پہنچے تو حیرت سے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور کہا: اے ہمارے رب! اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اس سمندر کے اس جانب بھی خشک علاقے یا انسانی بستیاں ہیں تو تیری عزت کی قسم، اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر کوئی ایسی جگہ نہ رہے گی جہاں تیرے دین کا جھنڈا نہ گاڑ دیں۔ جو چیز اپنی اصل بنیاد کو چھوڑ دیتی ہے تو وہ بلندی کی طرف نہیں بلکہ پستی کی طرف جاتی ہے، اسے عزت نہیں بلکہ ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ آج ہم نے توحید کی امانت کو ضائع کر دیا، جس کی وجہ سے ہمیں ذلت و رسوائی نے آگھیرا ہے۔

اس وقت ہمارے ملک کا حال دیکھیں تو وہی شرک، وہی بدعت اور وہی بے دینی ہے جو پہلے تھی۔ نازک حالات میں بھی مسلمان اپنے دین کی طرف لوٹنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ دین کو ہم نے کوئی اور ہی چیز سمجھ رکھا ہے۔ مذہب اسلام ایک جامع نظام حیات ہے اور اسے اللہ نے پوری کائنات کے لیے رحمت بنایا ہے، مگر اسی مذہب اسلام کو ہم نے اپنے لیے بھی رحمت نہیں رکھا۔ دین کے جتنے بھی بنیادی مسائل ہیں، ان سے ہم یکسر غافل رہ کر کارگہ حیات میں اپنے وجود اور تشخص کو برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسلام کے بنیادی ارکان کی ادائیگی اور شرک و بدعت اور خرافات و منکرات کا صفایا کیے بغیر بھی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دین کی کوئی خدمت کر لیں گے، جب تک یہ فکر موجود رہے گی

مسلمان کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ کوئی میرا دعویٰ نہیں، قرآن مجید کا اعلان ہے:

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (الزمر: ۶۵)

”اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور یقیناً تو زیا کاروں میں سے

ہو جائے گا۔“

ایسے نازک حالات میں ہم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ زبان و قلم سے کتاب و سنت کی روشنی میں ان تمام باطل افکار و نظریات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور شرک و بدعت اور طاغوت کے ایوانوں سے اٹھنے والے طوفانوں سے اسلام کی اصلی تصویر کو محفوظ رکھیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ وحدانیت پختہ ہو، ایمان کامل ہو، اعمال مضبوط ہوں اور زندگی کا ہر کام قرآن و حدیث کے مطابق ہو۔

تاریخ کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ ہمارے اسلاف نے کفر و شرک اور بدعت کے ساتھ ادنیٰ مصالحت گوارا نہیں کی حالانکہ اس کی ان کو بڑی قیمت ادا کرنا پڑی۔ کالا پانی کی سزائیں برداشت کیں۔ قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں اور ان کو باغی قرار دیا گیا، ان کا بائیکاٹ کیا گیا، ان کو مسجدوں سے نکالا گیا، ان پر کفر و ضلالت کے فتوے لگائے گئے لیکن ان تمام آزمائشوں و مشکلات کے باوجود بھی شرک و بدعت کے ساتھ ذرا بھی رواداری نہیں برتی، بلکہ علمائے حق نے علمائے سوء کے ہر چیلنج کا دندان شکن جواب دیا۔ بت خانوں میں نعرہ تکبیر بلند کیا، کفر و شرک اور بدعت کے ایوانوں میں زلزلے پیدا کر دیے۔

دی اذائیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں

کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے

زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

غرضیکہ ہمارے اسلاف نے مسلمانوں کو قرآن و حدیث کی دولت سے مالا مال کیا

اور شریعت محمدیہ کے نفاذ اور اسلامی نظام برپا کرنے کے لیے خون کا آخری قطرہ بھی بہا دیا مگر افسوس!

خندہ زن کفر ہے احساس تجھے ہے کہ نہیں
اپنی توحید کا کچھ پاس تجھے ہے کہ نہیں

حق و باطل کی لڑائی روزِ ازل سے جاری ہے۔ اسلام دشمن طاقتیں مذہبِ اسلام کے خلاف منظم سازشوں میں مصروف ہیں۔ ہمارے دینی مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ قرار دینے کی تمام مذموم کوششیں کی جا رہی ہیں اور ہماری عبادت گاہوں کی تعمیر میں رکاوٹیں پیدا کی جا رہی ہیں، حالانکہ یہ اور اس طرح کے تمام الزامات شراغیزی اور فتنہ پردازی پر مبنی ہیں۔ اسلام میں دہشت گردی اور تشدد کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اسلام حقوقِ انسانی کی حفاظت کا علمبردار ہے اور امن و سلامتی اور مساوات قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ۱۸۵۷ء میں یہی وہ دینی مدارس تھے جنہوں نے انگریزوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تھا۔ جنگِ آزادی میں تقریباً ۵۵ ہزار علماء شہید ہوئے اور اپنے بچوں اور عورتوں کو بلکتا اور روتا جھوڑ گئے تھے۔ آج ان کی قربانیوں کو فراموش کر کے یہ فسطائی جماعتیں، جن کا جنگِ آزادی میں کوئی حصہ نہیں، دینی مدارس کو ملک دشمن اور غدار وطن قرار دینے کی ناپاک اور مذموم کوششیں کر رہی ہیں۔ سچ ہے:

اپنے عیبوں کی کہاں آپ کو کچھ پرواہ ہے غلط الزام تو اوروں پر لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

مذہبِ اسلام اس ملک میں اس وقت آیا جب یہاں دوسرے مذاہب کی تعلیمات ملیا میٹ ہو چکی تھیں، تہذیب و تمدن کی کھیتیاں خاکستر ہو چکی تھیں، اخلاقی و معاشرتی آداب کے سوتے خشک ہو چکے تھے اور ہندوستان کے راجاؤں اور پروہتوں کی عیاشیوں کی وجہ سے ہندوستان میں انسانیت سسکیاں لے رہی تھی۔ جب یہاں مذہبِ اسلام آیا تو اس نے اس

ملک کو سنو ارا، اسے روح افزا تہذیب و تمدن عطا کیا، یہاں کے باشندوں کو انسانی اخلاق و آداب سکھائے اور یہاں کے معاشرہ کو امن و سلامتی، عدل و انصاف اور مساوات کا خوشگوار پیغام دیا۔ اس طرح مذہب اسلام اس ملک کا سب سے بڑا محسن ثابت ہوا۔ مگر افسوس اس کے باوجود ملک کی فسطائی ذہنیت کی جماعتیں شب و روز اسلام اور مسلمانوں کے خلاف الزام تراشی سے باز نہیں آتی ہیں۔ تقسیم وطن یعنی ۱۹۴۷ء سے لے کر حادثہ گجرات زربندر مودی سرکار کی دہشت گردی اور یک طرفہ نسل کشی تک مسلمانوں کے جان و مال اور ان کی ماؤں بہنوں کی عزت و آبرو سے مسلسل کھلواڑ کیا جا رہا ہے۔ ہر لمحہ ہمارے سروں پر تلوار لٹکتی نظر آتی ہے۔ ملازمتوں میں ہمارے لیے جگہ نہیں، خوش حالی کو گلے لگانے کی کوشش کریں تو فرقہ وارانہ فسادات ہمیں فٹ پاتھ پر لا ڈالتے ہیں۔ تعلیمی میدان ہے کہ ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے، معاشی میدان میں تو عرصہ حیات تنگ ہے۔ مصائب ہیں، غربت ہے، ذلت ہے کہ پیچھا نہیں چھوڑتی۔ اسلام دشمن عناصر نے تو ہمارا یہ حال کر رکھا ہے

کوئی حصہ نہیں ہے جسم کا محروم چوٹوں سے

وہیں سے درد اٹھتا ہے جہاں پر ہاتھ رکھتا ہوں

علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ نے بہت پہلے کہا تھا:

”ہندوستان میں اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ اچھوتوں کا مقام بلند کیا جائے

اور ان سے خالی ہونے والی جگہ کو مسلمانوں سے پُر کیا جائے۔“

وقت کی پکار ہے کہ ایسے نازک اور پر فتن حالات میں اصلاح امت کے لیے ہم زندگی کے ہر شعبہ میں کتاب و سنت کو لازم پکڑیں۔ آج کا مسلمان اسی وقت ذلت و کبیت، مصائب و آلام سے چھٹکارا حاصل کر سکتا ہے جب وہ عقائد و عبادات، اخلاق و معاملات اور معاشرت و اخلاقیات کو کتاب و سنت کے سانچے میں ڈھالیں اور مختلف پگڈنڈیوں کو چھوڑ کر کتاب و سنت کی شاہراہ اختیار کریں اور اصلاح امت کا وہی نسخہ اپنائیں جو ہمارے

محمد عربی ﷺ نے اختیار کر رکھا تھا، کیونکہ قرآن کا جہاں یہ ارشاد ہے: **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا** (آل عمران: ۱۰۳) وہیں پر یہ بھی ارشاد ہوا ہے: **وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ** (الانعام: ۱۵۴)

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کے ساتھ ساتھ اللہ واحد پر عقیدہ محکم رکھیں اور سارے معبودان باطل سے بے نیاز ہو جائیں۔ ڈریں تو اسی سے ڈریں، مانگیں تو اسی سے مانگیں، کیونکہ اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں اور وہ غنی، علیم اور سمیع ہے۔

علامہ عبدالرزاق ملیح آبادی رحمہ اللہ نے ایک موقع پر تحریر فرمایا تھا:

”حضرت انس رضی اللہ عنہ بنو امیہ کے زمانے میں رویا کرتے تھے کہ عہد اول کا دین باقی نہ رہا۔ اگر وہ ہمارے اس زمانے کو دیکھتے تو کیا کہتے۔ کیا وہ ہمیں مشرک قرار نہ دیتے اور ہم انہیں کوئی برانام نہ دیتے، کیونکہ اس وقت اور اس وقت کے اسلام میں اب اگر کوئی مشترک چیز باقی رہ گئی ہے تو صرف لفظ اسلام ہے یا چند ظاہری ورسی عبادتیں ہیں اور وہ بھی بدعت کی آمیزش سے پاک نہیں۔ کتاب اللہ جیسی آسمان سے اتری تھی اب تک بے غل و غش قائم ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ بھی مدون اور محفوظ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، مگر کتنی بڑی بد نصیبی ہے کہ دونوں مہجور و متروک ہیں۔ طاقتوں اور الماریوں کی زینت ہیں یا گنڈوں تعویذوں میں مستعمل ہیں۔ مسلمان اپنی عملی زندگی میں ان سے بالکل آزاد ہیں۔ اجیر کا عرس دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ وہی مسلمان ہیں جو عامل قرآن اور علمبردار تو حید تھے۔“

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے بھی ایک موقع پر ہندوستانی مسلمانوں

کے عقائد کو دیکھ کر فرمایا تھا:

”ہندوستانی مسلمانوں کے عقائد کی سرانے میں داخل ہو جاؤ تو معلوم ہوگا کہ

بھڑوں کا چھتہ پھیلا ہوا ہے اور انگریزوں کی آمد کے بعد کے ہندوستان میں

مسلمانوں کی تاریخ باہمی نزاع کا ایک وحشت خانہ ہے۔“

ان دونوں علمائے کرام نے ہندوستانی مسلمانوں کی کیسی خوبصورت ترجمانی فرمائی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ داخلی اور خارجی دونوں میدان میں جس گراؤ کا شکار ہے اور جس شدت کے ساتھ شرک و بدعت، خرافات و منکرات اسے اپنے شکنجے میں گس رہے ہیں، وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ مسلمانوں کی بیش بہا دولت اسراف و تبذیر اور مختلف قسم کے تکلفات میں ضائع ہو رہی ہے اور ہمارے عقائد کا یہ حال ہے کہ زبان سے توحید کا اقرار اور دل و دماغ میں بت خانہ کی تعمیر ہے۔ منہ سے لا الہ الا اللہ اور زندگی شرک کی راہ پر گامزن ہے۔ مختلف قسم کی بدعات ہمارے گھر اور معاشرہ میں رواج پا چکی ہیں۔ سال کے اکثر اسلامی مہینے محرم الحرام سے لے کر ذی الحجہ تک مسلمانوں کی ایجاد کردہ خرافات و منکرات سے بھرے پڑے ہیں۔

عقیدہ توحید ہی پر دین کی عمارت قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے بھی انبیاء کرام مبعوث فرمائے، سبھی کا اولین مقصد توحید کی تعلیم دینا تھی۔ عقیدہ کا معاملہ بہت اہم ہے، اگر کسی مسلمان کا عقیدہ توحید پر قائم نہیں ہے تو اس کی ساری زندگی کا سرمایہ اعمال بیکار ہے، جیسے دودھ کے ایک بھرے برتن میں پیشاب کا ایک قطرہ پڑ جائے تو سب بیکار ہے۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی گئی تھی ”وَاعْبُدُوا اللَّهَ“ یعنی اللہ کی پرستش کرو، مگر افسوس اللہ کی پرستش کی جگہ مختلف پرستاریوں نے اسلام کی صاف ستھری تصویر کو مسخ کر ڈالا، اور آج حالت یہ ہے کہ مسجدیں ویران مگر قبریں آباد ہیں۔ اللہ کے گھر میں بوسیدہ چٹائیاں پڑی ہیں، مگر قبروں پر قیمتی چادریں بچھی ہیں۔ شاعر نے سچ ہی کہا ہے:

کمند غیر نے ڈالی ہے چاند تاروں پر اور ایک ہم ہیں کھڑے ہیں ابھی مزاروں پر
غریب شہر ترستا ہے ایک ردا کے لیے بہت سی چادریں چڑھتی ہوئی مزاروں پر
ہم اپنے گھر کا اندھیرا تو دور کرنے سکے مگر چراغ جلاتے رہے مزاروں پر

ملت کے افراد کئی کئی روز فاقوں پر ہیں، مگر گیارہویں کی دیکیں ٹھنک رہی ہیں۔ قوم کے افراد تعلیم سے عاری اور غربت میں مبتلا ہیں مگر عرس پر لاکھوں روپیہ اڑ رہا ہے۔ دینی ادارے موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں، مگر عید میلاد النبی ﷺ کے جشن اور شب برأت میں نیاز کے حلوے اور رجبی کوندوں پر لاکھوں روپیہ خرچ ہو رہا ہے، غرض یہ کہ آج کا مسلمان مختلف پرستاریوں میں مبتلا ہے۔ علماء حق ہزار سمجھائیں، قرآن مجید کھول کر اور احادیث کے صحیفے سامنے رکھ دیں، لیکن ہوگا وہی جسے کہتے ہیں:

”بچوں کا حکم سر آنکھوں پر، لیکن پر نالہ وہیں گرے گا۔“

آج مسلمانوں کے دینی گھر، ان کے دماغ، ان کے عمل کا پر نالہ وہیں گر رہا ہے جہاں وہ چاہتے ہیں کہ گرے۔ ان کی اصل شریعت کتاب و سنت نہیں ہے، بلکہ خود ساختہ شریعت ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ قرآن و حدیث میں کیا ہے؟ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ جمیعین، تابعین عظام اور ائمہ اسلام رحمہم اللہ کا کیا تعالٰیٰ رہا ہے؟ حالانکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ بلاشک و شبہ اور بلا شرکت غیرے اپنے پیدا کرنے والے کو ایک جانے اور مختار کل سمجھے، کفر و شرک اور بدعت کی آلائشوں و گندگیوں سے اپنے دل و دماغ کو آئینہ کی طرح صاف و شفاف رکھے، خصوصاً اس دور میں عقیدہ کی اصلاح اور بھی ضروری ہو جاتی ہے، اس لیے کہ آج مادے اور معدے کی مسرفانہ ضرورتوں نے ہر طرح سے عقائد کی بنیاد ہلا کر رکھ دی ہے۔ اس وقت خاص کر ہندو پاک، بنگلہ دیش و نیپال میں کچھ اسی طرح کا ماحول پایا جاتا ہے۔

آج اگر کوئی شخص مسلمانوں کے فکری و عملی انحطاط کو دیکھنے کے بعد سوال کرے کہ ان کا کیا علاج ہو سکتا ہے تو اس کو امام مالک رحمہ اللہ کے الفاظ میں ایک جملہ کے اندر جواب ملنا چاہیے کہ لن یصلح آخر هذه الامة الا ما اصلح اولها۔ (اقتضاء

الصراط المستقیم لابن تیمیہ، ص ۳۶۷)

”امت کے آخری عہد کی اصلاح کبھی بھی نہ ہو سکے گی تا وقتیکہ وہی طریقہ اختیار نہ کیا کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

جائے، جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی۔“

اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا جائے اور ہر اس دعوت کو جو اللہ کی اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آئے، دلی قبولیت کے ساتھ سنا جائے۔

اسلام میں نہ پاپائیت ہے نہ عبدیت سے بے نیاز روحانی پیشوائیت۔ وقت آ گیا ہے کہ یہ خود ساختہ پیشوائیت کی فیصل ڈھادی جائے تاکہ اللہ کے بندوں کا تعلق اللہ کے دین سے براہ راست ہو جائے۔ ایک حساس آدمی جب شرک و بدعت کی اس گرم بازاری کو دیکھتا ہے تو اس کا دل تڑپ اٹھتا ہے، یہی وہ جذبہ ہے جس کے پیش نظر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں عرب و عجم کی ایسی جامع کمالات شخصیتوں کی علمی تحقیقات بھی شامل ہیں جو تقریباً پون صدی سے علم و فن کی ہر مجلس میں ضیا باری کرتی رہیں اور جن کے قلم نے اسلامی علوم و فنون کے دفتر کھنگال ڈالے ہیں اور جن کے کارناموں سے دین و ملت کا ہر گوشہ معمور ہے۔

فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (الحج: ۹۳) کے بمصداق شرک و بدعت کی تردید میں ہم حق کی آواز بلند کر رہے ہیں اور جو لوگ بھی تعصب اور ہوا پرستی سے پاک ہو کر اس کتاب کا مطالعہ کریں گے ان کا جذبہ حق اور آزاد ضمیر انھیں قبولیت حق پر مجبور کرے گا۔ اس کتاب میں اگر کوئی خطا پائیں تو بشری کوتاہی پر محمول فرمائیں اور حق و صواب ہو تو اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ دعا ہے کہ رب رؤف اس کتاب کی افادیت کو عام کرے اور عوام کو ہدایت کا بہتر ذریعہ بنائے اور ناچیز کی محنتوں کو قبول فرمائے اور معاونین کرام کو اجر عظیم سے نوازے، آمین۔

طالب دعا

عبدالرؤف ندوی

۱۸ ستمبر ۱۹۹۲ء

تلسی پور، بلرام پور (یوپی)

عقیدہ و فکر کے زائمی اصول اور ضابطے

آیات قرآن کریم

- لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱)
”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔“
- وَمَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (الحشر: ۷)
”رسول اللہ ﷺ جو تم کو دیں اس کو لے لو جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔“
- اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ. (الاعراف: ۳)
”تم لوگ اس چیز کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے رفیقوں کی اتباع مت کرو۔“
- يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدَّمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ. (الحجرات: ۱)
”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔“
- فَإِنْ تَنَارَغْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء: ۵۹)
”اگر تم آپس میں کسی چیز کے بارے میں اختلاف کرو تو اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو۔ اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہو، یہی چیز بہتر ہے۔“

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

○ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ
وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران: ۳۱)

”اے محمد ﷺ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو محبوب رکھے گا، اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔“

○ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ. (النساء: ۸۰)

”رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔“

○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (البقرة: ۲۰۸)

”اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی مت کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“

○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ.

(محمد: ۳۳)

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔“

ارشادات نبوی ﷺ

○ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هُوَ تَابِعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ.

(مشکوٰۃ محقق ۱/۵۹، رقم الحدیث: ۱۶۷)

”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔“

○ مَنْ أَحَبَّ سُنَّتِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ الْجَنَّةَ.

(مشکوٰۃ المصابیح ۱/۲۲، رقم الحدیث: ۱۷۵)

”جس نے میری سنت سے محبت کی، گویا اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔“

○ فَمَنْ رَغِبَ عَنِ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي. (صحيح بخارى، كتاب النكاح، باب الترغيب فى النكاح ۱۲۹/۹، رقم الحديث: ۵۰۶۳، صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح ۱۸۶/۵، رقم الحديث: ۵)

”جو میری سنت سے روگردانی کرے گا وہ مجھ سے نہیں یعنی میری امت میں اس کا شمار نہ ہوگا۔“

○ لو تركتم سنة نبيكم لضللتم. (صحيح مسلم، كتاب المساجد، باب الصلوة الجماعة من سنن الهدى والنسائي فى الامامة المحافظة على الصلوات حديث ينادى بهن، وابن ماجه فى المساجد، باب المشى الى الصلوة، احمد، ۱/۳۱۵-۳۵۵)

”اگر تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔“

○ تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما كتاب الله وسنة رسوله. (مشکوٰۃ المصابيح، ۱/۶۶، رقم الحديث ۱۸۶)

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے گمراہ گمراہ نہیں ہو گے، وہ (دو چیزیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کا طریقہ ہے۔“

○ إياكم والغلو فى الدين فانه اهلك من كان قبلكم الغلو فى الدين. (النسائي، كتاب المناسك، باب التقاط الحصى، ابن ماجه، كتاب المناسك، باب قدر احصى الرمي، احمد، ۱/۲۱۵-۲۲۷، وصححه البانى)

”خبردار دین میں غلو سے بچو، تم سے پہلے لوگوں کو اسی غلو نے ہلاک کیا ہے۔“

○ لا تطرونی کما أطرت النصارى ابن مریم فانما أنا عبد فقولوا عبد اللہ ورسوله. (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء باب واذکر فی کتاب مریم ۱/۶۹۱ رقم الحدیث ۳۳۳۵)

”میری تعریف میں غلو و مبالغہ نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے ساتھ کیا، یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہنا۔“

○ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المہدیین تمسکوا بہا وعضوا بہا بالنواجذ وایاکم و محدثات الامور فان کل محدثۃ بدعة و کل بدعة ضلالة. (مسند امام احمد، ۳/۱۲۶، ۱۲۷، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب لزوم السنۃ، رقم الحدیث ۳۶۰۷، جامع ترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ واجتناب البدع، رقم الحدیث ۲۶۷۸، سنن ابن ماجہ مقدمہ ۴۲-۴۳، مستدرک حاکم ۱/۹۷، سنن دارمی مقدمہ باب اتباع السنۃ، ۱/۳۳-۳۵)

”تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کا طریقہ اپناؤ اور اسے مضبوطی سے تھامے رہو، اور دین کے اندر ایجاد کیے گئے نئے نئے کاموں سے بچو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

○ من سن سنة حسنة کان له اجرها واجر من عمل بها و من سن فی الاسلام سنة سیئة فعلیہ وزرها و وزر من عمل بها. (صحیح مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة أو سئیة ۸/۴۷۹، رقم الحدیث: ۱۵، مسند احمد ۳/۳۵۷، سنن نسائی ۱/۳۵۵-۳۵۶)

”جس نے بہترین راہ کی طرح ڈالی (جس نے کسی سنت کو زندہ کیا) اس کو اور اس پر عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا اور جس نے کسی بے طریق کو ایجاد کیا وہ اور اس کی تعمیل کرنے والے گنہگار ہوں گے۔“

فلاح و نجات کس کے لیے ہے؟

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

افترتت اليهود علیٰ احدى وسبعین فرقة وافترتت النصارى علی اثین وسبعین فرقة وستفترق هذه الامة علی ثلاث وسبعین فرقة كلها فی النار إلا واحدة، فقال الصحابة: من هی یا رسول الله؟ قال من كان علی مثل ما انا علیه واصحابی. (سنن ترمذی مع تحفة الاحوذی الايمان باب افتراق هذه الامة ۳۳۲/۷، رقم الحدیث ۲۷۷۸، ۲۷۷۹، سنن أبی داؤد کتاب السنة باب شرح السنة ۱۹۷/۳، رقم الحدیث ۳۵۹۶، ۳۵۹۷، سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب افتراق الامم ۱۳۲۱/۲-۱۳۲۲، رقم الحدیث ۳۹۹۱-۳۹۹۲، مسند احمد بن حنبل ۳۳۲/۲)

”یہودی اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور عیسائی بہتر فرقوں میں پھٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ سب کے سب دوزخی ہوں گے سوائے ایک کے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ کون سا فرقہ ہوگا اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔“

اور فرمایا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَيَّ الْحَقُّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ. (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة باب لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق ۳۲۳/۱۳، رقم الحدیث: ۷۳۱۱، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب قوله ﷺ لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق ۷۳/۷، رقم الحدیث: ۱۷۰)

”میری امت میں برابر ایک گروہ حق پر غالب رہے گا۔ لوگ ان کو ذلیل و رسوا کر کے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، تا آنکہ اللہ کا حکم آن پہنچے۔“

بظاہر مسلمانوں کی تعداد بہت ہے، لیکن درحقیقت وہ بہت کم ہیں۔ اسلام کی طرف انتساب رکھنے والی جماعتوں کی تعداد ۳۷ تک پہنچ چکی ہے، جن کی مجموعی تعداد کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے، لیکن عقیدہ اور عمل صالح کے اعتبار سے صرف ایک ہی جماعت ایسی ہے جو توحید کی علمبردار اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کی صحیح پیروکار ہے، جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے درج بالا حدیث میں ارشاد فرمایا ہے، یہی فرقہ ناجیہ ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام جس طریقہ پر تھے وہ یہ ہے کہ کلمہ توحید کی شہادت اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کے بعد صرف اللہ تعالیٰ ہی سے دعا کرے، اسی کے لیے ذبح کرے، اسی کے لیے نذر پوری کرے، اسی سے فریاد طلب کرے، اسی سے مدد مانگے، اسی کی پناہ ڈھونڈھے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے اندر نہیں ہے۔ اسی طرح ارکان اسلام کو بحسن و خوبی انجام دے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں، نازل کردہ آسمانی کتابوں، بھیجے ہوئے رسولوں، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے اور حساب و کتاب، جنت و جہنم اور اچھی بری تقدیر پر ایمان و یقین رکھے، اور قرآن و حدیث کی بالادستی قبول کرتے ہوئے اپنے سارے فیصلے انھیں کی روشنی میں کرائے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور اللہ والوں سے محبت اور اس کے دشمنوں سے نفرت کرے۔ اللہ کا دین پھیلانے کی کوشش کرے اور جہاد فی سبیل اللہ میں بھرپور حصہ لے۔ رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور اہل بیت سے محبت و عقیدت رکھے اور صحابہ کرام سے محبت رکھے اور ان کے حسب درجات و مراتب ان کی فوقیت اور فضیلت کا اعتراف کرے اور ان سب کے لیے اللہ سے رضامندی کی دعا کرے اور ان منافقین اور منخرفین کی باتوں کی طرف سے توجہ نہ دے جو انھوں نے صحابہ کے خلاف کیچڑ اچھالنے اور مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کے لیے گھڑا ہے، اور جس سے دھوکہ کھا کر بعض علماء و مورخین نے اپنی اپنی کتابوں میں محض حسن نیت کی بنا پر ذکر کر دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے

محبت یا اولیاء اللہ سے عقیدت کے معنی یہ نہیں کہ ان کی عبادت کی جائے کیونکہ یہ تو ان سے عداوت ہے، بلکہ ان سے صحیح عقیدت و محبت کا معیار یہ ہے کہ ان کی سچی پیروی کی جائے اور ان کے طریقہ پر چلا جائے۔ حقیقی مسلمان وہ ہے جو انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے محبت تو کرتا ہے لیکن ان کی عبادت نہیں کرتا، اور فرقہ ناجیہ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے، وہ بھی ایسی محبت جو اپنے نفس، اہل و عیال اور دنیا کی محبت سے زیادہ ہو۔

چند جواب طلب سوالات

قرآن مجید، احادیث نبوی اور فقہ کی کتابوں سے اسلام کی جن اساسی تعلیمات کا علم ہوتا ہے، ان میں بعض مندرجہ ذیل ہیں:

توحید، آخرت، کلمہ طیبہ و شہادت کی فضیلت، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ، حقوق العباد، والدین کی اطاعت، رشتہ داروں کے حقوق، مہمانوں کے حقوق، عورتوں کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، یتیمی کے حقوق، اولاد کے حقوق، لڑکیوں اور بہنوں کے حقوق، غرباء و مساکین کے حقوق، پڑوسی کے حقوق، مریضوں کے حقوق، مسلمانوں کے حقوق، غلاموں کے حقوق، رعایا کے حقوق اور جانوروں کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ۔

بعض معمولی اور چھوٹی باتوں کا تذکرہ بھی ہم کو ملتا ہے: مثلاً پانی میں مکھی گر جائے تو کس طرح نکالا جائے، جوتا پہلے کس پیر میں پہنا جائے اور نکالا پہلے کس پیر سے جائے، کتنے ڈھیلے سے استنجاء کیا جائے، پانچخانہ کے لیے کس رخ بیٹھا جائے، فطرہ کب اور کس کی طرف سے اور کتنا دیا جائے، قربانی میں کون جانور کس عمر اور کس طرح کا ہونا چاہیے، زکوٰۃ کس قسم کے مال سے کن لوگوں پر کتنی مدت میں فرض ہے وغیرہ وغیرہ، لیکن ہزار تلاش و جستجو کے بعد بھی قرآن مجید، احادیث نبوی ﷺ اور فقہ کی کتابوں میں حسب ذیل باتوں کا

کوئی ذکر تفصیلاً یا اجمالاً نہیں ملتا:

تقریباً بنانے کا باب، عید میلاد النبی کا باب، عید نوروز کا باب، عید غدیر کا باب، بڑے پیر کی گیارہویں کا باب، ماہ صفر کی بدعات کا باب، رجبی کونڈوں کا باب، شب برأت میں حلوے بنانے کا باب، غیر اللہ کے نام خاصی اور مرغ ذبح کرنے کا باب، تیجہ، دسواں، چہلم، ششماہی، سالینہ (برسی) کے نام برتھ ڈے اور فول ڈے منانے کا باب، بزرگوں اور اولیاء اللہ سے تندرستی، مقدمہ میں فتح، لڑکائی، روزی، بارش اور نوکری مانگنے کا باب، بزرگوں کے مزاروں پر نذر و نیاز کے لیے کس قسم کے جانور اور کس عمر اور کس صفت کے ذبح کیے جائیں، بزرگان دین تو بہت ہیں کن کن بزرگوں کا عرس کیا جائے اور کن کا نہ کیا جائے اور کس مہینے میں کیا جائے؟ تاریخ کیا ہو؟ حج کی طرح زندگی میں ایک بار کیا جائے، زکوٰۃ کی طرح سال میں ایک مرتبہ کیا جائے یا نماز کی طرح ہر روز کیا جائے؟ کتنی چادریں چڑھائی جائیں، چڑھانے کے بعد کیسے اتاری جائیں، اتارنے کے بعد ان کا مصرف کیا ہو؟ میلاد کس طرح شروع کیا جائے، قیام شروع میں ہو یا درمیان میں؟ قیام میں کتنی بار درود شریف پڑھا جائے درود شریف کے ساتھ کچھ اور پڑھا جائے یا نہیں؟ تقریب کس رقم سے بنایا جائے؟ کہاں دفن کیا جائے؟ دفن کی صورت کیا ہو؟ یہ ساری باتیں اگر نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی طرح اسلامی شریعت میں داخل ہیں تو کتاب و سنت اور کتب فقہ میں ان کی تفصیلات کیوں مذکور نہیں ہیں، جب کہ مکھی نکالنے اور جوتا پہننے تک کا بیان تفصیل سے صاف طور پر موجود ہے۔ ائمہ دین اور فقہاء کرام نے چھوٹی چھوٹی باتیں قرآن اور حدیث سے نکال کر ہماری فلاح اور بہبود کے لیے لکھ دی ہیں تو ان باتوں کو کیوں چھوڑ دیا؟ اگر کوئی کہے کہ فلاں مولوی صاحب ان باتوں کو فلاں آیت یا فلاں حدیث سے ثابت کرتے ہیں، ان سے ضرور پوچھنا چاہیے کہ آپ حنفی اور مقلد ہیں یا وہابی غیر مقلد؟ اگر وہ یہ فرمائیں کہ ہم حنفی اور مقلد ہیں تو ان سے پوچھئے کہ قرآن و حدیث سے

مسئلہ، امام اور مجتہد نکالتا ہے اور مقلد کا کام امام کی پیروی ہے اس لیے آپ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ یا دیگر ائمہ کا قول و عمل ثبوت کے ساتھ پیش کیجئے۔ اگر وہ ثبوت کے ساتھ پیش کر دیں تو دل کھول کر عمل کر سکتے ہیں ورنہ ان باتوں سے پرہیز کیجئے، اور مٹھائی، چادر اور مرغا، بکرا وغیرہ میں جو رقم خرچ کر کے ان مولوی صاحبان کو عیش و عشرت کا سامان مہیا کرتے ہیں، اسے اپنے بچوں کی دینی تعلیم و تربیت میں خرچ کیجئے تاکہ خود ان کو دین کا علم حاصل ہو اور وہ کسی کے بہکاوے میں نہ آئیں، اور قرآن مجید کے اس آیت کریمہ کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اطِيعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطَلُوْا اَعْمَالَكُمْ.

(محمد: ۳۳)

”اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع

مت کرو۔“

نقلی کعبوں کی دھوم

مسلمانوں کے بعض فرقے اولیاء کی قبروں کو اللہ کے گھر (خانہ کعبہ) کی طرح مقدس بنا لیتے ہیں، اور ان کے ساتھ بالکل وہی معاملہ کرتے ہیں جو صرف اللہ کے گھر کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔ ہر سال حج کے دن کی طرح عرس کا دن مقرر کیا جاتا ہے۔ احرام کی جگہ ننگے سر، یا ننگے پیر چلنے کی قید لگائی جاتی ہے۔ لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ کے مقابلے میں یا ہو یا ہو کا نعرہ لگتا ہے۔ غلاف کعبہ کی طرح قبر کی چادر کا انتظام ہوتا ہے۔ حجر اسود کے بوسہ کی جگہ قبر کے سر ہانے یا پائنتی کے پتھر کو چوما جاتا ہے۔ طواف کعبہ کے بدلے قبر کے پھیرے لگتے ہیں۔ سجدے اور رکوع ہوتے ہیں۔ دعائیں اور مناجاتیں کی جاتی ہیں۔ ملتزم کی طرح ڈیوڑھی اور دروازہ سے چمٹا جاتا ہے۔ بابا کی بیٹھک سے ان کی

قبر تک دوڑ کر سعی صفا و مروہ کی نقل کی جاتی ہے۔ زمزم کی جگہ قبر کے دھون کے پانی کو جمع کر کے تبرک بنایا جاتا ہے۔ ہدی کے بجائے حضرت کی نذر کا بکر اور مرغسا تھ آتا ہے۔ غرض آج ہر طرف اور ہر جگہ ان نقلی کعبوں کی دھوم مچی ہوئی ہے اور خلقت ہے کہ ٹوٹی پڑتی ہے۔ کیا کوئی پوچھ سکتا ہے کہ اللہ کو ایک اور اکیلا ماننے والی اس توحیدی امت میں جس کی بندگی کی خواہش کی تکمیل کے لیے اللہ نے اپنا گھر مہیا فرمادیا تھا، آخر یہ سب کیوں اور کیسے ہو گیا، تو جواب صاف ہے کہ ایک مدت گزر جانے کے بعد نام نہاد دین داروں نے اپنا پیشہ چکانے کے لیے ہندوؤں کی طرح دیوتاؤں اور دیویوں کی فوج تیار کر کے ان کے گرد عظیم الشان دیومالا کا تانا بانا بن دیا۔ پھر اسلامی کاشی اور مٹھرا وجود میں آئے اور مسلمان کنیشوں اور مرلیوں نے جنم لیا۔ کھڑے پتھروں کی جگہ پڑے پتھروں نے قبروں کی شکل میں اپنے استھان بنائے اور درشن کا نام بدل کر زیارت رکھ لیا۔ پر نام کی جگہ سلام نے لے لی۔ ڈنڈوت نے سجدہ تعظیم کا جامہ پہنا۔ پھیروں کے بجائے طواف ہونے لگے۔ پر شاد تبرک بن گیا۔ بھجن نے توالی کا روپ دھار لیا اور یہ موجودہ دین وجود میں آیا، پھر ہزاروں قیدی بنے، لاکھوں عصمتیں برباد ہوئیں، لاتعداد لاشے تڑپے، نونہالوں کا خون چوس چوس کر یہ دھرتی سیراب ہوئی، مگر اس نئے دین کی بہاروں کا ایک پھول نہ مرجھایا۔ ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ہمارے بعض مولوی صاحبان ان باتوں کی مسلسل تبلیغ کر رہے ہیں کہ جنت کا پروانہ صرف اسی صورت میں مل سکتا ہے جب تم قرآن خوانی کرو، ایصال ثواب کرو، گیارہویں کرو، چالیسواں کرو، اجیر جاؤ، کلیر جاؤ، دیوی جاؤ، بہرائج جاؤ، نظام الدین جاؤ، غوث اعظم کا دامن تھام لو، مزاروں پر چراغاں کرو، قبروں پر چادر چڑھاؤ، نذر و نیاز کرو، بکرا اور مرغاذخ کرو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اپنی کتاب میں فرمادیا ہے:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَفِلُونَ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا

بِعِبَادَتِهِمْ كَفِرِينَ. (الاحقاف: ۵-۶)

”اور اس سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوگا جو اللہ کے علاوہ ایسوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتے وہ تو ان کی پکار ہی سے غافل ہیں۔ ہاں قیامت کے دن جب سب لوگ جمع کیے جائیں گے (اور ان اولیاء کو اپنے پیجا ریوں کی حرکات سے باخبر کیا جائے گا) تو ان کے یہ اولیاء اللہ اپنے پیجا ریوں کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی پوجا پاٹ کا شدت کے ساتھ انکار کر دیں گے۔“

گنبد خضراء کی تاریخ

امت مسلمہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ہی قبلہ مقرر کر دیا ہے اور وہ ہے مسجد حرام۔ چنانچہ تمام مسلمان خواہ وہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں مکہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں، اور یہ مسلمانوں کو متحد رکھنے کا بڑا ذریعہ بھی ہے مگر تفرقہ پسندوں نے نبی ﷺ پر سلام پڑھنے کے حیلہ سے مدینہ کے رخ کو متعین کیا اور مسجدوں میں شمال مغرب کی جانب گنبد خضراء کی تصویریں آویزاں کر دیں تاکہ اس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر سلام پڑھا جائے۔ سلام کے لیے یہ تکلف کھلی بدعت ہے اور یہ مسلمانوں میں تفرقہ کا باعث ہے۔ آئیے گنبد خضراء کی تاریخ ملاحظہ کریں کہ اس کی تعمیر کب ہوئی، تقریباً سات سو سال تک قبر نبوی پر کوئی عمارت نہیں تھی۔ پھر ۶۷۸ھ میں منصور بن قلادون صالحی (بادشاہ مصر) نے کمال احمد بن برہان عبدالقوی کے مشورہ سے لکڑی کا ایک جنگلہ بنوایا اور اسے حجرہ کی چھت پر لگا دیا، اور اس کا نام ”قبر رزاق“ پڑ گیا۔ اس وقت کے علماء ہر چند کہ اس صاحب اقتدار کو نہ روک سکے، مگر انھوں نے اس کام کو بہت برا سمجھا اور جب یہ مشورہ دینے والا کمال احمد معزول کیا گیا تو لوگوں نے اس کی معزولی کو اللہ کی طرف سے اس کے اس فعل کی سزا تصور کیا۔ پھر الملک الاشرف شعبان بن حسین بن محمد نے اس میں تعمیری اضافے

کیے یہاں تک کہ موجودہ تعمیر عمل میں آئی۔ (وفاء الوفاء للسهودی، ص ۳۳۶-۳۳۵)

یہ ہے حقیقت گنبد خضراء کی آخر ان لوگوں کو ایسی بات پر کیوں اصرار ہے جس کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے۔ کیا یہ لوگ شریعت ساز بن گئے ہیں کہ جو نیا طریقہ چاہیں دین میں نکالیں، اور لوگوں کو زبردستی اس کا پابند بنائیں۔ ان کی سمجھ میں اتنی بات بھی نہیں آتی کہ شارع نے ہر نماز میں تشہد کو ضروری قرار دیا ہے، اور تشہد بیٹھ کر پڑھا جاتا ہے جس میں ”السلام علیک ایہا النبی ورحمة اللہ و برکاتہ“ کے کلمات ادا کیے جاتے ہیں، اور اس کے بعد درود ابراہیمی پڑھا جاتا ہے۔ یہ سلام اور درود بیٹھ کر پڑھنے کو نماز کا جز قرار دیا گیا۔ اگر کھڑے ہو کر نبی ﷺ کو سلام اور درود بھیجنے کی کوئی فضیلت ہوتی تو سلام و درود تشہد میں نہیں بلکہ قیام میں متعین کیا جاتا۔

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ کے عقیدت مند یہی ہیں، حالانکہ نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلنے والا اور آپ کی ٹھیک اسی طرح پیروی کرنے والا جس طرح آپ نے پیروی کرنے کی ہدایت کی ہے، آپ کا سچا عقیدت مند ہے اور آپ کے ایسے مخلص پیروؤں ہی کے لیے اللہ کی نوازشیں اور آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو بے راہ روی میں مبتلا ہیں انھیں دین کی سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

تو حق سے حق کو مانگ۔ کبھی ماسوا نہ مانگ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میرے بندے مجھ سے دعا کرتے ہیں، یعنی کوئی چیز مانگتے ہیں تو میں ہی ان کو دیتا ہوں۔ بندہ کو حکم ہے کہ اپنی ہر حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرے۔ انسان جب کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کو دور کرنے کے لیے کسی نہ کسی کو پکارتا ہی ہے۔ بعض لوگ مصیبت دور کرنے کے لیے ان ہستیوں کو پکارتے ہیں جو نہ ان کی پکار کو سن ہی سکتی ہیں اور نہ ان کی حاجت دور ہی کر سکتی ہیں، اس لیے صرف اللہ کو پکارنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَأَنِّي قَرِيبٌ. (البقرة: ۱۸۶)

”میرے محبوب! میرے بندے آپ سے میرا پتہ پوچھیں تو انہیں بتادیں کہ میں تو تمہارے قریب ہوں۔“

وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ. (ق: ۱۶)

”اور میں تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔“

أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ. (المومن: ۶۰)

”مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔“

نَبِيُّ عِبَادِي أَنَسَى أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ. (الحجر: ۳۹)

”میرے خطا کار بندوں کو بتادیجیے کہ میں بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنْ رُبِّكُمْ حَتَّىٰ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي مِنْ عَبْدِهِ إِذَا رَفَعَ

يَدِيهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صَفْرًا. (ترمذی)

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

”تمہارا پروردگار بہت شرم والا اور کریم ہے، جب کوئی بندہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اس سے مانگتا ہے تو ان دونوں ہاتھوں کو خالی واپس کرتے ہوئے شرماتا ہے۔“

اللہ ہر وقت دیتا ہے اور دینے کے لیے تیار بیٹھا ہے، بشرطیکہ کوئی مانگنے والا ہو اس لیے اللہ سے ہمیں چھوٹی بڑی سبھی ضرورتیں مانگنی چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لیسئل احدکم ربہ حاجتہ کُلَّھا حتی یسئل شسع نعلہ اذا قطع. (ترمذی)
 ”تم اپنی ضروریات کو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو، یہاں تک کہ جو تے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو اسے بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔“

تم کو شکوہ ہے ہمارا مدعا ملتا نہیں دینے والے کو گلہ یہ ہے، گدا ملتا نہیں
 بے نیازی دیکھ کر بندے کی کہتا ہے کریم دینے والا دے کے دست دعا ملتا نہیں
 کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

لا تسئل بنی آدم حاجتہ و سئل الذی ابوابہ لا تحجب
 اللہ یغضب ان ترکت سؤالہ وابن آدم حین یسئل یغضب

”کسی انسان سے اپنی حاجت مت مانگو، اس سے مانگو جس کے کرم و سخاوت کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ انسان اور اللہ کے درمیان تو یہی فرق ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے مانگنا چھوڑ دو گے تو اللہ ناخوش ہو جائے گا اور انسان سے جب مانگو گے تو ناخوش ہو جائے گا۔“

اس لیے ہمیں اپنی ہر ضرورت اللہ ہی سے مانگنی چاہیے اس لیے کہ مختار کل انبیاء و اولیاء نہیں، بلکہ مختار کل صرف اور صرف اللہ ہی ہے۔ وہی ہمارا غوث اعظم، دست گیر، مشکل کشا، حاجت روا، داتا اور ہم سب کا خالق، مالک اور رازق ہے، اس لیے ہمیں اللہ واحد کے چوکھٹ پر اپنا سر جھکانا چاہیے

سلمان ایک بات تجھے راز کی کہوں

تو حق سے حق کو مانگ کبھی ماسوا نہ مانگ

عقیدہ توحید و رسالت کا مفہوم

توحید کیا ہے

توحید وحدت سے بنا ہے۔ جس کے معنی ایک ماننا اور ایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا ہے، یعنی اللہ کو ایک ماننے، زبان سے اس کا اقرار کرنے، دل سے اس کی تصدیق کرنے اور اس کے حکموں کو بجالانے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرنے کو توحید کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور جملہ صفات و کمال میں یکتا و بے مثل ہے۔ اس کا کوئی سا جہی یا شریک نہیں، وہ بے نیاز ہے، کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اس کا کوئی ہم پلہ و ہم مرتبہ نہیں۔ وہ کسی کے مشابہ نہیں، اس نے سب کو پیدا فرمایا ہے اور اس کو کسی نے وجود نہیں بخشا، حتیٰ کہ اس کی نہ اولاد ہے، نہ وہ کسی سے پیدا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ، لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ. (الاحلاص: ۴)

”اے پیغمبر لوگوں سے کہہ دو کہ وہ ایک ہے، بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔“

توحید کے اجمالی بیان میں سورہٴ اخلاص بڑی اہم سورت ہے۔ اس میں ان سارے مشرکین کی تردید ہے جو اللہ کے ساتھ دوسرے جھوٹے معبودوں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

ان کی بھی تردید ہے جو نور اور اندھیرے کے دو الگ الگ خداؤں کے قائل ہیں جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے، اور ان کی بھی تردید ہے جو ہر کنکر کو شکر جانتے ہیں اور ان کی بھی تردید ہے جو خدا کے لیے بیوی اور بیٹے کا عقیدہ رکھتے ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا خیال ہے، اور ان کی بھی تردید ہے جنہوں نے بزرگوں اور ولیوں کو الوہیت کا درجہ دے رکھا ہے اور ان کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا ہے۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے (اقبال)

توحید کی قسمیں:

توحید کی تین قسمیں ہیں: (۱) توحید ربوبیت (۲) توحید الوہیت (۳) توحید اسماء

وصفات

(۱) توحید ربوبیت: ربوبیت کا لفظ رب سے بنا ہے۔ رب کے کئی معنی ہیں: آقا، مالک اور پرورش کرنے والا، یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اس کائنات کا خالق مالک رازق اور مدبر صرف اللہ ہے۔ اس توحید کو ملاحدہ اور زنادقہ کے علاوہ تمام لوگ مانتے ہیں حتیٰ کہ مشرکین مکہ بھی اس کے قائل تھے۔ اللہ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْأَبْصَارَ
وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ
فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ. (يونس: ۳۱)

”ان سے پوچھو کون تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے، یا وہ کون ہے جو تمہارے کان اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، اور وہ کون ہے جو جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کر رہا ہے، وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ۔“

اور فرمایا: وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ. (زخرف: ۸۷)

”اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان و زمین کا خالق کون ہے تو یہ خود کہیں گے کہ اللہ۔“

(۲) توحید الوہیت: توحید الوہیت کو توحید عبادت بھی کہا جاتا ہے جس کا مطلب

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تنہا عبادت اور بندگی کا مستحق قرار دیا جائے، کیونکہ وہی اس کا حقیقی مستحق ہے، خواہ اس کا درجہ اور مرتبہ کتنا ہی بلند و بالا ہو، خواہ وہ نبی یا پیغمبر ہو، فرشتہ یا جن ہو یا ولی صالح ہو یعنی عبادت کی تمام اقسام کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ توحید الوہیت یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ، دعا، استمداد، التجا، نذر و نیاز یہ تمام کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیے جائیں۔ مولانا حالی رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے نہ

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق

اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق

لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

اسی پر ہمیشہ بھروسہ کرو تم اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم

اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم اسی کے طلب میں مرو جب مرو تم

مُبرّا ہے شرکت سے اس کی خدائی

نہیں اس کے آگے کسی کی بڑائی

مشہور سیرت نگار، محقق عالم جناب قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمہ اللہ نے

کیا ہی خوب توحید کی ترجمانی فرمائی ہے نہ

سب اپنے اپنے حال میں ہیں احتیاج مند

دل میں کسی کو جان کے حاجت روا نہ مانگ

مانگ اور مانگ سدا مانگ حق سے مانگ

مت مانگ کچھ نہ مانگ بشر سے ذرا نہ مانگ

خالق سے مانگ تسمہ بھی ہو خواہ کفش کا
سلک گہر اور شہ در یا عطا نہ مانگ

ہے دینے والا سب کو غنی الحمید ہی
خلقت سے دے کے واسطہ کبریا نہ مانگ

سلمان ایک بات تجھے راز کی کہوں!
تو حق سے حق کو مانگ کبھی ماسوا نہ مانگ

(۳) توحید اسماء و صفات: توحید اسماء و صفات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو صفات قرآن و حدیث میں بیان ہوئی ہیں، ان کو بغیر کسی تاویل اور تخریف کے تسلیم کریں، اور وہ صفات اس انداز میں کسی اور کے اندر نہ مانیں، مثلاً جس طرح اس کی صفت علم غیب ہے، یا دور اور نزدیک سے ہر ایک کی فریاد سننے پر وہ قادر ہے، کائنات میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے، یا اس قسم کی اور صفات الہیہ ان میں سے کوئی صفت بھی اللہ کے سوا کسی نبی، ولی یا کسی بھی شخص کے اندر تسلیم نہ کی جائے۔ اگر تسلیم کی جائے گی تو یہ شرک ہوگا۔ جہمیہ اور معتزلہ اور ان کے ہم مسلک دوسرے اہل بدعت کے عقائد بھی اسماء و صفات کے متعلق صحیح عقیدہ اسلامی سے متصادم ہیں جو کہ اللہ کی صفات کا انکار کرتے ہیں، اور تمام صفات کمال سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو عاری اور معطل سمجھتے ہیں جس کے نتیجہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات پاک کا معدوم اور جمادات و ناممکنات کی قبیل سے ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس نظریہ سے بالا و برتر ہے۔ اسی طرح وہ لوگ بھی اس زمرہ میں شامل ہیں جو بعض صفات کا انکار کرتے ہیں۔ مثلاً اشاعرہ جس بات سے بچنے کے لیے انھوں نے بعض صفات کی نفی اور ان کے دلائل کی تاویل کی تھی، دراصل ان کے بعض دوسری صفات کا اقرار کرنے سے وہی بات لازم آتی ہے۔ اس طریقہ سے انھوں نے عقلی اور نقلی دلائل کی مخالفت کی اور واضح تناقض کا شکار ہوئے۔

اخلاص

لغت میں اخلاص کئی معنی کے لیے آتا ہے۔ چنانچہ اس کا معنی خالص ہونا، صاف ہونا، أخلص الشيء چن لینا ہے۔ (لسان العرب مادہ خلص ۲۷/۲۸، ۲۷ و تاج العروس مادہ خلص ۱/۳۸۹، ۳۹۰) مخلص اس آدمی کو کہتے ہیں جو خالصتاً اللہ کی توحید کا قائل ہو اسی وجہ سے قل هو اللہ أحد کو سورۃ اخلاص کہتے ہیں۔ یعنی اخلاص کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ بندے اپنے تمام کھلے اور چھپے اعمال اور باتوں میں اللہ کی رضا چاہیں، اور تمام اعمال و افعال ارادہ و نیت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو خالص کیا جائے۔

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:

”اس کا نام اخلاص اس وجہ سے پڑا ہے کیوں کہ یہ اللہ کی صفت و تقدیس میں خالص ہے، اور اس کا کہنے والا توحید کو اللہ کے لیے خالص کر دیتا ہے، اور اخلاص کی حقیقت یہ ہے کہ غیر اللہ سے برأت کا اظہار کرتے ہوئے خالص اللہ کے لیے عمل کیا جائے۔“ (تاج العروس، ۳/۳۹۰)

ارشاد باری ہے:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ. (البیتہ: ۵)

”اور انھیں حکم دیا گیا ہے کہ یکسو ہو کر اللہ کی مخلصانہ عبادت کریں۔“

یہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہے جس کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر اس بندے کو دیا ہے۔ اس کے لیے اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز اللہ تعالیٰ کے علاوہ مقبول نہیں، یہی اسلام کی حقیقت ہے اور اس سے جو اعراض کرے گا وہ دنیا کا سب سے بڑا حتمی ہوگا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واما الاخلاص فهو حقيقة الاسلام اذا الاسلام هو الاستسلام لله لا لغيره كما قال الله تعالى: 'صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ. الاية. (الزمر: ۲۹) فمن لم يستسلم لله فقد استكبر ومن استسلم لله ولغيره فقد اشرك وكل من الكبر والشرك ضد الاسلام و الاسلام ضد الشرك والكبر.

(فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ۱۳/۱)

”اور رہا اخلاص تو یہی اسلام کی حقیقت ہے اس لیے کہ اسلام کا معنی ہے کہ اللہ کا فرماں بردار ہونا، نہ کہ اس کے علاوہ کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ غلام ایسا ہے کہ جس میں بہت سے لوگ شریک اور مساوی جھہ دار ہیں، اور ایک شخص صرف ایک ہی کا غلام ہے تو کیا یہ دونوں غلام (حیثیت) میں برابر ہیں۔ پس جس شخص نے اللہ کی فرماں برداری نہیں کی۔ اس نے تکبر کیا اور جس نے اللہ کے ساتھ بھی دوسرے کی فرماں برداری کی، اس نے شرک کیا اور شرک و کبر دونوں ہی اسلام کی ضد ہیں، اور اسلام کبر و شرک کی ضد ہے۔“

سنت کی تعریف:

سنت طریقہ کو کہتے ہیں محدثین کی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ سے منقول شدہ قول و فعل و اخلاقی وصف اور سیرت کو سنت کہتے ہیں۔ (مقدمہ مرعاۃ المفاتیح)

سنت نبوی ﷺ کا اطلاق نبی ﷺ سے ثابت قولی، فعلی اور تقریری تینوں طرح کی سنتوں پر ہوتا ہے۔ سنت نبوی ﷺ کی اتباع کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے عقائد و اعمال میں کتاب و سنت کی پیروی کی جائے، اور اسی کے دائرہ میں اپنے عقائد و اعمال کو محدود رکھا جائے، اور اس دائرے سے نہ تجاوز کیا جائے اور نہ انحراف کیا جائے۔

سنت قولی: آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے جو کچھ ارشاد فرمایا، اسے قولی حدیث کہتے ہیں۔ قولی حدیث کی مثال یہ فرمان نبوی ﷺ ہے:

المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا. (صحيح بخارى كتاب الأدب باب تعاون المومنين بعضهم بعضاً، ۱/۵۵۱، رقم الحديث ۶۰۲۶)

”ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک جز دوسرے کو مضبوط بناتا ہے۔“

اس طرح کی متعدد قولی احادیث کتب احادیث میں موجود ہیں۔

سنت فعلی:

آپ ﷺ نے عملی طور پر اپنی امت کو جو کچھ کر کے دکھایا اسے فعلی سنت کہتے ہیں۔ فعلی حدیث کی مثالوں میں رسول اللہ ﷺ کے وہ تمام افعال ہیں جن کی اقتدا تمام مسلمان نماز، روزہ اور مناسک حج میں ادا کرتے ہیں، نیز وضو اور روزہ وغیرہ کے سلسلے میں آپ ﷺ سے منقول جملہ افعال بھی اس کی مثالیں ہیں۔

سنت تقریری:

کسی صحابی نے آپ کے سامنے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی، اور آپ ﷺ نے نہ تو اس کام سے روکا اور نہ اس بات پر نکیر فرمائی بلکہ خاموشی اختیار کی اور اس کو برقرار رکھا، اسے سنت تقریری کہتے ہیں۔

تقریری حدیث کی مثالوں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے دسترخوان پر ضب (گوہ) کا گوشت کھایا۔ آپ ﷺ نے نہ تو تناول فرمایا اور نہ نکیر کی جب آپ ﷺ سے نہ کھانے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا:

”میری قوم کی سرزمین (مراد قریش کی زمین) مکہ میں گوہ نہیں کھائی جاتی ہے اس لیے مجھے اس کے کھانے کی عادت نہیں ہے۔ اگر گوہ کھانا حرام ہوتا تو اس کے کھانے پر

آپ ﷺ ضرور نکیر فرماتے۔ (صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ باب ما کان النبی ﷺ لایاکل حتی یسمی له فیعلم ما ہو ۹/۶۶۷، رقم الحدیث ۵۳۹۱)

اسی طرح بنو قریظہ پر حملے کے وقت آپ نے حکم فرمایا تھا کہ سب لوگ عصر کی نماز سرزمین بنو قریظہ ہی میں پڑھیں، تو بعض لوگوں نے اس کو جلد بازی پر محمول کیا، اور عصر کے وقت مدینہ ہی میں نماز پڑھ لی، لیکن دوسرے صحابہ نے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق مغرب تک عصر کو مؤخر کر کے بنو قریظہ میں عصر کی نماز ادا کی، آپ ﷺ نے کسی پر نکیر نہیں کی۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب وجع النبی ﷺ من الاحزاب و مخرجه الی بنی قریظہ ۷/۵۱۸، رقم الحدیث ۴۱۱۹، صحیح مسلم کتاب الجہاد باب المبادرۃ بالغزو ۶/۳۴۰، رقم الحدیث: ۶۹)

انبیاءِ کرام کی بعثت کا مقصد

انبیاءِ کرام کی بعثت کا مقصد توحید کی دعوت اور کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار اور اس کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کی دعوت ہے، اور وہ صرف اللہ واحد کی عبادت ہے اور سارے معبودان باطل کی عبادت اور ان کے قوانین سے بیزاری کا اظہار کرنا ہے اور شریعت الہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے۔ اسلام کا کلمہ جامعہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایسا کلمہ ہے کہ ساری دنیا کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتا ہے اس میں نہ کسی قوم اور رنگ کا امتیاز برتا گیا ہے، نہ کسی ملک و وطن کی تفریق کی گئی ہے۔ ارشاد الہی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۝ (سبا: ۲۸)

”اے نبی ہم نے آپ کو ساری دنیا کیلئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ (الانبیاء: ۱۰۷)

”ہم نے آپ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“

محمد ﷺ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء مبعوث فرمائے وہ اگرچہ مختلف خطہ ارض اور مختلف قوموں اور گروہوں کی اصلاح کے لیے بھیجے گئے تھے، لیکن سب کی دعوت ایک ہی تھی، اور سب کا پیغام بھی ایک ہی تھا۔ ان تمام انبیاء کرام نے ایک پروگرام اور ایک ہی مشن چلایا تھا جس کا لب لباب توحید و رسالت اور آخرت ہے۔

ہمارے محمد عربی ﷺ کی سب سے پہلی آواز جو مکہ کی گھاٹیوں میں گونجی، وہ اسی کلمہ

توحید کا اعلان تھا۔ قرآن مجید کی مسلسل آیتیں اسی سے متعلق نازل ہوئی شروع ہوئیں، یہاں تک کہ تیرہ برس تک نہ روزہ فرض ہوا، نہ زکوٰۃ اور نہ حج، نماز کی فرضیت کا اعلان بھی تقریباً دس سال کے بعد ہوا۔ دین حق کی تبلیغ کے لیے اللہ کی راہ میں آپ ﷺ کو بڑی سخت تکلیفیں و ایذائیں پہنچائی گئیں، مگر آپ اور آپ کے اصحاب کرام صبر و ثبات کے ساتھ برابر لوگوں کو حق کی طرف بلا تے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جزیرۃ العرب کو تمام بتوں اور صورتوں سے پاک کر دیا۔ اللہ کے کلمہ کا بول بالا ہوا، اور پورے جزیرہ عرب میں اسلام غالب ہو گیا۔ پھر مسلمان جزیرہ عرب کے باہر اشاعت حق کی غرض سے جہاد فی سبیل اللہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ان کے ذریعہ سے چہار دانگ عالم میں حق کا غلغلہ بلند ہوا، اور اللہ کی زمین پر انصاف عام ہوا۔ اس طرح وہ دنیا کے سامنے ائمہ ہدایت، داعیان حق، عدل و انصاف کے نقیب اور اصلاح عالم کے علمبردار بن کر ظاہر ہوئے، اور انھیں کے نقش قدم پر تابعین کرام چلتے رہے۔ ان ہادیان دین اور داعیان حق نے بھی اللہ کے دین کی خوب خوب اشاعت کی اور لوگوں کو وحدانیت کی دعوت دی، اور جان و مال سے راہ حق میں جہاد کرتے رہے۔

دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے

بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں

کبھی افریقہ کے پتے ہوئے صحراؤں میں

پھر بعد میں لوگ بدل گئے، باہمی اختلاف کے شکار ہو گئے، شرک و بدعت، خرافات و منکرات میں مبتلا ہو گئے، جس کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں نوع بنوع کی برائیوں اور منکرات نے سراٹھایا اور ان سے وہی محفوظ رہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے محفوظ رکھا۔ پھر پاداش عمل کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت بھی بدل ڈالی اور دشمنوں

کوان پر مسلط کر دیا۔

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرائیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دارا، جہاں بان و جہاں آراء
تجھے آبا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
شریاء سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا

ضرورت ہے کہ عظمت رفتہ کو حاصل کرنے کے لیے آج کا مسلمان قرآن و حدیث
کو لازم پکڑے۔ شرک و بدعت، خرافات و منکرات اور تمام معبودان باطل سے بیزاری کا
اعلان کرے اور صرف اللہ کی عبادت کرے، اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي
الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَ لِيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ
لَهُمْ وَ لِيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَ مَنْ
كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ. (النور: ۵۵)

”جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے کام کیے اللہ تعالیٰ نے ان سے
وعدہ کیا ہے کہ ان کو ضرور ملک میں حکومت دے گا، جیسے اس نے اگلے لوگوں کو ان سے پہلے
حکومت دی تھی، اور جس دین کو ان کے لیے پسند کیا ہے، اس کو مضبوط بنیادوں پر جمادے گا،
اور ان کو جو دشمنوں سے ڈر ہے ان کو اس کے بدلہ امن دے گا وہ میری عبادت کرتے رہیں گے،
میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور جو شخص اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق و
نافرمان ہیں۔“

اللہ نے یہ وعدہ اپنے رسول سے کیا تھا اور اسے پورا کر دیا۔ آپ کے بعد آپ کی

امت روئے زمین کی امام اور حاکم بنی۔ اس کا بڑا حصہ اسلام کے زیر نگیں آ گیا اور خوف، امن و امان سے بدل گیا اور سچے مومنوں اور نیک عمل کرنے والوں اور توحید پر چلنے والوں اور شرک سے بچنے والوں کے لیے یہ وعدہ آج بھی ہے، اور قیامت تک رہے گا مگر شرط یہی ہے کہ وہ سچے مومن بن کر رہیں، کفر نہ کریں، اعمال صالحہ انجام دیں، توحید پر قائم رہیں، شرک و بدعت سے اجتناب کریں، خرافات و منکرات سے دور رہیں۔ جنگ یرموک کے موقع پر سپہ سالار نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ:

ہمیں اسلحوں اور فوجیوں کی کمک مطلوب ہے۔ ہمارا مقابل دشمن ریت کے ذروں کی تعداد میں ہے تو امیر المؤمنین نے جواب میں لکھا کہ تم دشمن سے اپنے اسلحوں اور کثرت تعداد سے نہیں لڑ رہے ہو، ”انما تقاتلونہم باعمالکم الصالحة“ بلکہ تم اپنے نیک اعمال سے ان سے جنگ کر رہے ہو۔

آج دنیا بھر کے مسلمانوں کو مصائب و مشکلات، فتنہ و فساد، قتل و خون ریزی اور تباہی و بربادی کے طوفان مسلسل کا سامنا ہے، اور دہشت گردی کے نام پر اطراف عالم میں مسلمانوں پر ظلم و تعدی اور نسل کشی کی انتہا کی جارہی ہے۔ ایسے وقت میں ضروری ہے کہ مسلمان اپنے ایمان و عمل کو درست کریں اور ایسے اعمال سے باز رہیں جو ان کے ایمان و اعمال صالحہ کو بگاڑ دینے والے ہوں۔ وہ غیر اللہ کا خوف تعظیمی اپنے دل سے نکال کر صرف اللہ کا خوف و خشیت رکھیں، صرف اللہ سے استعانت و استغاثہ کریں، غیر اللہ کا غیر شرعی توسل ترک کر کے اعمال صالحہ کو اللہ کی قربت کا ذریعہ بنائیں۔ مزارات، شجر و حجر کی تعظیم و تبرک اور ان کے رکوع و سجود ترک کر کے اسے صرف اللہ کے لیے خاص کریں اور تہا اللہ واحد کی عبادت کریں، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ

أَنْ يُطِيعُونِ إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (الذاریات: ۵۶-۵۸)

”اور میں نے تو جنات اور انسان کو پیدا ہی اسی غرض سے کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں میں ان سے نہ روزی چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کھلایا کریں اللہ تو خود ہی سب کو روزی پہنچانے والا ہے قوت والا مضبوط ہے۔“

اور فرمایا: **وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا** (النساء: ۳۶)

”اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔“

اور فرمایا: **فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ** (الکوثر: ۲)

”اپنے رب کے لیے نماز پڑھئے اور اسی کے لیے ذبح کیجئے۔“

لا الہ الا اللہ کا مطلب

لا الہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ زمین و آسمان میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ وہ تنہا معبود برحق ہے اور اس کے علاوہ سارے معبود باطل ہیں۔ اللہ کے معنی معبود کے ہیں جو شخص غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ کافر اور مشرک ہے اگرچہ اس کا معبود کوئی نبی یا ولی کیوں نہ ہو، اور وہ اس کی عبادت اس دلیل سے کرتا ہو کہ وہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور وسیلہ حاصل کر رہا ہے، کیونکہ وہ مشرکین جن سے رسول اللہ ﷺ نے جہاد فرمایا، وہ بھی اسی دلیل سے انبیاء اور اولیاء کی عبادت کیا کرتے تھے، لیکن ان کی یہ دلیل باطل اور مردود ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تقرب اور توسل حاصل کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی اور کی عبادت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا تقرب و توسل تو اعمال صالحہ اور اس کے اسماء و صفات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ جس کا خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے، جیسے نماز پڑھی جائے، روزے رکھے جائیں، جہاد کیا جائے، صدقہ و خیرات کیا جائے، حج کیا جائے، والدین کی خدمت کی جائے اور مومن بندہ اپنے بھائی کے لیے دعائے خیر کرے وغیرہ۔

لا الہ الا اللہ کا مطلب یہ ہے کہ صرف اللہ واحد ہی کی عبادت کی جائے۔ واسطہ اور وسیلہ کے بغیر اس سے دعائیں مانگی جائیں۔ اس کے حضور رکوع اور سجدہ ہو۔ اسی کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز ہو اور یہ عقیدہ کامل ہو کہ قانون سازی اسی کا حق ہے، اور سب اس کے بندے اور اس کے محتاج ہیں۔ شاہ و گدا، پیر و لی اور بزرگ سب اس در کے بھکاری ہیں۔ لا الہ الا اللہ کے یہی معانی و مفاہیم ہیں جن کا ہر مسلمان کے لیے جاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، اور جو لوگ بغیر سوچے سمجھے اس کو صرف اپنی زبان سے دہرا لیتے ہیں، اور اس کے معنی سے واقفیت نہیں رکھتے اور نہ ہی اس پر عمل کرتے ہیں، وہ صحیح معنوں میں اس سے کچھ بھی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نظر جو مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

تو عرب ہو یا عجم ترا لا الہ الا
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

محمد رسول اللہ کا مطلب

محمد رسول اللہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ بشر اور اللہ کے آخری رسول ہیں اور ساری انسانیت کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیے گئے ہیں، اور وہ ایک برگزیدہ بندے ہیں جن کی عبادت نہیں کی جاسکتی اور جلیل القدر رسول ہیں، جن کی تکذیب نہیں کی جاسکتی۔ آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کرنا ضروری اور واجب ہے جس نے آپ کی اطاعت و اتباع کی وہ جنت میں داخل ہوگا، اور جس نے آپ ﷺ کی نافرمانی کی جہنم رسید ہوگا۔ آپ ﷺ کا طریقہ سب سے کامل اور آپ کی شریعت سب سے اکمل شریعت ہے۔ رسول

اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد سے لے کر تا قیامت کوئی شخص بھی اس وقت تک مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک کہ آپ کی نبوت و رسالت کو تہ دل سے قبول نہ کرے، اور آپ کی سنت و شریعت کی مکمل طور پر تابع داری نہ اختیار کرے اور آپ پر نازل کردہ کتاب قرآن مجید پر عمل پیرا نہ ہو جائے۔ اسلام کا سیدھا اور سچا راستہ وہی ہے جو محمد ﷺ سے ثابت ہو اور ہر وہ راستہ اور خیال غلط ہے جو محمد ﷺ سے ثابت نہ ہو۔

لا الہ الا اللہ کی دعوت

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

يا ايها الناس قولوا لا اله الا الله تفلحون. (مسند احمد، ۳/۳۹۲)

”اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے۔“

آپ ﷺ نے دعا و مبلغین کو بھی لا الہ الا اللہ کی دعوت کی تلقین فرمائی، چنانچہ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی جانب روانہ کرتے وقت آپ نے فرمایا:

انک تأتي قوما من اهل الكتاب فليكن اول ما تدعوهم اليه شهادة

ان لا اله الا الله، وفي رواية الى ان يوحدوا الله فان هم اطاعوك لذلك

فاعلمهم ان الله افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم و ليلة فان هم

اطاعوك لذلك فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم

فترد الى فقرائهم فان هم اطاعوك لذلك فاياك و كرائم أموالهم و اتق

دعوة المظلوم فانه ليس بينها و بين الله حجاب. (صحيح بخاری كتاب

المغازی باب بعث ابی موسیٰ و معاذ الى اليمن قبل حجة الوداع ۷/۴۳۳، صحيح

مسلم كتاب الايمان باب الدعاء الى الشهادتين ۱/۲۲۸، رقم الحديث ۲۹)

”تم ایسی قوم کے پاس جا رہے ہو جو اہل کتاب ہے تو سب سے پہلے اس قوم کو اس بات

کی دعوت دینا کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دے پس اگر وہ لوگ اس سلسلہ میں تمہاری بات مان لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان کے اوپر روزانہ رات دن میں پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں۔ پھر اگر وہ تمہاری یہ بات مان لیں تو ان کو آگاہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر زکوٰۃ کو فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائیگی اور ان کے محتاجوں کو لوٹا دی جائیگی۔ اگر تمہاری اس سلسلہ میں اطاعت کر لیں تو ان کے نفیس اور عمدہ مال لینے سے اپنے آپ کو بچانا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا، اس لیے کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی اوٹ اور پردہ نہیں ہے۔“

کلمہ توحید پڑھتے ہی ہم پر فرض ہو جاتا ہے کہ دنیا کو اس کلمہ کی طرف دعوت دیں۔ اس کے لیے فضا ساز گار ہونے نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں کہ کلمہ توحید خود پڑھا جائے مگر اوروں کو اس کی دعوت نہ دی جائے۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند

بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں

مجھے ہے حکم ازاں لا الہ الا اللہ

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ وان محمداً

عبده و رسوله. (صحیح مسلم کتاب الایمان باب الامر لقتال الناس حتی یقولوا لا الہ

الا اللہ ۲۳۲/۱ رقم الحدیث ۳۲)

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ یہ گواہی نہ

دے دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔“

مسلمان جب تک توحید کے متوالے و فدائی اور سنت کے متبع اور شیدائی رہیڈ دنیا کی

ساری باطل طاقتوں پر بھاری رہے، ان کی مدد کے لیے ملائکہ بھیجے جاتے تھے، اور دنیا کی

بڑی سے بڑی قومیں ان کو مغلوب نہ کر سکیں، لیکن جب ان میں شرک و بدعت خرافات و منکرات داخل ہو گئیں، توحید کی جڑیں کمزور ہو گئیں تو پھر آج دنیا میں ایک ارب کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی بے وزن اور کمزور ہیں، اور غشاء کفغشاء المسیل کی صحیح تصویر بنے ہیں۔ سچ ہے:۔

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلہ علم کلام
روشن اس ضوسے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلمانوں سے ہے پوشیدہ مسلمان کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام



قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے
وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

کفر و نفاق

کفر کا مفہوم

کفر کے معنی ڈھانکنے کے ہیں۔ رات اپنی ظلمت میں بہت سی چیزوں کو ڈھانک لیتی ہے، اس لیے رات کو بھی کافر (ڈھانکنے والی) کہتے ہیں۔ کاشنکار بیج کو زمین میں ڈالتا ہے اور چھپاتا ہے اس لیے اس کو بھی کافر کہتے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اللہ کے دین اور اس کی شریعت اور رسول اللہ ﷺ سے انکار کا نام کفر ہے یعنی ایمان کی ضد کو کفر کہتے ہیں۔ ائمہ تفسیر نے کفر کے چند اقسام بتائے ہیں:

- (۱) کفر انکار: جس کے معنی ہیں معرفت الہی سے بالکل یہ محرومی۔
- (۲) کفر جود: اس کا معنی یہ ہے کہ دل میں یقین ہو مگر زبان سے اقرار و تسلیم نہ ہو۔
- (۳) کفر نفاق: اس کا معنی یہ ہے کہ قلب معرفت الہی سے خالی ہو مگر زبان سے مدعی معرفت ہو۔

(۴) کفر عناد: اس کا مطلب یہ ہے کہ دل سے اللہ کو پہچانے اور زبان سے اقرار کر لے، مگر اتباع کا اعلانیہ منکر ہو۔

اگرچہ کفر کی یہ چاروں قسمیں اپنے مراتب اور درجات کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں مگر اپنے ماحصل اور مرجع کے لحاظ سے سب ایک ہیں اور ان کے نتائج بھی یکساں ہیں۔ اللہ کی ذات اور اس کی وحدانیت اور رسول کی تکذیب و انکار کفر کی تمام صورتوں میں موجود

ہے اور آخرت کا دائمی عذاب اور خلود فی النار ہر ایک کا قطعی نتیجہ ہے۔

نفاق کا مفہوم

لغت کے اعتبار سے لفظ نفاق مصدر ہے نفل نافیق کا۔ کہا جاتا ہے نافیق ینافیق نفاقاً و منافقاً یہ لفظ النفاق سے ماخوذ ہے جو گوہ کے بل کی خفیہ نکاسی اور منہ کو کہتے ہیں۔ گوہ کے بارے میں مشہور ہے کہ جب اسے بل کے ایک منہ سے تلاش کیا جاتا ہے تو وہ دوسرے منہ سے نکل جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ لفظ نفاق سے ماخوذ ہے جو ان بلوں کو کہتے ہیں جن میں گوہ چھپے رہتے ہیں۔

شرعی اصطلاح میں نفاق کے معنی ہیں: اسلام و خیر کا اظہار کرنا اور کفر و شر کو اندر چھپائے رکھنا۔ اسے نفاق اس لیے کہا گیا کہ منافق ایک دروازہ سے شریعت میں داخل ہوتا ہے تو دوسرے دروازہ سے نکل جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ فرمائی گئی ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (التوبة: ۶۷)

”بے شک منافق نافرمان ہیں۔“

فاسقون سے مراد وہ لوگ ہیں جو دائرہ شریعت سے نکلے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو کافروں سے بھی برقرار دیا ہے۔ آیت کریمہ ہے:

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء: ۱۴۵)

”کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے۔“

شُرک اور اس کی قسمیں

شُرک کا مفہوم

شُرک کے معنی ساجھی اور شریک بنانے کے ہیں۔ لفظ شُرک شُرکت سے ماخوذ ہے جس کے معنی یہ ہیں: اللہ کی ذات یا اس کی کسی صفت کا اقرار کرتے ہوئے اوروں کو کم یا زیادہ کسی درجہ بھی اس میں شریک مانا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت یا اس کے اسماء و صفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کفر ہے اور اسی طرح اللہ کی عبادت میں غیروں کو حصہ دار سمجھنا کافروں کا شیوہ ہے۔ شُرک سب سے بڑا گناہ اور کفر کے مترادف اس لیے ہے کہ شُرک درحقیقت اللہ کو جھٹلانا ہے اور اس کے ناموں اور صفتوں میں غیروں کو شامل کرنے کی زبردست نادانی کرنا ہے۔ خالق کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرنے کا صاف مطلب مخلوق کو خالق کے برابر قرار دینا ہے اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾ (لقمان: ۱۳)

”شُرک تو بڑا (بھاری) ظلم ہے۔“

ظلم کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے اصل مقام و محل سے ہٹا کر دوسری جگہ پر رکھنا لہذا جس نے غیر اللہ کی عبادت کی بے شُرک اس نے عبادت کو اپنی اصل جگہ سے ہٹا کر غیر محل میں استعمال کیا اور ایک غیر مستحق کی طرف پھیر دیا اور یہ سب سے بڑا ظلم ہے۔

اللہ نے صاف طور پر فرما دیا ہے کہ شُرک کے بعد جو توبہ نہیں کرے گا اس کی مغفرت

نہیں ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء: ۴۸)
 ”اللہ اس گناہ کو نہیں بخشنے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو
 چاہے معاف کر دے۔“

اللہ نے مشرک پر جنت حرام کر دی ہے اور وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں پڑا رہے
 گا۔ ارشاد باری ہے:

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَا وَهُ النَّارُ (المائدة: ۷۲)
 ”(اور جان رکھو کہ) جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا
 اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔“
 ارشاد نبوی ﷺ ہے:

من لقي الله لا يشرك به شيئا دخل الجنة ومن لقيه يشرك به شيئا
 دخل النار. (صحيح مسلم كتاب الايمان باب من مات لا يشرك بالله ۳۷۰/۱، رقم
 الحديث ۱۵۲)

”جو اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو وہ
 جنت میں جائے گا اور جو شرک کرتے ہوئے ملاقات کرے وہ جہنم میں جائے گا۔“
 اور فرمایا:

الا انبئكم باكبر الكبائر، قلنا بلى يا رسول الله! قال الاشرak بالله
 وعقوق الوالدين. (صحيح بخارى كتاب الشهادات باب ما قيل في شهادة الزور
 ۳۲۸/۵، رقم الحديث ۲۶۵۴، صحيح مسلم كتاب الايمان باب بيان الكبائر ۱/۳۵۹
 رقم الحديث ۱۴۳)

”کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا ضرور بتائیے

اے اللہ کے رسول آپؐ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔“
 شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور توحید سب سے بڑا عدل ہے۔ شرک تخلیق کائنات
 کے اصل مقصد کے سراسر خلاف ہے، لہذا وہ سب سے بڑا گناہ ہے۔

شرک کی قسمیں

شرک کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرک اکبر (۲) شرک اصغر۔

(۱) شرک اکبر: اللہ کے نزدیک شرک اکبر سب سے بڑا گناہ ہے۔ شرک اکبر بندہ
 کو دائرہ ملت سے خارج کر دیتا ہے اور اس کو ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم رسید کر دیتا ہے۔ یہ اس
 صورت میں ہے جب کہ وہ شرک پر ہی مراہو اور توبہ کی توفیق نہ ملی ہو۔ غیر اللہ کی عبادت کو بھی
 شرک اکبر کہتے ہیں، یعنی کوئی عبادت غیر اللہ کے لیے ادا کی جائے جیسے غیر اللہ سے دعا کرنا،
 غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اس کی بارگاہ میں قربانی کرنا، نذر و نیاز چڑھانا۔
 غیر اللہ کے ضمن میں مقابر و مزارات جن و شیاطین سب آجاتے ہیں۔ اسی طرح جنات و
 شیاطین سے خوف کھانا کہ وہ اسے تکلیف نہ پہنچادے، اس کو بیماری میں مبتلا نہ کر دے۔ اسی
 طرح غیر اللہ سے ایسی امیدیں وابستہ رکھنا جس پر صرف اللہ قدرت رکھتا ہے، مثلاً حاجت
 پوری کرنا اور مصیبت دور کرنا۔ اسی طرح کے شرک کی مشق آج کل اولیاء و بزرگوں کی پختہ
 قبروں پر خوب ہو رہی ہے۔ اس چیز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ
 شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ (يونس: ۱۸)

”اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہیں اور
 نہ ان کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سفارش کرنے والے ہیں۔“

اور فرمایا: وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ

أَمْوَاتٌ غَيْرٌ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (النحل: ۲۰)

”اور جن معبودوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ نہیں پیدا کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں، مردہ ہیں زندہ نہیں اور ان کو یہ بھی معلوم نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔“
اور فرمایا: وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ (یونس: ۱۰۶)

”غیر اللہ کو نہ پکارو جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اگر تم نے ایسا کیا تو بے شک تم ظالموں (مشرکوں) میں سے ہو گے۔“

آہ اے مرد مسلمان تجھے کیا یاد نہیں — حرف لا تدع مع اللہ الہا آخر
ارشاد نبوی ﷺ ہے: من اکبر الكبائر الاشرک باللہ. (صحیح بخاری
کتاب استتابة المرتدین باب اثم من اشرك باللہ ۱۲/۳۳۷، رقم الحدیث: ۶۹۱۹، ۶۹۲۰)

”اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔“
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
من مات وهو يدعو من دون الله ندًا دخل النار. (صحیح بخاری کتاب
التفسیر ومن الناس من يتخذ من دون الله انداداً ۸/۲۲۳، رقم الحدیث ۴۳۹)

”جو مرد اور اللہ کے علاوہ کسی شریک کو پکارتا تھا تو جہنم میں داخل ہوگا۔“
جناب محمد ﷺ سے سوال کیا گیا:

أى الذنب اعظم؟ قال ان تجعل لله ندًا وهو خالقك. (صحیح بخاری
کتاب التوحید باب قول الله تعالى فلا تجعلوا لله ندًا ۱۳/۶۰۰، صحیح مسلم کتاب
الایمان باب بیان کون الشریک اقیح الذنوب ۱/۳۵۷، رقم الحدیث ۱۳۱-۱۳۲)

”کون گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراؤ حالانکہ اس
نے تم کو پیدا کیا ہے۔“

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے غلطی سے ماشاء اللہ و ماشاء محمد کہہ دیا یعنی جو اللہ چاہے اور محمد چاہیں وہی ہوگا۔ اس پر اللہ کے نبی سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: اجعلتنی للہ نذًا۔ کیا تو نے مجھے اللہ کا ساجھی بنا دیا قل ماشاء اللہ و حدہ کہہ جو اللہ واحد چاہے گا وہ ہوگا۔

وندے ماترم کا ترانہ

وندے ماترم کا ترانہ خالص مشرکانہ ہے۔ اسے مسلمانوں نے کبھی بھی قبول نہیں کیا۔ ایک مسلمان کا شرک و کفر سے سمجھوتے کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ مسلمانان ہند نے ہمیشہ ڈٹ کر وندے ماترم کی مخالفت کی ہے۔ اس ترانہ سے اسلامی عقیدہ پر ایسی ضرب پڑتی ہے کہ اس کے بعد ایک مسلمان کا مسلمان باقی رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں کے یہاں جے ماتا دی کا تصور یہیں سے ابھرا ہے اور اسی لیے وہ اپنی تقریبات میں اس کو اصل عنوان بناتے ہیں۔ ہندو دھرم کے عقیدے میں ماں باپ ہی نہیں بلکہ زمین بھی ماں اور معبود ہے، اسی لیے وہ بھارت کے ساتھ ماتا (ماں) کا لفظ بھی جوڑتے ہیں لیکن اسلام کی رو سے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور نہ غیر اللہ کی عبادت جائز ہے، یہ شرک اکبر ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں فرمائے گا۔

(۲) شرک اصغر: شرک اصغر جس سے بندہ ملت کے دائرہ سے خارج تو نہیں ہوتا لیکن اس کی توحید میں کمی آجاتی ہے اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) شرک جلی (۲) شرک خفی۔ (۱) شرک جلی: یہ شرکیہ الفاظ و اعمال ہوتے ہیں۔ شرکیہ الفاظ کی مثال غیر اللہ کی قسم کھانا وغیرہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من حلف لغیر اللہ فقد کفر و اشرک. (مسند احمد، ۲/۶۹)

”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر اور شرک کیا۔“

اور فرمایا:

من كان حالفًا فليحلف بالله او ليصمت .

(صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور، ۱۱/۶۳۹، رقم الحدیث ۶۳۳۶)

”جس کو قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے۔“

غیر اللہ کی قسم کھانی جائز نہیں مثلاً باپ کی قسم، نبی کی قسم، صحابہ کی قسم، امام کی قسم، ولی کی قسم، وغیرہ وغیرہ۔ علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ قسم صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے اسماء و صفات کی کھائی جائے گی اور غیر اللہ کی قسم کے عدم جواز پر اجماع امت ہے۔

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”غیر اللہ کی قسم کے عدم جواز پر اجماع ہے۔“ (تیسیر العزیز الحمید، ص: ۵۹)

شرکیہ اعمال جیسے کڑے پہننا، دفع بلیات کے لیے دھاگہ باندھنا، نظر بد سے بچنے کے لیے تعویذ باندھنا وغیرہ ان اعمال کے ساتھ جب یہ عقیدہ ہو کہ ان سے مصائب اور پریشانیاں دور ہوتی ہیں، بلائیں ملتی ہیں تو یہ شرک اصغر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ان مقاصد کے ذرائع نہیں بنائے ہیں اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ یہ چیزیں بذات خود مصیبت دور کرتی ہیں تو یہ شرک اکبر ہے اس لیے کہ اس میں غیر اللہ کے ساتھ اس تعلق و ربط کا اظہار ہو رہا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من علق تمیمة فقد اشرک . (رواہ احمد ۳/۱۵۳-۱۵۶، صحیح الجامع ۶۲۷۰)

”جس نے تعویذ لٹکا یا اس نے شرک کیا۔“

۱۔ اردو میں تعویذ کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو باندھا یا لٹکا یا جائے تاکہ امراض و آسیب نظر بد وغیرہ سے محفوظ رہے یا اس خیر و برکت کا حصول مقصود ہوتا ہے۔ عربی میں اس کو تمیمہ کہتے ہیں اور عربی میں تعویذ یا تعوذ کے معنی پناہ چاہنا۔ قرآن و حدیث میں تعویذ و تعوذ کے جو مشتقات وارد ہیں وہ پناہ چاہنے اور معوذتین وغیرہ پڑھنے کے معنی میں مستعمل ہیں نہ کہ تعویذ لٹکانے اور باندھنے وغیرہ کے معنی میں۔ اس لئے اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

(۲) شرک خفی: شرک خفی یہ ارادوں و نیتوں کا شرک ہے جیسے ریا کاری، شہرت آوری وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ سے تقرب والے عمل اس لیے کیے جائیں تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ مثلاً کوئی شخص نماز اس لیے پڑھتا ہے یا صدقہ خیرات اس لیے کرتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ ذکر و اذکار اور تلاوت صرف اس لیے کرتا ہے کہ لوگ سنیں تو اس کی خوب تعریف کریں۔

امام ابن قیم الجوزیہ فرماتے ہیں:

”ارادہ اور نیتوں کا شرک تو ایسا بحر ذخار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اور بہت ہی کم لوگ اس سے بچ پاتے ہیں لہذا جس شخص نے اپنے عمل سے اللہ کی خوشنودی کے علاوہ دوسری چیز کی نیت کی اور غیر اللہ سے اس عمل کے جزا کی درخواست کی تو یہ نیت و ارادہ کا شرک ہے۔“ (کتاب التوحید، ص ۳۱)

غرضیکہ کسی بھی عمل میں جب ریا کاری آجاتی ہے تو وہ عمل باطل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ
أَحَدًا (الکہف: ۱۱۰)

”پس جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔“

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: أخوف ما أخاف عليكم الشرك الأصغر قالوا يا رسول الله! ما الشرك الأصغر قال الرياء. (مسند احمد، ۵/۲۲۸)

”تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر مجھے شرک اصغر سے ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول شرک اصغر سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا: ریا کاری۔“

اور فرمایا:

ایہا الناس اتقوا هذا الشرك فانه أخفى من دبيب النمل فقال له من شاء الله ان يقول و كيف نتقيه وهو اخفى من دبيب النمل يارسول الله قال قولوا اللهم انا نعوذ بك من ان نشرك بك شيئا نعلمه ونستغفر لك لما لا نعلم. (مسند احمد، ۴/۳۰۳)

”لوگو! اس شرک (شرک اصغر) سے بچو اس لیے کہ یہ چیونٹی کے ریگنے سے بھی زیادہ ہلکا ہے۔ آپ سے حسب توفیق الہی ایک صاحب نے عرض کیا: حضور ﷺ جب یہ اتنا ہلکا ہے تو ہم اس سے کیسے بچیں؟ آپ نے فرمایا کہ تم یوں کہا کرو: اے اللہ! ہم اس شرک سے تیری پناہ چاہتے ہیں جس کو ہم جانتے ہیں اور اس شرک سے بھی تیری مغفرت چاہتے ہیں جس کو ہم نہیں جانتے۔“

حدیث قدسی میں ہے:

قال الله يا ابن آدم لو اتيتني بقراب الارض خطايا ثم لقيتني لا تشرك بي شيئا لا اتيتك بقرابها مغفرة. (صحيح مسلم كتاب الذكر باب فضل الذكر ۱۶/۹، رقم الحديث ۲۲، جامع ترمذی كتاب الدعوات ۱۹۳/۲)

”اللہ تعالیٰ نے کہا: اے اولاد آدم اگر تو نے ساری زمین گناہوں سے بھر دی ہو مگر شرک پر تیری موت نہ آئی ہو تو اللہ تعالیٰ ان گناہوں کے برابر معافی کے ساتھ میں تجھ سے ملاقات کرے گا۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جو شخص شرک اکبر و شرک اصغر سے بچ جائے تو اس کے لیے جنت واجب ہے اور جو شخص شرک اکبر پر مرے اس کے لیے جہنم واجب ہے، اور جس شخص نے شرک اکبر سے اجتناب کیا لیکن شرک اصغر کا ارتکاب کیا مگر اس کی نیکیاں اس کے گناہوں سے زیادہ ہیں تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو شرک اکبر سے محفوظ رہا لیکن شرک اصغر کا اتنی کثرت سے

ارتکاب کیا کہ اس کے گناہوں کا پلہ بھاری ہوگا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ الغرض شرک اکبر و شرک اصغر کی بنیاد پر بندوں سے مواخذہ ہوگا البتہ شرک اصغر کم ہو اور اخلاص عمل زیادہ ہو تو ایسی صورت میں مواخذہ نہ ہوگا۔“ (تیسیر العزیز الحمید، ص ۲۰-۲۱)

فساد عقیدہ کے شکار

مومن کا سرمایہ توحید ہے۔ توحید ہی نے اسلام کو تمام ادیان پر غالب کیا ہے، لیکن عصر حاضر کا مسلمان توحید کی جگہ شرک اور سنت کی جگہ بدعت میں سر سے پیر تک ڈوبا ہوا ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو تو کسی مشہور مزار پر جا کر اور کسی عرس میں شریک ہو کر دیکھ لے یا ان عقائد یا ان خیالات کے سننے کی کوشش کرے، جو بکثرت عوام اور کہیں خواص نے اولیائے کرام و بزرگان دین کے متعلق قائم کر رکھے ہیں، اور سجدہ سے لے کر دعا و استعانت تک کون سا معاملہ ہے جو صرف اللہ کے ساتھ ہونا چاہیے، انہوں نے ان ہستیوں کے ساتھ روا نہیں رکھا ہے۔ یہ قبر غوث اعظم کی ہے جو مرجانے کے بعد بھی غوث ہیں، اور ملک الموت سے قبض کی ہوئی روحوں کا تھیلا چھین سکتے ہیں۔ یہ غریب نواز ہیں اور مرنے کے بعد بھی مٹھیاں بھر بھر کر دیتے ہیں۔ چنانچہ انسانیت اور اسلام کے یہ مدعی جوق در جوق قبروں پر جاتے ہیں ماتھے رکھتے ہیں ناک رگڑتے ہیں، اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو کوئی شریف النفس اور خود دار آدمی مخلوق کے سامنے نہیں کر سکتا۔ انسان کے پاس سب سے بڑی دولت اپنی انسانیت ہے۔ یہ جاتے ہیں اور اس متاع عزیز کو اینٹ کے چبوتروں پر بڑی بے دردی سے قربان کر آتے ہیں۔ شرک کا ایک خاص سبب کسی شخص یا کسی چیز کی حد سے بڑھ کر عزت اور تعظیم کرنا ہے۔ اسی ہلاکت آفریں مرض نے بہت سی قوموں اور امتوں کو ضلالت کی عمیق خندقوں میں ڈھکیل کر ہمیشہ کے لیے پامال کر دیا۔ اسی خوش اعتقادی نے گوتم بدھ کو اللہ کا مظہر بنایا، رام چندر اور کرشن کو خدائی

درجہ دیا۔ ۲۳۰ بلکہ ۳۳ کروڑ دیوتاؤں کو دنیا کا منتظم مانا، تبت میں دلائی لامہ کو خالقیت کی مسند پر بٹھایا، مسیح ابن مریم کو اللہ کا بیٹا کہلایا اور خود جناب محمد ﷺ کے متعلق بھی کہنے والوں نے کہہ دیا:۔

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر

العیاذ باللہ! حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق قرآن مجید میں بار بار تاکید ہے:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۖ (الکہف: ۱۱۰)

”اے پیغمبر کہہ دو کہ میں تمہاری ہی طرح انسان ہوں۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۖ (بنی اسرائیل: ۹۳)

”میں نہیں ہوں مگر انسان اور رسول۔“

اجیر، کلیئر، نظام الدین، دیوٹی، کچھو چھا، بہرائچ، بریلی وغیرہ وغیرہ صد ہا مشہور مقامات میں بزرگوں اور ولیوں کے مزارات پر جو کچھ ہوتا ہے اس کا یہاں کیا ذکر، ذرا پنے آس پاس کے کسی چھوٹے موٹے مزار پر جہاں عرس ہوتا ہے جا کر دیکھیں کہ مسلمان کس طرح توحید جیسی بے بہاد دولت کو اپنے ہاتھوں سے برباد کرتے ہیں۔ خانقاہی، سجادہ نشینی، پیری و مریدی، فقیری، درویشی کے کتنے ایسے حوض ہیں جن میں ان مسلمانوں کو غوطہ زن کیا جا رہا ہے اور ان دامنوں سے چٹ جانا کافی بتایا جا رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ان خدا رسیدہ لوگوں میں غیر معمولی طاقتیں ہوتی ہیں اور جزا و سزا میں ان کو دخل ہوتا ہے۔ خیر و شر کے وہ مالک ہوتے ہیں۔ آج مسلمانوں میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے افراد موجود ہیں جو اس قسم کے فاسد خیالات و عقائد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد آپ کی امت کے ولیوں، پیروں اور فقیروں کے متعلق رکھتے ہیں۔

اہل بدعت کا یہ مشہور شعر آپ نے بھی سنا ہوگا۔

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
 جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے
 حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا گیا ہے نہ
 رد ہوگئی اس کی بلا جس نے عقیدت سے کہا
 مشکل میں ہوں آجاؤ یا مولیٰ علی مشکل کشا

(میلاد اکبر، ص ۸۹)

خواجہ معین الدین اجمیری کا نام تو آپ نے بھی سنا ہوگا، ذرا ان کے متعلق بھی سنئے:

میری بگڑی بنا دینا معین الدین اجمیری
 میرے مخدوم ہو تم یا معین الدین اجمیری
 زمین و آسمان تیرا مکین و مکاں تیرا
 فلک پر دھوم ہے تیری معین الدین اجمیری

(حیات خواجہ اجمیری، ص ۸۰)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی تعریف میں چند اشعار ملاحظہ فرمائیے:

کس کے آگے ہاتھ پھیلانے گدا چھوڑ کر در آپ کا احمد رضا
 گر مصیبت میں کوئی چاہے مدد دفع فرما دیں بلا احمد رضا
 کون دیتا ہے مجھے کس نے دیا جو دیا تم نے دیا احمد رضا
 دین و دنیا میں میرے بس آپ ہیں
 میں ہوں کس کا آپ کا احمد رضا

(مدائح اعلیٰ حضرت بریلوی، ص ۳۶)

تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی تاریخ میں جس قدر قومیں برباد ہوئی ہیں ان کی اصل خرابی
 شرک تھی اور آج مسلم قوم بھی شرک کی وجہ سے تباہی کے لگاؤ پر پہنچ گئی ہے، چنانچہ ارشاد
 باری تعالیٰ ہے:

قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝ (الروم: ۳۲)

”ان سے کہو کہ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں تھیں جو تمہیں نہیں کر ڈالی گئیں ان کا جرم تو یہی تھا کہ ان کی اکثریت مشرک بن گئی تھی۔“

خلاصہ کلام یہ کہ نجات صرف توحید کو اپنانے میں ہے۔ چاہے کوئی نبی زادہ ہو یا کسی ملک کا بادشاہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا لڑکا قابیل، حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان، نوح علیہ السلام کی ازواج و اعلیٰ والہ، مصر کا بادشاہ فرعون، موسیٰ علیہ السلام کے چچا زاد بھائی قارون، رسول اللہ ﷺ کے چچا ابولہب ہاشمی، رسول اللہ ﷺ کی چچی اُمّ جمیل۔ ان سب کا جرم شرک ہی تھا اور اسی شرک کی بنا پر یہ لوگ جہنم کا ایندھن بنے۔

شخصیت پرستی

بدعات و خرافات کی جتنی کڑیاں ہیں کسی نہ کسی صورت میں ان کا سلسلہ کفار اور مشرکین کی تہذیب و تمدن اور رسوم باطلہ سے جا ملتا ہے۔ ہمارے علماء جنہیں ورثہ الانبیاء کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے ان کی اکثریت دعوت و تربیت کے بجائے راہ فرار اختیار کیے ہوئے ہے۔ ان کے درمیان طبقاتی، گروہی اور مسلکی کشمکش کا طوفان بپا ہے، ان کی ساری صلاحیتیں گروہ بندی کی نذر ہو رہی ہیں اور انھوں نے تقلید جامد کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔

مشہور حنفی عالم ابوالحسن عبید اللہ الکرخی نے انتہائی جرأت و جسارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا: ان کل آیة تخالف قول اصحابنا فانہا تحمل علی النسخ او الترجیح والاولیٰ ان تحمل علی التاویل من جهة التوفیق۔

(اصول الکرخی مع اصول البزدوی ۱/۳۷۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی منقول از اصلی اہل سنت ص: ۱۲۰)

”ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا

اور بہتر یہ ہے کہ اسے تاویل پر محمول کیا جائے، تاکہ توافق ظاہر ہو جائے۔“
علامہ کرخی موصوف مزید فرماتے ہیں:

ان کل خبر یجی بخلاف قول اصحابنا فانہ یحمل علی النسخ او علی انہ معارض بمثلہ. (اصول الکرخی مع اصول البزدوی، ص: ۳۷۳)
”ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب اصول کے قول کے خلاف ہو اسے نسخ پر محمول کیا جائے گایا سمجھا جائے گا کہ وہ معارض ہے اپنے ہم پلہ حدیث کے۔“ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
امام فخر الدین رازی اپنے استاد کا قول نقل کرتے ہیں:

قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقهاء قرأت علیہم آیات كثيرة من کتاب اللہ فی بعض مسائل وکانت مذاہبہم بخلاف تلک الآیات فلم یقبلوا تلک الآیات ولم یلتفتوا الیہا، وبقوا یظنرون الیٰ بکا لمتعجب. یعنی کیف یمکن العمل بظواہر ہذہ الآیات مع ان الروایة عن سلفنا وردت علی خلافہا ولو تأملت حق التأمل وجدت ہذہ الداء ساریا فی عروق الاکثرین من ہذہ الدنیا. (تفسیر رازی، ۴/۳۳۶)

”میری نظر سے ایسے مقلدین گزرے ہیں جن کے سامنے ان کے مسلک کے خلاف میں نے قرآن مجید کی متعدد آیتیں پڑھ کر سنائیں انھوں نے آیات کے آگے سر تسلیم خم نہ کیا، ان کی طرف التفات نہ کیا، اٹلے حیرت سے میری طرف دیکھتے رہے کہ ان آیات قرآنی پر کیوں کر عمل ہو سکتا ہے جب کہ ہمارے اسلاف کا مسلک ان کے برخلاف ہے۔ (یہ قول نقل کر کے امام رازی خود فرماتے ہیں)۔ غور سے دیکھا جائے تو اکثر اہل دنیا اس بیماری میں نظر آئیں گے۔“

علامہ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (تنویر العینین بحوالہ الظفر المبین، ص ۲۹)
ایک شخص معین کی تقلید کو لازم کر لینا کیوں کر جائز ہو سکتا ہے۔ جب کہ ہم آسانی سے

ان روایات کی طرف رجوع کر سکتے ہیں جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، اور صریحاً ایک امام کے اقوال کے خلاف ہیں۔ جس کی تقلید لازم کر لی گئی ہو اور اس کے بعد اگر کوئی شخص اس امام کے قول کو نہیں چھوڑتا تو پھر یہی کہا جائے گا کہ اس کے دل میں شرک گھسا ہوا ہے، جیسا کہ ترمذی کی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے جو حضرت عدی بن حاتم سے مروی ہے:

اتیت النبی ﷺ وفی عنقی صلیب من ذهب فقال یا عدی اطرح عنک هذا الوثن وسمعتہ یقراء فی سورة برآة اتخذوا احبارہم و رهبانہم ارباباً من دون اللہ فقال اما انہم لم یكونوا یعدونہم ولكنہم كانوا اذ حلوا لہم شیئا استحلوه واذا حرموا علیہم شیئا حرموه: (سنن ترمذی مع تحفة الاحوذی أبواب التفسیر القرآن سورة برأت، ۱۱۷/۳)

”حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اس حال میں کہ میری گردن میں سونے کی صلیب تھی تو آپ نے فرمایا: اے عدی! اس بت کو اپنے سے دور کر دو اور میں نے آپ ﷺ کو سورہ برأت سے یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا ”اتخذوا احبارہم“ الخ یعنی انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا اور آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ یہود و نصاریٰ ان کی عبادت تو نہ کرتے تھے لیکن ان کے مولوی جن چیزوں کو حلال کر دیتے تھے، اسے حلال سمجھتے تھے اور جس کو حرام کر دیتے تھے یعنی جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا اس کی تحلیل میں اور جس کو حلال بنایا اس کی تحریم میں ان کی اتباع کرتے تھے۔“

(تفسیر ابن کثیر، ۲/۳۴۸-۳۴۹)

جو لوگ صحیح احادیث مرفوعہ کی موجودگی میں اپنے مزعومہ اماموں کے اقوال کو مقدم رکھتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کو ٹھکرا دیتے ہیں، ان کے متعلق سید العلماء جناب نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ فتوحی ٹم بھوپالی فرماتے ہیں:

تامل فی مقلدة المذاهب کیف اقروا علی انفسہم بتقلید الاموات

من العلماء والاولیاء واعترفوا بان فهم الكتاب والسنة كان خاصا لهم واستدلوا لاشراکهم فی الصلحاء بعبارات القوم ومکاشفات الشیوخ فی النوم ورجحوا کلام الامة والائمة علی کلام اللہ تعالیٰ ورسوله علی بصیرة منهم وعلی علم فماندری ما عذرهم عن ذلك غداً یوم الحساب والکتاب وما ینجیهم من ذلك العذاب والعقاب. (الدين الخالص، ۱۹۶/۱)

”مذہب معلومہ کے مقلدین میں غور کرو کہ علماء و اولیاء کو جو کہ دنیا سے رخصت ہو چکے، ان کی تقلید میں کس طرح گرفتار ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث کا سمجھنا ان ہی اماموں پر ختم ہو چکا، یہ خاص ان ہی کا کام تھا صلحاء کو عبادت الہی میں شریک کرنے کے لیے عبارات قوم کو کتر بیونت کر کے دلیل پکڑتے ہیں اور شیوخ کے مکاشفات سے جو ان کے خوابوں سے متعلق ہوتے ہیں اور امت و ائمہ کے کلام کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے کلام پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ روش صحیح نہیں ہے، ہم نہیں جان سکتے کہ بروز قیامت اللہ کے سامنے یہ لوگ کیا عذر بیان کریں گے اور اس دن کے عذاب سے ان لوگوں کو کون سی چیز نجات دلا سکے گی۔“ سچ ہے

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار مت دیکھ کسی کا قول و کردار

جب اصل ملے تو نقل کیا ہے یاں وہم و گماں کا دخل کیا ہے

صوفی و عالم و حاکم دینی کرتے رہے اسی کی خوشہ چینی

بابا کے یہاں سے کون لایا جس نے پایا یہاں سے پایا

مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی فرماتے ہیں:

”مسلمانوں نے بھی مختلف اماموں اور مشائخ کو مستقل مطاع قرار دے کر عملاً خدائی

مرتبہ پر پہنچا دیا ہے۔ قرآن مجید کی صحیح آیت کو، اپنے ضمیر کی صریح شہادت کو، کھلے ہوئے مشاہدہ

کو، سب کو چھوڑ دیں گے لیکن اپنے شیخ کے قول کو نہ چھوڑیں گے۔“ (تفسیر ماجدی، ۲/۷۶۶)

بدعت کی حقیقت

بدعت کی لغوی تعریف

عربی زبان میں لفظ بدعت دو معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اولاً: وہ چیز جو کسی سابقہ نمونہ کے بغیر ایجاد کی گئی ہو، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ۝ (احقاف: ۹)

”میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں مجھ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے جا چکے ہیں۔“

اسی لیے جو شخص کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس کو اس سے قبل کسی نے نہ کیا ہو تو اس کے

لیے عربی میں کہا جاتا ہے: ابدعها، ابتدعها.

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا ۝ (الحديد: ۲۷)

”انہوں نے رہبانیت کو ایجاد کر ڈالا جو پہلے سے موجود تھی۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے بدیع السموات والارض بھی ہے کیونکہ

اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی نمونہ سابقہ کے اس کائنات کا وجود بخشا ہے۔

ثانیاً: تھکاوٹ و مشقت۔ چنانچہ جب اونٹ کسی بیماری یا کمزوری و تھکاوٹ کی وجہ

سے راستہ میں بیٹھ جائے تو اس موقع پر کہا جاتا ہے ”ابدعت الابل“۔ حقیقت میں ان

دونوں معنوں میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ ”ابدعت الابل“ کا معنی یہ ہوا کہ اس کو

تھکاوٹ لاحق ہوئی جو پہلے نہ تھی چنانچہ ابن منظور (لسان العرب، ۸/۸) نے اس کی طرف

اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

كانه جعل انقطاعها عما كانت مستمرة عليها من عادة السير ابداعاً
ای انشاء امر خارج عما اعتبد منها.

”یعنی اونٹ کا چلنے سے رک جانا جو اس کی عادت میں سے نہ تھی۔ اس کی عادت کے
خلاف ایک انوکھی اور نئی چیز ہے۔“

حدیث میں ہے کہ کیف اصنع بما ابدع علیٰ منها. (صحیح مسلم الحج
ما يفعل بالهدی اذا عطب فی الطريق، ۱۸۶/۵، رقم الحدیث ۳۷۷)

”میں ان ہدی کے جانوروں کے بارے میں کیا کروں جو چلنے سے عاجز آئیں۔“
اس لغوی تحقیق سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بدعت، ابتداء سے اسم ہیئت ہے
یعنی جو چیز کسی مثال سابق کے بغیر ایجاد کی گئی ہو۔ اس کا اطلاق خیر و شر دونوں پر ہوتا ہے
لیکن عرف عام میں اکثر مذموم چیزوں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے۔

بدعت کی شرعی تعریف

علماء نے شرعی اعتبار سے اس بدعت کی مختلف تعریفیں کی ہیں لیکن سب سے جامع
اور واضح تعریف یہ ہے: جو چیز دین کے اندر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ایجاد کی
گئی ہو۔ اس کی صحت پر کوئی دلیل نہ تو کتاب اللہ سے اور نہ سنت سے ہو اور نہ ہی صحابہ
نے اس کو کیا ہو۔

اس تعریف کی روشنی میں دنیاوی ایجادات مثلاً کار، جہاز، ٹیلیفون، وائرلیس، ریل
گاڑی، بس اور جنگی ہتھیار وغیرہ بدعت سے خارج ہو جاتی ہیں، کیونکہ ان سے تقرب الی
اللہ مقصود نہیں بلکہ لوگوں کے مصالح و ضروریات کے تحت ان کو ایجاد کیا گیا ہے، لہذا اس
طرح کی دنیاوی ایجادات فقہ کے احکام خمسہ: فرض، سنت، حرام، مکروہ اور مباح کے تحت

جانچی جائیں گی اور ان پر یہ احکامات مبداء و مثال کے اعتبار سے جاری کیے جائیں گے لیکن بدعت دینیہ پر یہ احکام جاری نہ ہوں گے کیونکہ اسلام میں اس بدعت کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم بالکل غلط ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”دین میں نئی چیز کو بدعت اس لیے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور سلف صالحین کے کسی بھی نمونہ کے بغیر اس کو عمل میں لایا گیا ہے۔ اس کو ابتداء اور اس کے ایجاد کرنے والے کو مبتدع کہتے ہیں۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

الطريقة المخترعة في الدين تضاهي الشريعة يقصد بها التقرب الى الله ولم يقم على صحتها دليل شرعي صحيح اصلاً او وصفاً.

(کتاب الاعتصام للشاطبی، ۱/۷۳، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

”دین میں ایجاد کردہ ایسا طریقہ جو شریعت کے متوازی ہو اور جس کا مقصد قرب الہی ہو۔ اصل اور وصف کے لحاظ سے اس کی صحت پر کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو۔“

امام شاطبی نے دین کی قید لگا کر ان تمام دنیاوی صنعتوں اور حرفتوں کو بدعت کی فہرست سے نکال دیا ہے جو دنیا اور اس میں بسنے والے لوگوں کی راحت کے لیے از حد ضروری ہیں۔

ہر بدعت گمراہی ہے

حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے:

صلى بنا رسول الله ﷺ ذات يوم ثم اقبل علينا فوعظنا موعظة بليغة ذرفت منها العيون ووجلت منها القلوب فقال قائل يا رسول الله ﷺ

كانها موعظة مودع فماذا تعهد علينا؟ قال اوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة وان تامر عليكم عبد حبشي فانه من يعش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ اياكم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة. (سنن ابوداؤد كتاب السنة باب في لزوم السنة ۱۲۰۱/۳، جامع ترمذی أبواب العلم باب في الاخذ بالسنة واجتناب البدع ۹۲/۲، سنن ابن ماجه مقدمه باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين ۱۵/۱، الدارمی فی مقدمه باب اتباع السنة، مسند احمد ۱۲۶/۳، الحاكم ۹۶/۱، وصححه، وافقه الذهبي صححه الباني)

”رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہم کو نماز پڑھائی پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ہمیں ایک بلیغ نصیحت فرمائی جس سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل دہل اٹھے۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! معلوم ہوتا ہے کہ یہ الوداعی وعظ ہے، لہذا آپ ﷺ ہمیں کس بات کی تاکید فرما رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ کے تقویٰ اور اس کی فرماں برداری کی وصیت کر رہا ہوں اگرچہ کوئی حبشی غلام ہی تم پر امیر کیوں نہ بن جائے اس کی اطاعت کرو تم میں جو لوگ زندہ رہیں گے وہ بہت سے اختلافات دیکھیں گے، لہذا تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے۔ اس سنت پر تم مضبوطی سے کار بند رہنا اور دین میں نئی باتوں کے ایجاد کرنے سے بچتے رہنا کیونکہ دین میں ہر نئی ایجاد چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان رسول الله يخطب الناس على المنبر ويقول اما بعد فان اصدق الحديث كتاب الله وخير الهدي هدي محمد ﷺ وشرا الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة. (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصلوة والخطبة في الجمعة، ۳/۳۱۸)

”رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: حمد و صلاۃ کے بعد، سب سے سچی بات اللہ کی کتاب اور سب سے اچھا طریقہ طریقہ محمدی ہے اور بدترین امور دین میں ایجاد کردہ چیزیں ہیں اور دین میں ہر ایجاد کردہ چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

اور نسائی کی روایت میں اتنا اضافہ ہے:

وکل ضلالة فی النار. (سنن النسائی، کتاب العیدین، ۱۸۸/۳)

”اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔“

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد. (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحو علی صلح جور فالصلح مردود وفي البيوع كتاب باب النجش وفي الاعتصام كتاب باب اذا اجتهد العامل او الحاكم فاخطا خلاف الرسول ﷺ من غير علم فحكمه مردود ومسلم في الآضية كتاب باب نقض الاحكام للباطلة ورد محدثات الامور وابوداؤد في السنة كتاب باب لزوم السنة وابن ماجه في المقدمة كتاب باب تعظيم حديث رسول الله ﷺ ۱۳)

”جس نے میرے دین میں کوئی چیز ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے، وہ مردود ہے۔“

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے:

من عمل عملا لیس علیہ امرنا فهو رد. (صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحكام الباطلة ورد محدثات الامور ۶/۲۵۷، رقم الحدیث ۱۸)

”جس نے ایسا کوئی عمل کیا جس کے کرنے کا ہم نے حکم نہیں دیا ہے، وہ مردود ہے۔“

حضرت عرباض بن ساریہ اور جابر بن عبد اللہ کی حدیث میں کل بدعة ضلالة عموم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ”کل“ صیغہ عموم ہے جس کا کوئی شخص نہیں ہے چنانچہ علامہ

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ جملہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے شریعت کا قاعدہ کلیہ ہے، منطوق کے اعتبار سے یہ کہا جائے گا کہ یہ بدعت کے حکم میں ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے، لہذا شرع میں سے نہیں، کیونکہ شرع کل کے کل ہدایت ہے۔ پس اگر یہ ثابت ہے کہ مذکورہ چیز بدعت کے حکم میں ہے تو مقدمے صحیح نہیں ہیں اور مطلوب ثابت ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ قول کہ ہر بدعت گمراہی ہے، بہت ہی جامع ترین کلمہ ہے جس سے کوئی بدعت نہیں نکل سکتی ہے۔ یہ دین کا بہت ہی بنیادی قاعدہ ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے دوسرے قول کے مطابق ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

”من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ فهو رد.“

لہذا ہر نئی چیز جو دین کی طرف منسوب کی جائے گی اور دین میں اس کی کوئی اصل نہ ہوگی اس کی گمراہی و ضلالت میں کوئی شک نہیں اور دین اس سے بری الذمہ ہے، چاہے اس میں اعتقادی مسائل ہوں یا ظاہری و باطنی اقوال و اعمال۔ یہ بات واضح ہے کہ حسنہ اور سیرہ کی تقسیم غلط ہے اور یہ تقسیم فی نفسہ بدعت ہے اور بدترین بدعت ہے۔

اب اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث میں آیا ہے:

فمأراه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وماراه المسلمون سيئا

فهو عند الله سئى. (فتح الباری، ۳۱۶/۱۳)

”جو مسلمان بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جس کو مسلمان برا تصور کریں وہ

اللہ کے نزدیک برا ہے۔“

یہ کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے کہ جس کو کل بدعتہ ضلالۃ کے مقابلہ میں پیش کیا

جاسکے۔ (الہیثمی فی مجمع الزوائد، ۱/۱۷۷، ۱۷۸)

بلکہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول ہے جیسا کہ علامہ سخاوی (المقاصد الحسینہ، ۹۵۹)

نے اور علامہ عجلونی (کشف الخفاء، ۲۲۱۵) نے وضاحت کی ہے اور علامہ البانی فرماتے ہیں:
لا اصل له مرفوعا وانما ورد موقوفا عبد اللہ بن مسعود.

(الضعیفہ للالبانی، ۵۳۳)

”مرفوعاً اس کی کوئی اصل نہیں یہ صرف عبد اللہ بن مسعود سے موقوفا مروی ہے۔“

المسلمون میں الف لام اگر استغراق کے لیے ہے یعنی مراد تمام مسلمان ہیں تو اجماع ہوا اور اجماع کے حجت میں کوئی کلام نہیں، اور اگر الف لام جنس کے لیے ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو کچھ لوگ اچھا سمجھتے ہیں اور کچھ لوگ برا سمجھتے ہیں۔ اس طرح اس قبول سے استدلال کرنا غلط ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ بدعت کی مذمت میں تحریر فرماتے ہیں:

البدع کلھا ینبغی ان تحسم ابوابھا وتنکر علی المبتدعین بدعہم

وان اعتقدوا انها الحق. (احیاء علوم الدین ۲/۲۸۷)

”تمام بدعتوں کے دروازوں کو بند اور بدعتیوں کی بدعت پر نکیر کرنا چاہیے خواہ وہ ان کے

حق ہونے کا عقیدہ کیوں نہ رکھتے ہوں۔“

امام ابن قیم الجوزیہ فرماتے ہیں کہ:

الکتب المشتملة علی الکذب والبدعة یجب اتلافها واعلامها وہی

اولیٰ بذلک من اتلاف الات اللہو والمعازف واتلاف آنية الخمر فان

ضررها اعظم من هذه. (الطرق الحکمیة فی السیاسة الشرعیة، ص ۲۵۶)

”وہ کتابیں جو جھوٹ اور بدعت پر مشتمل ہوں ان کا ضائع اور تلف کرنا واجب ہے، لہو و

لعب اور گانے بجانے کے آلات اور شراب کے برتن تلف کیے جانے سے ان کا ضائع کرنا زیادہ

اہم ہے۔ اس لیے کہ ان کا نقصان ان سب چیزوں سے زیادہ ہے۔“

ایک اہم انتباہ

بدعت حسنہ کے قائلین کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے علاوہ کوئی دلیل نہیں حضرت عمر کا یہ قول تراویح کے سلسلہ میں ہے آپ نے فرمایا: نعمت البدعة هذه. کیا ہی اچھی ہے یہ بدعت۔

بدعت حسنہ کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ اسلام میں بہت سی چیزیں نئی پیدا کی گئی ہیں لیکن ہمارے اسلاف کرام نے اس کا انکار نہیں کیا ہے جیسے ایک کتاب میں قرآن کو جمع کرنا، حدیث کی تدوین و تحریر وغیرہ۔ اس طرح کے سوالات کا جواب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ اس طرح کی چیزوں کی اصل شریعت میں موجود ہے لہذا یہ بدعت نہیں ہیں اور حضرت عمر کا قول بھی صحیح ہے یہاں پر انھوں نے بدعت کے لغوی معنی مراد لیے ہیں، شرعی معنی نہیں۔

لہذا جس بدعت کی شریعت میں گنجائش ہے، پھر اسے بدعت کہا جائے تو یہ سمجھنے کے یہاں بدعت سے مراد بدعت لغوی ہے نہ کہ بدعت شرعی، اس لیے کہ شرعی بدعت وہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو۔ قرآن مجید کو ایک جگہ جمع کرنے کی شریعت میں اصل موجود ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ خود قرآن مجید کو لکھ لینے کا مشورہ دیتے تھے، چونکہ قرآن مجید پہلے مختلف جگہوں میں متفرق و منتشر تھا لہذا صحابہ کرام نے ایک جگہ جمع کر دیا، ایسا صرف اس کی حفاظت کے لیے کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے چند راتیں تراویح کی نماز پڑھی پھر چھوڑ دی اس ڈر سے کہ کہیں ان پر فرض نہ ہو جائے بلکہ صحابہ کرام برابر اسے پڑھتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ کے بعد بھی الگ الگ انداز میں پڑھتے رہے، یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب نے سب کو ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا جس طرح سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھتے تھے، لہذا یہ دین کے اندر

کوئی بدعت نہیں ہے۔ تدوین حدیث کی بھی شریعت میں اصل موجود ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام کی فرمائش پر بعض حدیثوں کے لکھنے کا حکم دے دیا تھا، اور جب آپ کا انتقال ہوا تو وہ اندیشہ بھی ختم ہو گیا جس کی وجہ سے حدیث کی تدوین ممنوع تھی یعنی قرآن اور حدیث باہم خلط ملط نہ ہو جائیں، چونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں قرآن مکمل ہو چکا تھا۔ لہذا آپ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے حدیث کی تدوین کی اور اس کو ضائع ہونے سے محفوظ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے، آمین۔

ظہور بدعت کا وقت

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

یہ معلوم ہونا چاہیے علوم و عبادات سے متعلق عام بدعتیں امت کے اندر خلفائے راشدین کے آخری دور ہی سے ظاہر ہونے لگی تھیں اور اس کی خبر رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی دی تھی۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے: من یعش منکم فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المہدیین۔

”تم میں سے جو باحیات ہوگا اسے بہت سارے اختلافات نظر آئیں گے لہذا ایسے وقت میں میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت و طریقہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔“

امت میں پہلے پہل قدریہ، مرجیہ، شیعہ اور خوارج کی بدعتیں ظاہر ہوئیں، پھر جب عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد امت میں تفرقہ پیدا ہوا تو حروریہ کی بدعت ظاہر ہوئی پھر صحابہ کرام کے آخری عہد میں قدریہ کی بدعت ظاہر ہوئی پھر حضرت ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، و جابرؓ وغیرہم کے آخری عہد میں مرجیہ کا ظہور ہوا اور جہاں تک جہمیہ کا تعلق ہے تو وہ تابعین کے آخری عہد میں نمایاں ہوئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ان لوگوں کو خبردار کیا تھا، اور جہم کا ظہور خراسان میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے عہد میں ہوا۔

یہ بدعتیں دوسری صدی ہجری میں ظاہر ہو گئی تھیں جب کہ صحابہ کرام موجود تھے۔ صحابہ کرامؓ نے اس طرح کی بدعتوں کی مخالفت کی تھی پھر بعد میں معتزلہ کی بدعت سامنے آئی اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کا دور شروع ہو گیا۔ پھر لوگوں میں اختلاف آراء اور بدعت و خواہشات کی طرف میلان و جھکاؤ کا ظہور ہوا پھر تصوف کی بدعت، قبروں کو پختہ بنانے کی بدعت سامنے آئی اور اسی طرح جوں جوں زمانہ گزرتا گیا نئی نئی بدعتیں سامنے آتی گئیں اور اس کی شاخیں پھیلتی رہیں۔

(کتاب التوحید از ڈاکٹر صالح بن فوزان الفوزان، ص: ۱۹۳)

ظہور بدعت کی جگہ

بدعت کے ظہور کے معاملہ میں مختلف ممالک و شہر مختلف حالات سے گزر رہے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

وہ بڑے شہر جہاں صحابہ کرامؓ نے سکونت اختیار کی اور جہاں سے علم و ایمان کے چشمے پھوٹے پانچ ہیں: حرمین شریفین، عراقین (کوفہ و بصرہ) اور شام انہی پانچ شہروں سے قرآن و حدیث اور فقہ اور ان کے علاوہ اسلام کے دیگر امور کی نشر و اشاعت ہوئی، اور مدینہ منورہ کو چھوڑ کر انہی شہروں سے اصولی بدعتیں بھی نکلی ہیں۔ کوفہ سے تشیع و ارجاء کی بدعت نکلی اور وہاں سے دوسرے شہروں میں پھیلی۔ شہر بصرہ سے قدریہ، اعتزال اور فاسد طریقہ عبادت کی بدعتیں ظاہر ہوئیں اور وہاں سے دوسرے شہروں میں پھیلیں۔ جہمیہ کی بدعت خراسان سے نکلی۔ بدعت کا ظہور عموماً ان شہروں میں زیادہ ہوا جو مدینہ منورہ سے زیادہ دور تھے خاص طور پر حضرت عثمان کی شہادت کے بعد جب حرور یہ فرقہ وجود میں آیا تو بدعت کا بازار بہت گرم ہوا اور جہاں تک مدینہ منورہ کی بات ہے تو یہ شہر بدعات و خرافات سے پاک رہا۔ اگر کسی نے بدعت پھیلانے کی کوشش بھی کی تو وہ ذلیل و خوار ہوا۔ قدریہ و

مرجیہ فرقوں نے اپنے دور میں اس کی کوشش بھی کی لیکن وہ مغلوب و مقہور ہوئے۔ برخلاف دوسرے شہروں کے جہاں بدعتیوں اور خرافاتیوں کی بڑی پذیرائی ہوئی۔ کوفہ میں تشیع و ارجاء پھیلا، بصرہ میں اعتزال و تنسک خوب چمکا، شام میں ناصبہ کا دور دورہ رہا۔ سچ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے:

”دجال مدینہ منورہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔“

اسی کا اثر ہے کہ مدینہ منورہ ہمیشہ سے امام مالک رحمۃ اللہ کے عہد تک (جو دوسری صدی کے عالم تھے) علم و ایمان کا گہوارہ رہا۔ ابتدائی تین صدیوں میں جو اسلام کے افضل ترین ادوار ہیں، مدینہ منورہ میں دوسرے شہروں کی طرح کوئی ظاہری بدعت ظاہر نہیں ہوئی اور نہ ہی اصول دین سے متعلق کوئی بدعت سامنے آئی۔ (کتاب التوحید، ص ۱۹۵)

اسلام ایک مکمل دین

ہر مسلمان کے لیے یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ دین اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مکمل شکل میں نازل فرمایا اور اس کی تکمیل رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہو چکی ہے۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے شریعت اسلامی کو اپنی حقیقی شکل اور اصلی حالت میں رکھنے کی پوری کوشش فرمائی۔ آپ ﷺ نے اپنے جانشینوں کو شرک و بدعت سے بچنے اور سنت کی حفاظت کی بڑی تاکید فرمائی، کیونکہ آپ ﷺ کے سامنے تمام دوسری شریعتوں اور مذاہب کا عبرت ناک انجام تھا۔ یہودیت اور عیسائیت مسخ شدہ اور محرف شکل میں موجود تھیں۔ ہر مسلمان کے لیے یہ عقیدہ رکھنا لازمی ہے کہ دین اسلام ایک مکمل دین ہے اور اس کی تکمیل اللہ کے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ

الْإِسْلَامَ دِينًا (المائدہ: ۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند فرمایا۔“
 اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

من زعم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتم شيئا من كتاب الله فقد اعظم على الله الفرية. (صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب معنى قول الله تعالى: عز وجل ولقد راه نزلة اخرى، ۸/۲، رقم الحديث ۲۸۷)
 ”جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی کوئی بات چھپالی ہے، امت کو اس سے آگاہ نہیں کیا تو اس نے محمد ﷺ پر بہت بڑا الزام لگایا۔“
 اور فرمایا:

انى تركتكم على مثل البيضاء ليلها كنهارها لا يزيغ عنها بعدى الا هالك. (سنن ابن ماجه كتاب المقدمة باب سنة الخلفاء الراشدين ۱۶/۱، رقم الحديث ۳۳، واحمد ۱۲۶/۳، وابن ابى عاصم فى السنة ۳۸-۳۹، والحاكم ۹۶/۱، وصححة البانى فى تخريج السنة)

”میں نے تم کو ایک روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی دن کے مانند ہے۔ میرے بعد جو اس سے بٹے گا ہلاک ہوگا۔“

اسلام کی جامعیت و کاملیت ایسی زندہ حقیقت ہے جس کی شہادت اعدائے اسلام نے بھی دی ہے، چنانچہ بعض یہود نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے کہا:

لقد علمكم نبيكم صلى الله عليه وسلم كل شئى حتى الخراة فقال
 اجل لقد نهانا ان نستقبل القبلة بغائط أو بول أو نستنجى باليمين وان
 نستنجى باقل من ثلاثة احجاز او نستنجى برجيع او عظم. (صحيح مسلم،
 كتاب الطهارة، باب الاستطابة ۵۷. ابو داؤد، كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة

عند قضاء الحاجة ۷. الترمذی، کتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالحجارة ۱۶. النسائی، کتاب الطهارة، باب النهی عن الاكتفاء فی الاستطابة باقل من ثلاثة احجار ۴۱. ابن ماجه، کتاب الطهارة، باب الاستنجاء بالحجارة، احمد ۵/۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹)

”تمہارے نبی ﷺ تو تمہیں ہر چیز سکھاتے ہیں یہاں تک کہ قضائے حاجت کا طریقہ بھی۔ حضرت سلمان نے فرمایا: ہاں آپ ﷺ نے ہمیں پیشاب و پانچخانہ کے وقت قبلہ رخ ہونے اور دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے، تین پتھر سے کم میں استنجاء کرنے اور لید و ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

تبلیغ رسالت پر الزام

تشریح اور قانون سازی کا حق صرف رب العالمین کا ہے، کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ اگر اسلام میں اضافہ جائز ہوتا تو کمی بھی جائز قرار پاتی، رسول اللہ ﷺ نے دین میں اضافہ کرنے کو منع کیا ہے۔

اذا حدثتکم حدیثا فلا تزیدن علیہ.

(احمد، ۵/۱۱۵، عن سمرۃ سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، ۳۴۶)

”جب میں تم سے کوئی بات کہوں تو اس میں اضافہ نہ کرو۔“

اور فرمایا: فمن رغب عن سنتی فلیس منی. (صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح، ۱۲۶/۹، رقم الحدیث: ۵۰۶۳، صحیح مسلم، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح، ۱۸۶/۵، رقم الحدیث: ۵)

”جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں۔“

شریعت مکمل ہو چکی ہے، جس کا تعین ہونا تھا اس کا تعین ہو گیا، ایک انسان کی نجات کے لیے جتنے اعمال ضروری ہیں اور تقرب الی اللہ کے لیے جتنے وسائل تھے ان سب کی

وضاحت کردی، دین کی نکال بند کردی گئی اور جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا وہ جعلی ہوگا۔ یہ تمام حقائق بدعت میں نظر انداز کر دیے گئے ہیں۔ یہ بات بھی تکمیل نعمت کے خلاف ہے کہ دین و شریعت کا ایک بڑا حصہ مشتبہ اور غیر متعین چھوڑ دیا جائے اور صدیوں تک مسلمان اس کی دریافت سے غافل اور اس کے ثواب سے محروم رہیں خصوصاً خیر القرون کے وہ لوگ جو اَتَمُّنْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي کے مخاطب اول تھے اور پھر صدیوں کے بعد اس کا انکشاف اور تعین ہوا۔ اس شریعت میں جو شخص بھی نیا اضافہ کرتا ہے اور کسی خارج از دین بات کو دین کا جزو قرار دیتا ہے، کسی ایسی چیز کا اہتمام کرتا ہے جس کا اللہ کے رسول ﷺ نے اہتمام نہیں کیا یا تقرب الی اللہ کے کسی نئے ذریعہ کا انکشاف کرتا ہے وہ گویا زبان حال سے یہ کہہ رہا ہے کہ دین میں یہ کمی رہ گئی تھی اس کو اب پورا کیا جا رہا ہے۔ یہ آنحضرت ﷺ کی تبلیغ رسالت پر بڑا الزام ہے جن کو حکم تھا:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

رِسَالَتَهُ (المائدة: ۶۷، فتح الباری ۱۳/۶۱۶)

”اے پیغمبر جو کچھ بھی آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا۔“

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے حلال و حرام، خون و عزت کی حرمت، اللہ کے مامورات و منہیات و دیگر شرائع اسلام کو بیان کرنے کے بعد کہا: هَلْ بَلَّغْتُ؟ یعنی کیا میں نے اسلام کے احکام کو پہنچا دیا؟ لوگوں نے کہا: ہاں۔ اس کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ہاتھ کو آسمان کی جانب اٹھایا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَشْهَدُ. یعنی اے اللہ تو گواہ رہ، اے اللہ! تو گواہ رہ۔

مذکورہ احادیث سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ اسلام مکمل ہو چکا ہے اور آپ نے اس کو لوگوں تک پہنچا دیا ہے اور تکمیل تبلیغ پر اللہ کو گواہ بنایا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراها حسنة او استحسنت فی الدین شیئاً
لم یکن فقد زعم ان محمداً خان الرسالة لان الله یقول ”الْیَوْمَ اَکْمَلْتُ
لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِی وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا“ فما لم
یکن فی عہدہ دینا لا یكون دینا. (الاعتصام للشاطبی ۱/۳۹)

”جس نے اسلام میں کسی بدعت کو اچھا سمجھتے ہوئے ایجاد کیا یا دین میں کسی ایسی چیز کو
اچھا سمجھا جو اس میں نہیں تو وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ محمد ﷺ نے رسالت میں خیانت کی ہے
کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور تم پر
اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بحیثیت دین پسند فرمایا ہے جو چیز آپ کے دور
میں دین نہ ہو آج دین نہیں ہو سکتی۔“

بدعتی کی تکریم

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ہدم الاسلام. (رواہ البیہقی فی
شعب الایمان مرسلأ بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ۱/۵۵، رقم الحدیث ۱۸۹)
”جس نے کسی بدعتی کا احترام کیا اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔“

بدعتی کی تکریم پر مواخذہ اخروی کا خوف

امام ابن جوزی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں کہ مشہور جلیل القدر تابعی سلمان تیمی اپنے مرض
الموت میں رونے لگے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا: فرمایا کہ موت کے خوف سے نہیں
رورہا ہوں موت تو برحق ہے آج نہیں تو کل موت آئی ہی ہے۔ الحمد للہ میں نے پوری
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

زندگی میں کوئی گناہ نہیں کیا ہے صرف ایک غلطی مجھ سے سرزد ہوئی ہے، وہی یاد آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق مجھ سے سوال کرے گا تو کیا جواب دوں گا۔ لوگوں نے پوچھا آخر غلطی کیا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے ایک بار ایک بدعتی کو راستہ میں سامنا ہو جانے کے سبب سلام کیا تھا، چونکہ بدعتی کی تکریم شرعاً ممنوع ہے۔ اس لیے اس غلطی اور اس کے بارے میں باز پرس کے خیال سے سخت نادم ہوں اور قیامت کی ہولناکیوں اور سختیوں کو سوچ کر مجھ پر بے اختیار گریہ وزاری طاری ہے۔ (ماہنامہ محدث بنارس، جولائی ۱۹۹۴ء)

مولانا سید عبدالحی حسنی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب 'نزہۃ الخواطر' میں ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ قاضی ضیاء الدین سنائی اور حضرت نظام الدین اولیاء میں بڑی گہری دوستی تھی، دونوں کا قیام دہلی میں تھا۔ قاضی صاحب ایک دفعہ بہت سخت بیمار ہوئے، بچنے کی امید نہ رہی۔ حضرت نظام الدین اولیاء ان کی تیمارداری کے لیے گئے۔ قاضی صاحب کو اپنی آمد و ارادہ کی اطلاع دی تو قاضی صاحب نے حضرت نظام الدین اولیاء کو تیمارداری کی اجازت نہ دی اور ان سے ملنا پسند نہیں فرمایا۔ انھوں نے سبب دریافت کیا تو کہلا بھیجا کہ وہ سماع، مزامیر اور توالی کو جائز سمجھتے ہیں اور ایسی مجلسوں میں شرکت کو درست قرار دیتے ہیں جہاں کتاب و سنت کے خلاف باتیں کی جاتی ہیں اور میں مرتے وقت ایک بدعتی سے ملاقات و تکریم کا برتاؤ کر کے مواخذہ اخروی سے ڈرتا ہوں، اس لیے ان سے ملاقات پسند نہیں کرتا۔ حضرت نظام الدین صاحب نے قاضی صاحب کو یہ اطلاع دی کہ میں نے اس سے توبہ کر لی ہے اور اب اس کا قائل نہیں ہوں جب قاضی صاحب کو اس کی خبر ہوئی تو بہت زیادہ خوش ہوئے اور اپنا عمامہ قاصد کو دیا اور کہا: یہ عمامہ میرے دوست نظام الدین اولیاء کے راستے میں بچھا دو اور ان سے کہو وہ اس پر چل کر تشریف لائیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء نے عمامہ اٹھایا، قاضی صاحب سے ملے اور دونوں دوست بڑی رقت کے ساتھ رونے لگے۔

بدعتی کا انجام

بدعتی کا کوئی بھی عمل اللہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا يقبل الله لصاحب بدعة صوما ولا صلوة ولا صدقة ولا حجا ولا عمرة ولا جهادا ولا صرفاً ولا عدلاً يخرج من الاسلام كما تخرج الشعرة من العجين. (سنن ابن ماجه، مقدمه باب اجتناب البدع والجدل ۱/۹، رقم الحديث ۴۹)

”اللہ تعالیٰ نہ تو بدعتی کا روزہ قبول کرے گا نہ نماز، نہ صدقہ، نہ حج، نہ عمرہ، نہ جہاد، نہ فرض، نہ نفل اور گوندھے ہوئے آٹے سے جس طرح بال صاف نکل آتا ہے اسی طرح بدعتی دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔“

ارشاد نبوی ہے:

ان الله حجب التوبة عن كل صاحب بدعة حتى يدع بدعته.

(الطبرانی وبيهقي فيض القدير، ۲/۲۰۰)

”اللہ تعالیٰ بدعتی کی توبہ قبول نہیں کرتا جب تک کہ بدعت سے باز نہ آجائے۔“

حوض کوثر سے محرومی

ہمارے نبی ﷺ کو قیامت کے دن کے لیے ایک حوض عطا کیا گیا ہے جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور ستاروں کی گنتی کے برابر اس میں آنخورے ہیں جسے اس حوض سے ایک گھونٹ پانی میسر ہو جائے گا، اسے پھر کبھی پیاس نہ محسوس ہوگی۔ (صحیح البخاری کتاب الرقاق باب فی الحوض ۱۱/۴۰۹ تا ۴۱۲،

و صحیح مسلم کتاب الفضائل باب اثبات حوض نبینا ﷺ و صفاته. ۲۳۹۲)

بدعتی بروز قیامت آب کوثر سے محروم رہیں گے بروز محشر رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے لوگوں کو حوض کوثر سے پانی پلائیں گے، وہاں کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ ان کے اور

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

رسول اللہ ﷺ کے درمیان پردہ حائل کر دیا جائے گا تو آپ ﷺ فرمائیں گے: اِنَّهُمْ مَبِيْنٌ. یہ میری امت کے لوگ ہیں۔ فیقال، پھر کہا جائے گا: اَنْكَ لَا تَدْرِىْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ. آپ کو معلوم نہیں آپ کے بعد انھوں نے دین میں کیا کیا بدعتیں پیدا کیں، پھر رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے:

سُحُقًا سُوْحُقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ. (صحیح بخاری کتاب الفتن باب ماجاء فى

قول الله تعالى وَاَتَقُوْا فِتْنَةً لَا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۗ ۱۳/۳، رقم الحدیث ۷۰۵۰، ۷۰۵۱۔ صحیح

مسلم کتاب الطہارۃ باب استحباب اطالۃ الغرۃ ۲/۱۳۷، ۱۳۸، رقم الحدیث: ۳۹)۔

”دوری ہو، دوری ہو ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔“

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ بدعتی لوگ حوض کوثر سے پانی نہ پی سکیں گے اور نہ ہی ان کو آپ کی شفاعت نصیب ہوگی، بلکہ ان کے لیے پھنکار اور ہلاکت ہوگی نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ ﷺ دنیا سے رحلت کر جانے کے بعد اپنی امت کے حالات سے بے خبر ہیں۔ بدعتی کو اپنی بدعت اور قیامت تک اس پر عمل پیرا ہونے والوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑے گا۔ ارشاد باری ہے:

لِيَحْمِلُوْا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ

عِلْمٍ (النحل: ۲۵)

”تاکہ قیامت کے دن اپنا پورا بوجھ اور ان لوگوں کا کچھ بوجھ، جن کو جہالت کے سبب

گمراہ کرتے تھے، برداشت کریں۔“

سنت کا تقاضا یہ ہے کہ اہل بدعت سے اجتناب کیا جائے، ان سے مفارقت اختیار کی جائے، امور دین میں ان سے جنگ و جدل نہ کیا جائے، ان کی برائیوں سے دور رہا جائے، بدعت کے احیاء سے سنت مٹتی ہے اور بدعتی کے نزدیک سنت ناپسندیدہ چیز بن جاتی ہے۔ دین کے اندر ایجاد کیا گیا ہر نیا کام بدعت ہے اسلام اور سنت کے علاوہ دیگر ناموں کی

طرف منسوب ہونے والا شخص بدعتی ہے۔ مثلاً رافضیہ، جہمیہ، خوارج، قدریہ، مرجئہ، معتزلہ، کرامیہ اور کلابیہ وغیرہ یہ سب کے سب گمراہ اور بدعتی فرقے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے ہم کو بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے اور ہمیں بدعات و فتن سے محفوظ رکھے۔ اسلام اور سنت پر زندہ رکھے، دنیا میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے والوں میں شامل فرمائے اور مرنے کے بعد اپنے فضل و کرم سے انھیں کے زمرہ میں اٹھائے، آمین۔

۱۔ رافضیہ کو اس نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ زید بن علی بن حسین بن علی بن ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے مطالبہ کیا کہ آپ ابو بکر اور عمرؓ سے اپنی برأت کا اعلان کر دیجئے تاکہ ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں۔ زید بن علی نے کہا کہ نہیں بلکہ میں ان دونوں سے محبت و عقیدت رکھتا ہوں اور ان سے برأت ظاہر کرنے والوں سے اپنی برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا: اذا نرفضک پھر تو ہم آپ کو چھوڑ دیں گے، چنانچہ انہوں نے زید بن علی کو چھوڑ دیا اور ان کی حمایت سے دستبردار ہو گئے اور رافضیہ (چھوڑ دینے والے) کہلائے۔

۲۔ جہمیہ: جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے اور یہی اصل فرقہ جہریہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ازلی صفات کی نفی کرنے میں معتزلہ کے ساتھ ہیں لیکن بعض دیگر صفات کا بھی انھوں نے انکار کیا ہے۔

۳۔ خوارج: وہ فرقہ ہے جو برسر اقتدار مسلم ائمہ کی اطاعت سے انکار کرتا ہے۔ اس فرقہ کی ابتدا وہاں سے شروع ہوئی ہے جب انہوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی۔

۴۔ قدریہ: اس فرقہ کو قدریہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ فرقہ بندوں کے افعال کو خود ان کی قدرت کی جانب منسوب کرتا ہے اور اللہ کی تقدیر کا انکار کرتا ہے جس کے نتیجے میں غیر اللہ بندوں کے افعال کا خالق قرار پاتا ہے۔

۵۔ مرجئہ: مرجئہ کے کئی گروہ ہیں، ان میں سے ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی معصیت نقصان دہ نہیں جس طرح کفر کے ساتھ کوئی اطاعت فائدہ بخش نہیں۔ اس جگہ مرجئہ کا یہی گروہ مراد ہے۔

۶۔ معتزلہ: معتزلہ وہ فرقہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کے ایک فریق میں سے پیدا ہوا جس نے سیاست سے علیحدگی اختیار کی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ واصل بن عطا کی زیر قیادت اس فرقہ نے حسن بصری کی مجلس سے علیحدگی اختیار کی تھی اس لیے معتزلہ (علیحدگی اختیار کرنے والے) کہلائے۔ معتزلہ بے شمار باطل انکار و عقائد رکھتے ہیں۔

۷۔ کرامیہ: ابو عبد اللہ محمد بن کرام کے پیروکاروں کو کرامیہ کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفات کو ثابت مانتا ہے لیکن اس طرح کہ اس سے اللہ کے لیے جسم ہونا اور مخلوق سے مشابہ ہونا لازم آتا ہے۔

۸۔ کلابیہ: یہ فرقہ عبد اللہ بن سعید بن کلاب بصری کی طرف منسوب ہے۔ ابن کلاب بصری متکلمین میں سے تھا اور فرقہ کلابیہ کا امام تھا۔ اس کے اور معتزلہ کے درمیان بڑے مناظرے ہوئے معتزلہ کی طرح یہ فرقہ بھی بے شمار باطل عقائد و افکار رکھتا ہے۔

موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن

موضوع^۱ اور ضعیف حدیثوں کے چلن نے حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ کر دیا ہے۔ کتنی بدعتیں ہیں جو اسی راہ سے دین میں داخل ہوئی ہیں۔ کتنے فرقے ہیں جنہوں نے ایسی ہی حدیثوں کا سہارا لیا ہے اور کتنا بڑا فساد ہے جو ان روایتوں کی وجہ سے ملت کے اندر پیدا ہو گیا ہے۔ موضوع اور ضعیف روایتوں کو بیان کرنے میں نہ واعظوں کو تا مل ہوتا ہے اور نہ ان لوگوں کو جن پر علم دین پھیلانے کی ذمہ داری ہے، خواہ کوئی حدیث اسناد کے لحاظ سے کتنی ہی کمزور یا گڑھی ہی کیوں نہ ہو۔ قرون اولیٰ میں جب مفاد پرستوں اور فتنہ پردازوں نے حدیثیں وضع کرنا شروع کیں تو محدثین کرام نے اس کی حفاظت کے لیے ایسی تدبیریں اختیار کیں، جس کی نظیر تاریخ عالم و تاریخ ادیان میں ناپید ہے، چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے حالات و وقت کے تقاضے کے مطابق ثبوت و احتیاط کے ساتھ حفظ کو ترجیح دیا، پھر احادیث کو تحریر میں لا کر جملہ رخنہ اندازیوں سے پاک کیا۔ عمل تبلیغ کے ذریعہ اس کو عام کیا۔ اس کی حفاظت کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دیں اور جملہ مشقتوں کو برداشت کیا۔ دل و دماغ اور بصیرت کی پوری قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسے علوم و فنون

۱۔ موضوع اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس سے جان بوجھ کر کوئی بات رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ موٹ منسوب کر دینی ثابت ہو۔ ایسے راوی کی تمام روایتیں محدثین کی اصطلاح میں موضوع کہی جاتی ہیں اور وہ قابل قبول نہیں ہوتیں ان کا شمار مردود روایات میں ہوتا ہے۔

بالخصوص فن اسماء رجال مرتب فرمایا اور ایسے قواعد و ضوابط وضع کیے، جس کو دیکھ کر آج کا یورپ بھی انگشت بدنداں ہے۔ اس کی حقانیت و صداقت، صلابت اور پختگی کے اعتراف کرنے پر مجبور ہی نہیں بلکہ اسی کا خوشہ چھیں ہے۔

مولانا حالی رحمۃ اللہ نے اس کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

گروہ ۱ ایک جو یا تھا علم نبی کا لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
 نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
 کیے جرح ۲ و تعدیل کے وضع قانون نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں
 اسی دھن میں آساں کیا ہر سفر کو اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
 سنا خازن علم و دین جس بشر کو لیا اس سے جا کر خیر اور اثر کو
 پھر اس کو ہے پرکھا سوٹی پر رکھ کر دیا اور کو خود مزہ اس کا چکھ کر
 کیا فاش راوی میں جو عیب پایا مناقب ۳ کو چھانا مثالب ۴ کو بتایا
 مشائخ میں جو فتح نکلا جتایا ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا
 طلسم و رع ہر مقدس کو توڑا نہ مٹا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا
 رجال ۵ اور اسانید کے ہیں جو دفتر گواہ ان کی آزادی کے ہیں اکثر

لہرٹی ۶ میں جو آج فائق ہیں سب سے

بتائیں کہ لہرل بنے ہیں وہ کب سے

۱۔ اس گروہ سے مراد محدثین کرام ہیں۔

۲۔ علم جرح و تعدیل ایسا علم ہے جس میں راویوں کے جرح و تعدیل کے سلسلے میں مخصوص کلمات کے ذریعہ بحث کی جاتی ہے اور ان کلمات کے مراتب کو معلوم کیا جاتا ہے۔ جرح و تعدیل ایک دینی ضرورت ہے۔ جس کا مقصد شریعت کی حفاظت ہے۔ کسی پر عیب لگانا، یا غیبت کرنا نہیں ہے، اس طرح حدیث رسول کی معرفت کے لیے راویوں پر جرح و تعدیل کی جاتی ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسباب وضع حدیث

حدیث گھڑنے کے مختلف اسباب ہوتے ہیں جس میں سے کچھ یہ ہیں: اللہ سے قربت چاہنا۔ کچھ بزرگان دین فضائل اعمال و فضائل سینات وغیرہ میں حدیثیں وضع کرتے تھے اور اس طرح سے لوگوں کو اچھے کاموں کی رغبت دلاتے اور برے کاموں سے ڈراتے تھے اور اس کو کار خیر تصور کرتے تھے۔ چونکہ یہ انتہائی بزرگ و متقی ہوتے تھے اس لیے عوام میں ان کی گھڑی ہوئی حدیثوں نے جگہ بنا لیا۔ بہت سے متعصبین مذاہب نے اپنے اپنے مذہب کی تائید کے لیے احادیث وضع کی ہیں، خاص طور سے شیعان علی کا اس میں بڑا حصہ رہا ہے۔ قوم زنادقہ نے دین اسلام کو مطعون و رسوا کرنے کے لیے بہت سی حدیثیں گھڑی ہیں خاص طور سے وہ حدیثیں جو خلاف عقل اور سطحی ہوں۔

بہت سے لوگوں نے مطلب برآری کے لیے حدیثیں گھڑی ہیں۔ مثلاً بادشاہوں سے قربت، روزی روٹی میں اضافہ، شہرت طلبی وغیرہ اگر کوئی حدیث فی الواقع رسول کا قول یا فعل نہیں ہے تو وہ ایک جھوٹ ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

۳۔ مناقب کے معنی خوبیاں۔

۴۔ مثالب کے معنی برائیاں۔

۵۔ اسماء رجال ایسے علم کا نام ہے جس سے رجال حدیث (صحابہ تابعین وغیرہ) کی عام معرفت حاصل ہوتی ہے، مثلاً راویوں کے وطن، قبائل، نسبت، نام و نسب اسماء، القاب، تاریخ وفات وغیرہ نہایت صحت سے لکھنا اور اسانید کی وہ کتابیں ہیں جن میں ایک حدیث مع اس کے کل راویوں کے نام بنام لکھی گئی ہو، جیسے بخاری و مسلم وغیرہ۔ ڈاکٹر اسپرنگ نے لکھا ہے کہ علم رجال میں مسلمان جتنا فخر کریں بجا ہے۔ نہ ایسی قوم گذری اور نہ اب ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح بارہ سو برس تک علماء کے حالات زندگی لکھے ہوں۔ ہم کو پانچ لاکھ عالموں کا تذکرہ ان کتابوں سے مل سکتا ہے۔

۶۔ لبرٹی انگریزی میں آزادی اور لبرل آزاد کو کہتے ہیں۔

من کذب علی متعمدا فلیتبیوا مقعدہ من النار. (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی ﷺ، ۱/۲۶۷، رقم الحدیث ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب التثبت فی الحدیث ۹/۳۶۵، رقم الحدیث: ۷۲)

”جس نے میری طرف جان بوجھ کر جھوٹ منسوب کیا وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“ یہ حدیث صحاح ستہ کے علاوہ تقریباً دو درجن مسانید میں نقل کی گئی ہے۔ اسرافتی کا قول ہے کہ دنیا میں اس حدیث کے سوا کوئی دوسری حدیث نہیں ہے جس کی روایت میں عشرہ مبشرہ شامل ہوں۔ علامہ سیوطی نے ”تخذیر“ میں الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ تقریباً ۹ صحابیوں کی روایت کا استقصاء کیا ہے۔ المقاصد الحسنہ میں تقریباً پونے دو سو صحابیوں سے اس روایت کا ذکر کیا گیا ہے۔ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ وضع حدیث کبیرہ گناہ ہے، اسی لیے صحابہ کرام، تابعین عظام، سلف صالحین اس وعید کی بنا پر روایات حدیث میں بے حد احتیاط برتتے تھے۔

امام شافعیؒ، امام حاکمؒ، امام بخاریؒ نے موضوعات کے بیان کرنے والے کو وعید نبوی میں داخل بتلایا ہے۔ ابن الصلاح نے علوم الحدیث میں، امام نووی نے تقریب اور ارشاد میں، ابن جماعہ نے المنہل الراوی میں، طیبی نے الخلاصہ میں، علامہ ابن حجر نے شرح النخبہ میں، امام ابن جوزی نے موضوعات میں، دارقطنی نے کتاب الضعفاء والمترو کین میں موضوع حدیث بیان کرنے کو حرام بتلایا ہے۔

دارقطنی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تبلیغ کا حکم دیا ہے لیکن آپ ﷺ کی طرف جھوٹ کا انتساب کرنے پر شدید وعید ہے۔ یہ وعید اس بات کی دلیل ہے کہ صحیح حدیث کی تبلیغ کا حکم ہے، باطل کی تبلیغ کا نہیں۔

اس سخت وعید اور تنبیہ کے باوجود بکثرت احادیث گڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دی گئیں ایسی حدیثوں کو موضوع کہا جاتا ہے۔ ان کو گڑھنے والے بدنیت لوگ

بھی رہے ہیں اور نیک نیت لوگ بھی چنانچہ دین کے دشمنوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر امت کے اندر فتنہ پیدا کرنے کے لیے حدیثیں گڑھیں۔ بادشاہوں کو خوش کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولا جاتا رہا، اور ترغیب و ترہیب یعنی اچھے عمل کی رغبت دلانے اور گناہوں سے ڈرانے کے لیے بھی احادیث وضع کی گئیں۔ نیک نیتی کے ساتھ حدیثیں گڑھنے کا کام بعض زاہدوں اور صوفیوں کے ذریعہ بھی انجام پایا۔ بعض فتنہ پردازوں نے اس بات کا اعتراف بھی کیا ہے کہ انھوں نے حدیثیں گھڑی ہیں۔ مثال کے طور پر مہدی عباسی کے عہد خلافت میں عبدالکریم بن ابی العرجاء کو قتل کے لیے لایا گیا تو اس نے اعتراف کیا کہ میں نے چار ہزار حدیثیں گھڑی ہیں۔ ایک شخص ابو عصمہ نوح بن ابی مریم تھا جس نے قرآن مجید کی ہر سورہ کی فضیلت میں حدیثیں گڑھیں اور بعد میں اس کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کی دلچسپی ابو حنیفہ کی فقہ اور محمد بن اسحاق کی مغازی کی طرف بڑھ گئی ہے اور قرآن مجید کی طرف سے توجہ ہٹتی جا رہی ہے تو میں نے کارثواب سمجھ کر یہ حدیثیں گڑھ لیں۔ (کتاب الموضوعات ابن الجوزی، ص ۱۴)

وہب بن منبہ جو یہودی تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، فضائل اعمال کے بارے میں حدیثیں وضع کرتے تھے۔ (مقدمہ از عبد الرحمن بن عثمان بر کتاب الموضوعات، ص ۸)

ابوداؤد نخعی نہایت بزرگ اور عبادت گزار تھے۔ رات میں طویل قیام کرتے اور دن میں اکثر روزہ رکھتے، ساتھ ہی حدیثیں گڑھنے کا کام بھی کرتے۔ (کتاب الموضوعات، ص ۴۱)

غلام خلیل سے جب ان حدیثوں کے بارے میں پوچھا گیا جو رقائق کے باب میں وہ بیان کرتے ہیں، تو کہنے لگے: ہم نے یہ حدیثیں اس لیے گڑھ لی ہیں تاکہ عوام کے دلوں میں رقت پیدا کریں۔ (کتاب الموضوعات، ص ۴۰)

قصہ گو حضرات لوگوں کو رلانے اور اپنی مجلسوں کی رونق بڑھانے کے لیے جھوٹے قصے نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرتے تھے۔ عراق میں تو گویا نکسال تھی جہاں

حدیث کے کھوٹے سکے ڈھالے جاتے تھے۔ شیعہ اس معاملہ میں پیش پیش رہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی فرماتے ہیں:

واضعین نے سب سے پہلے شخصیتوں کی فضیلت میں حدیثیں گڑھنا شروع کیں۔ انھوں نے اپنے اماموں اور اپنے فرقوں کے سربراہوں کی برتری کو ثابت کرنے کے لیے بہ کثرت حدیثیں وضع کیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے شیعوں کے مختلف گروہوں نے انجام دیا۔ چنانچہ ابن ابی حدید شرح نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ فضائل کی حدیثوں میں اصل جھوٹ شیعوں ہی کی طرف سے آیا اور اس کے مقابلہ میں اہل سنت کے جاہلوں نے بھی حدیثیں گڑھ لیں۔

(السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي، ص ۷۵)

رافضیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے فضائل میں ہزاروں حدیثیں گڑھیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہوئی پرستوں میں رافضیوں سے زیادہ جھوٹی گواہی دینے والا کوئی گروہ نہیں دیکھا۔

موضوع احادیث کی سب سے بڑی کمین گاہ اس زمانے میں عراق میں تھی۔ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”مدینہ منورہ سے ایک حدیث بالشت بھر کی نکلتی ہے اور جب عراق سے لوٹی ہے تو ایک گز (ہاتھ) کی ہو جاتی ہے۔“

(السنة ومكانتها في التشريع الاسلامي، ص ۹۳)

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”ہم کوئی حدیث عراق (کوفہ وغیرہ) میں سنتے تو اس کی تصدیق مدینہ سے کرتے۔“

ایک شخص محمد بن سعید میواتی گزرا ہے، جس نے یہ حدیث وضع کی کہ نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے:

”من رفع يديه في الركوع فلا صلوة له“۔

اور یہ حدیث من قرأ خلف الامام فلا صلوة له..... (میزان الاعتدال ۳/۲۲۹، مامون بن احمد السلمی الہروی کے ترجمہ میں بیان کیا گیا ہے۔ الآثار الموفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ، ص: ۱۷ تحقیق از غلول)

”جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس کی نماز نہیں ہوتی.....“

جب کہ یہ دونوں حدیثیں تمام محدثین کے نزدیک موضوع ہیں۔ اسی طرح اپنی اپنی فقہ کی مدح میں حدیثیں وضع کی گئیں اور انتہا درجہ کی جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی وعید شدید کے باوجود آپ کے نام پر حدیثیں وضع کی گئیں جن میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو سراج امت اور امام شافعی کو (نعوذ باللہ) فتنہ پرور اور امت کے حق میں ابلیس سے زیادہ نقصان دہ اور مضرت رساں بتایا گیا ہے۔ قارئین کی اطلاع کے لیے درج ذیل حدیث ذکر کی جاتی ہے جس کو امام ابن الجوزی نے اپنی مشہور کتاب میں ذکر کیا ہے:

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: یكون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادريس أضّر علی امتی من ابليس ویكون فی امتی رجل یقال له ابو حنیفة وهو سراج امتی.

(تذکرۃ الموضوعات، ۲/۳۸، ۳۹)

”میری امت میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کا نام محمد بن ادریس ہوگا۔ (امام شافعی) وہ میری امت کے لیے ابلیس سے زیادہ مضر ہوگا اور میری امت میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام ابوحنیفہ ہوگا وہ میری امت کے لیے سراج (چراغ) ہوگا، وہ میری امت کے لیے سراج ہوگا۔“

بالکل اسی طرح کی ایک دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کی گئی ہے اس میں ”فتنة علی امتی اضّر من ابليس.“ کا لفظ وارد ہوا ہے یعنی یہ فتنہ میری امت

کے لیے اہلیس سے بھی زیادہ مضرت رساں ہوگا۔ پہلی حدیث کی سند میں مامون اور جو بیماری نامی دو شخص پائے جاتے ہیں انہیں کی مشترکہ کوشش سے یہ حدیث وجود میں آئی اور انہوں نے یہ حدیث گھڑی ہے۔ دوسری حدیث کی سند میں ابو عبد اللہ البورقی نامی شخص ہے، اس نے دوسری حدیث گھڑی ہے تمام علماء کا اس حدیث کے موضوع ہونے پر اتفاق ہے۔

ایک دفعہ مشہور کذاب اور وضاع احمد بن یعقوب، عبد الملک بادشاہ کے دسترخوان پر کھانے کے وقت موجود تھا جب تمام لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے اس وقت خربوزہ لایا گیا۔ اس پر احمد بن یعقوب نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے فوراً ہی اپنی طرف سے حدیث گھڑی اور اسے حضور ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیا کہ اے امیر المؤمنین! آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کھانے سے پہلے خربوزہ کھانا پیٹ کو صاف کر دیتا ہے اور بیماری کو ختم کر دیتا ہے۔ اس حدیث کو سن کر عبد الملک بہت خوش ہوا اور اس نے احمد بن یعقوب کو ایک لاکھ درہم انعام میں دیا۔ (میزان الاعتدال، ۱/۱۶۵)

وضع حدیث کرنے والوں میں بعض تو ایسے تھے کہ انہوں نے وضع حدیث کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ لوگوں میں ایک شخص ابی الہزم یزید بن سفیان بصری تھا جس کے متعلق امام شعبہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص بصرہ کی مسجد میں پڑا رہتا تھا۔ اگر کوئی شخص اسے ایک درہم دیتا تو وہ اس کی خواہش کے مطابق پچاس احادیث وضع کر دیتا۔ (الاباطیل والمناکیر، ۱۰/۵۹)

حدیث ضعیف کی تعریف

فن حدیث کے علماء نے حدیث ضعیف کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ ہر وہ حدیث ضعیف ہے جس میں نہ حدیث صحیح کی صفات پائی جاتی ہوں اور نہ حدیث حسن کی۔

(مقدمہ ابن الصلاح، ص: ۲۰)

راوی کی طرف سے حفظ و ضبط میں کمی، اس کا ثقہ راویوں کی حدیث کے خلاف روایت کرنا، اس کے عادل ہونے میں اشتباہ اور سلسلہ روایت میں انقطاع وغیرہ وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر حدیث کو ضعیف کہا جاتا ہے۔ ضعیف حدیث کی کئی قسمیں ہیں جن میں ایک حدیث مرسل ہے اور حدیث مرسل وہ حدیث ہے جس کو کسی تابعی نے صحابی کے واسطے کے بغیر رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا ہو۔ اس کے بارے میں امام مسلم نے صحیح مسلم کی تمہید میں لکھا ہے کہ:

”مرسل ہمارے اور علمائے حدیث کے نزدیک حجت نہیں ہے۔“

اصل میں ضعیف وہ حدیث وہ ہے جس کی صحت مشکوک ہو۔ ایسی حدیث سے نہ کوئی شرعی حکم ثابت ہوتا ہے اور نہ وہ دین میں حجت ہوتی ہے۔ مگر علماء کا ایک گروہ فضیلت کے باب میں ضعیف حدیثیں نقل کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتا، ان کے نزدیک ایسی حدیثیں ترغیب کے لیے مفید ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ قبول حدیث کے معاملہ میں اس بے احتیاطی نے دین و ملت کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ مولانا ٹمپس پیرزادہ صاحب اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اسلام کی تعلیم کیا ہے اس کو جاننے کا نہایت محکم ذریعہ قرآن ہے۔ پھر سنت ثابتہ یا احادیث صحیحہ۔ رہ گئیں وہ روایتیں جن کی نسبت نبی ﷺ کی طرف مشکوک ہے، اسناد کے اعتبار سے یا متن (نفس مضمون) کے اعتبار سے ان سے نہ سنت ثابتہ ہوتی اور نہ حجت قائم ہوتی ہے اور نہ ہی دین میں اس کا کوئی مقام ہے پھر ایسی احادیث کو عوام کے سامنے پیش کر کے یہ تاثر دینا کہ یہ ارشادات رسول اللہ ﷺ ہیں، دین کے لیے کمزور بنیادیں تلاش کرنے اور لوگوں کی نظروں میں دین کو مشتبہ بنادینے کا باعث ہے۔ اس سے بدعات کی راہیں کھلتی اور ملت کے اندر فرقہ بندی اور طرح طرح کے فتنوں کا سامان ہوتا ہے۔ فضائل اعمال کا بھی دین میں ایک

مقام ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ دین میں جس چیز کا جو مقام ہے اس کو اسی مقام پر رکھا جائے اگر کسی چیز کو گھٹایا یا بڑھایا گیا تو توازن بگڑ جائے گا اور دین کا مختلف اجزاء کے درمیان وہ ربط اور ہم آہنگی باقی نہ رہے گی جو شارع کے پیش نظر ہے لہذا جب شرعی احکام کے سلسلہ میں ضعیف حدیثوں کو ماخذ بنانا صحیح نہیں ہے، تو فضائل اعمال کے سلسلہ میں ان کو ماخذ بنانا کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔“

(موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن، ص ۲۰)

علوم الحدیث کے مصنف ڈاکٹر صحیحی صالح تحریر فرماتے ہیں:

”دین اسلام میں یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ ضعیف حدیث کسی حکم شرعی یا فضائل اعمال کے لیے مصدر و ماخذ قرار نہیں دی جاسکتی اس لیے کہ حدیث ضعیف کی اساس ظن پر رکھی گئی ہے۔ اور ظن کسی صورت میں بھی حق کی جگہ نہیں لے سکتا پھر یہ امر قابل غور ہے کہ فضائل شرعی احکام کی طرح دین کے بنیادی ستونوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کسی طرح جائز نہیں کہ دین کی اساس و بنیاد ایسے ستونوں پر رکھی گئی ہو جو بالکل کمزور اور قوت و استحکام سے یکسر عاری ہوں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیثوں کو معمول بہ بنا سکتے ہیں، اگر وہ شرائط ان میں موجود بھی ہوں جن کو آسانی ڈھونڈنے والوں نے اس ضمن میں ضروری ٹھہرایا ہے۔ احکام شرعیہ اور فضائل میں احادیث حسن و صحیح کی اس قدر کثرت ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے حدیث ضعیف کو تسلیم کرنے کی کچھ حاجت نہیں۔ عدم تسلیم کی وجہ یہ ہے کہ حدیث ضعیف کا ثبوت ہمارے قلب و ضمیر میں ہمیشہ کھٹکتا رہے گا، اور ہمیں کبھی بھی اطمینان قلب حاصل نہ ہو سکے گا اور اسی شک و شبہ کی وجہ سے ہم اس کو ضعیف کہتے ہیں حالانکہ دینی امور میں یقین کی ضرورت ہوتی ہے۔“ (علوم الحدیث، اردو ترجمہ غلام احمد حریری، ص ۲۷۵)

لیکن بڑے دکھ و افسوس کی بات ہے کہ اس معاملہ میں عام طور سے سہل انگاری برتی گئی اور بڑی فراخی سے ضعیف حدیثوں کو قبول کیا جاتا رہا، اور آج صورت حال یہ ہے کہ صحیح حدیث کے مقابلہ میں ضعیف حدیث کو عوام کے سامنے پیش کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ احادیث صحیحہ میں جن برائیوں پر وعید سنائی گئی ہے ان کی اصلاح اس قدر ضروری نہیں سمجھی جاتی جس قدر ضروری فضائل پر مشتمل حدیثوں کو بیان کرنا سمجھا جاتا ہے۔ خواہ وہ حدیثیں باعتبار اسناد اور باعتبار مضمون کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ موضوع اور ضعیف روایتوں کے چلن نے دین کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ قرآن مجید نے جتنا زور عمل صالح پر دیا ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کرنے کی جس قدر تاکید کی ہے، اس کے برعکس فضائل اعمال کی غلو آمیز اور غیر مستند روایات ایک معمولی نیکی پر جنت کا پروانہ ہاتھ میں تھما دیتی ہیں۔

اہل بدعت کے متعلق

صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا موقف

اتباع سنت کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مکمل دین عطا فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے بھی اسے بلا کم و کاست مکمل طور پر امت تک پہنچا دیا ہے۔ اس کا کوئی ادنیٰ شوشہ بھی آپ نے اپنی امت سے چھپا کر نہیں رکھا ہے، اس لیے اب نہ دین میں کسی اضافے کی گنجائش ہے، نہ شرعاً دین میں اب کسی اضافے کی ضرورت ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین پوری زندگی اس آیت کریمہ ”من یطع الرسول فقد اطاع اللہ“ پر عمل پیرا رہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین شرک و بدعت سے سخت متنفر اور اس کے شدید مخالف تھے۔ صحابہ کرام کا گہرا علم، ان کا سچا دل، ان کی سادہ زندگی، ان کی بے نفسی، خدا ترسی، پاکبازی، پاکیزگی، ان کا ذوق عبادت اور شوق شہادت اور ان کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کی شب بیداری، ان کی دنیا سے بے رغبتی، ان کا عدل، ان کا استقلال، ان کا پختہ ایمان و یقین اور ان کی خدا پرستی تاریخ میں بے نظیر ہے، اور تاریخ اسلام کا سب سے بہتر زمانہ صحابہ کرام کا تھا جو شرک و بدعت سے بالکل پاک و صاف تھا، ان کے دور میں خرافات و منکرات اور بدعات کا نام و نشان بھی نہ تھا اور وہ دین میں بدعات کے تصور سے بھی کانپتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ جمیعین کے سلسلہ میں مولانا حالی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

رہے کفر و باطل سے بیزار سارے نشے میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے

ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی

جہاں کر دیا نرم نرم گئے وہ

جہاں کر دیا گرم گرم گئے وہ

خليفة اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا:

”میں صرف کتاب و سنت کا پابند ہوں، بدعتی نہیں ہوں اگر میں درست کہوں تو میری اطاعت کرو اگر ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم مجھے سیدھا کر دو۔“

(بدعات اور ان کا شرعی پوسٹ مارٹم، ص: ۶۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ میں فرمایا:

السنة ما سنه الله ورسوله ولا تجعلوا خطا الراي سنة الامة.

(تاریخ التشريع الاسلامی، ص ۹۵)

”طریقہ تو بس وہی ہے جو اللہ اور رسول ﷺ نے مقرر کیا، تم لوگوں کی قیاسی غلطیوں کو

امت کا طریقہ نہ بناؤ۔“

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جس عورت کا شوہر مر جائے، وہ عورت جہاں چاہے اپنی عدت گزارے۔ آخر آپ کو حدیث نبویؐ کی تلاش شروع ہوئی تو حضرت ابو سعید خدریؓ کی بہن فریجہ بنت مالک نے اپنا واقعہ سنایا کہ میرے شوہر شہید ہو گئے تھے تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں عدت کہاں گزاروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شوہر کے گھر پر۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث کے مطابق فیصلہ کیا۔ ولید بن عقبہ نے کوفہ میں نبیذپی تو نشہ آ گیا، قے کی تو پکڑے گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مقدمہ کی تحقیقات کے بعد حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ولید پر حد شرعی لگائیں، عبد اللہ بن جعفر نے کوڑے مارنا شروع کیا اور حضرت علیؓ نے عبد اللہ سے فرمایا کہ بس:

امسک جلد النبی ﷺ و ابوبکر اربعین وعمر ثمانین و کل سنة وهذا احب الیّ. (صحیح مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر، ۶/۲۳۲، ۲۳۳، رقم الحدیث: ۳۸)

”اب رک جاؤ عہد نبویؐ و خلافت صدیقی تک حد خمر (شراب) چالیس کوڑے رہی حضرت عمرؓ نے اسی کوڑے مقرر کی مجھے عہد نبویؐ میں رائج حد زیادہ پسند ہے۔“

دیکھئے حضرت علیؓ کے مشورہ ہی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی کوڑے مقرر فرمائے تھے نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی چالیس پر سکوت فرما کر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا۔ (موطا امام مالک مترجم، کتاب الاشریۃ، باب ماجاء فی حد الخمر، ص: ۶۱۴)

حضرت علیؓ کی بابت مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حج قرآن^۱ کے ساتھ لبیک پکارا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی آواز سنی تو لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے؟ بتایا گیا حضرت علیؓ ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

۱ حج قرآن یہ ہے کہ حاجی حج و عمرہ کا ایک ساتھ احرام باندھے اور عمرہ کر کے حلال نہ ہو، بلکہ حج کے بعد دسویں تاریخ کو حلال ہو۔

حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا: کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں نے اس سے منع کیا ہے؟

الم تعلم انی نہیث عن هذا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

بلنی ولكنی لم اکن ادع قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقولک.

(طحاوی، ۱/۳۷۶)

”کیوں نہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کے قول کو آپ کے مقابلہ میں ترجیح دوں گا۔“

شیخ علی محفوظ ازہری نے اپنی مشہور کتاب ”الابداع فی مضار الابتداع“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جواب ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

لم اکن ادع سنة رسول الله ﷺ لقول احد من الناس وقال انی

لست نبیاً ولا یوحی الی ولكنی اعمل بکتاب الله وسنة نبیه.

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں کسی کے کہنے سے رسول اللہ ﷺ کی سنت نہیں

چھوڑوں گا۔ میں نہ نبی ہوں نہ مجھ پر وحی آتی ہے لیکن جہاں تک میرے بس میں ہوگا میں اللہ کی

کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کروں گا۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس مرتد لائے گئے۔ آپ نے ان لوگوں کو آگ میں

زندہ جلانے کا حکم دے دیا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے سنا تو یہ حدیث پیش کی:

قال النبی ﷺ من بدل دینہ فاقتلوه. (صحیح بخاری کتاب الاعتصام

باب قول الله تعالى و امرهم شورى بينهم ۱۳/۴۱۹ جامع ترمذی أبواب الحدود باب

ما جاء فی المرتد ۱/۱۷۶، سنن ابن ماجہ کتاب الحدود باب المرتد عن دینہ ۲/۸۲۸)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مرتد کو تلوار سے قتل کر دینا چاہیے۔“

حضرت علیؓ نے سن کر فرمایا:

صدق ابن عباس یعنی عبداللہ بن عباسؓ نے سچ کہا۔“

ایک شخص نے عید گاہ میں نماز عید سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنی چاہی، حضرت علیؑ نے اسے نفل پڑھنے سے روک دیا۔ اس نے کہا: امیر المؤمنین! اتنا تو میں جانتا ہوں کہ نماز پڑھنی کوئی گناہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے مجھے عذاب ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

ان اللہ لا یثیب علی فعل حتی یفعله رسول اللہ ﷺ او یحث علیہ فتکون صلوتک عبثاً والعبث حرام فلعلہ تعالیٰ یعذبک بمخالفتک لنبیہ۔ (یہ واقعہ مولانا وحید الزماں صاحب نے موطا امام مالک کے ترجمہ میں باب ترک الصلوٰۃ قبل العیدین وبعدها کے تحت شرح المجمع لابن الصاغانی کے حوالہ سے ذکر کیا ہے)

”جب تک کسی کا عمل نبوت رسول اللہ ﷺ کے قول یا عمل سے نہ ہو، اس پر اللہ تعالیٰ ثواب نہیں دیتا پس یہ تمہاری نماز ثواب سے محروم عبث کام ہوگی اور دین میں عبث کام حرام ہے۔ اس لیے کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ تمہیں رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے پر عذاب دے۔“

امام زادہ جوعی سمرقندی نے اپنی کتاب ”شرعۃ الاسلام“ میں صحابہ کرام کے بارے میں لکھا ہے: وقد كانت الصحابة ینکرون اشد الانکار علی من احدث وابتدع رسماً لم یتعهدوه فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم قلّ او کثر صغر ذلک او کبر۔ (شرعۃ الاسلام، ص ۹)

”صحابہ کرام اس شخص کے خلاف شدید انکار کرتے تھے جو کوئی ایسا طریقہ نکالے جس کو انہوں نے نبوت کے زمانہ میں نہ دیکھا ہو خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، چھوٹا ہو یا بڑا۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے ایک مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر اس کا جواب دے دیا۔ سائل نے اس پر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا قول پیش کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس ن سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

یوشک ان تنزل علیکم حجارة من السماء اقول لکم قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم و تقولون قال ابو بکر و عمر .

(الدارمی، کتاب المقدمہ، باب ما يتقى من تفسير حديث النبي ﷺ)

”قريب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسا دیے جائیں کہ تم ہلاک و برباد کر دیے جاؤ۔ میں کہتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اور تم حدیث رسول کے مقابلہ میں ابو بکر و عمر کا قول پیش کرتے ہو۔“

حضرت سالم بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شامی نے کہا کہ آپ کے باپ حضرت عمرؓ نے تو تمتع^۱ سے منع فرمایا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بولے: ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر میرے باپ نے منع کیا ہو اور رسول اللہ ﷺ نے اسے کیا ہو تو کیا میرے باپ کا حکم مانا جائے گا، یا رسول اللہ ﷺ کا؟ شامی نے کہا بیشک رسول اللہ ﷺ کا حکم و عمل مقدم ہوگا۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کا حکم دیا ہے۔ (جامع ترمذی أبواب الحج باب ماجاء فی التمتع ۱۰۱/۱، وقال هذا حدیث حسن صحیح)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک دن حدیث لا تمنعوا نساءکم المساجد .
”یعنی عورتوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے سے مت روکو۔“ پڑھ کر اپنے صاحبزادے کو سنائی۔ اس پر ان کے صاحبزادے بلال بولے کہ ہم عورتوں کو اس سے ضرور روکیں گے، یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ ان سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سناتا ہوں اور تو کہتا ہے کہ میں ان کو ضرور روکوں گا۔ خدا کی قسم میں تجھ سے بات نہ کروں گا اور آپؐ نے ان سے پوری زندگی بات نہ کی۔ (صحیح بخاری کتاب الجمعة ۲/۲۳۳، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء الی المساجد ۲/۳۹۷، رقم

۱۔ حج تمتع یہ ہے کہ حج کو جانے والا حج و عمرہ کا احرام باندھ کر نکلے اور عمرہ ادا کر کے حلال ہو جائے۔ پھر جب حج کا وقت ہو جائے تو حج کا احرام باندھ لے۔ حج افراد یہ ہے کہ وہ صرف حج کا احرام باندھے اس میں عمرہ شامل نہ کرے۔

الحدیث ۱۳۵، جامع ترمذی باب خروج النساء الی المساجد (۷۴)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

یتبع مواضع سیر النبی و فعله حتی روی یصب فی موضع ماء فسنل
عن ذلك فقال رأیت رسول الله ﷺ یصب ههنا ماءا.

(الاقتضاء الصراط المستقیم، ص ۳۰۶)

”عبداللہ بن عمرؓ ان مقامات اور ان باتوں کی تلاش میں رہتے تھے جن سے آنحضرت ﷺ کا تعلق ہوتا تھا چنانچہ ایک دفعہ انھیں ایک جگہ پانی بہاتے دیکھا گیا۔ جب ان سے اس سلسلے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ یہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو پانی بہاتے دیکھا ہے۔“

امام ترمذی رحمۃ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں ذکر کیا ہے:

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آخری وقت میں ناجینا ہو گئے تھے، حضرت مجاہد تابعی کے ساتھ ایک جگہ ایک مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس مسجد میں اذان و اقامت کے درمیان تجویب کی گئی یعنی مؤذن نے باہر کھڑے ہو کر بلند آواز سے ”قد قامت الصلوٰۃ وحی علی الفلاح“ کہا تو عبداللہ بن عمرؓ بہت غضب ناک ہوئے اور مجاہد سے کہا:

اخرج من عند هذا المسجد المبتدع ولم یصل فیہ.

(جامع ترمذی، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی الثویب فی الفجر، ۱/ ۲۸)

”مجھ کو اس مسجد سے جن میں نئی چیز نکالی گئی ہے جلدی سے باہر لے چلو چنانچہ وہ وہاں سے ناراض ہو کر چلے گئے اور اس مسجد میں نماز نہ پڑھی۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اتبعوا ولا تبدعوا فقد کفیتم.

(اخرجه الطبرانی فی الکبیر وقال الیہثمی رجالہ الصحیح)

”اللہ ورسول ﷺ کی اتباع کرو اور کوئی نیا طریقہ نہ نکالو اللہ ورسول اللہ ﷺ کی اتباع تمہاری ہدایت کے لیے کافی ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ کچھ لوگ مسجد میں اکٹھا ہو کر بلند آواز سے ذکر و اذکار میں مصروف ہیں تو ان کے پاس گئے اور فرمایا:

ما وجدنا ذلك في عهدہ صلی اللہ علیہ وسلم وما اراکم الا مبتدعین
وما زال یذکر ذلك حتی اخر جہم من المسجد.

(رواہ ابو نعیم یہ روایت مسند داری میں بہت تفصیل سے مروی ہے۔)

”ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کسی کو اس طرح ذکر و اذکار کرتے نہیں پایا۔ لہذا میں تم لوگوں کو بدعتی سمجھتا ہوں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ یہی الفاظ دہراتے رہے یہاں تک انھیں اس مسجد سے باہر نکال دیا۔“

ابو الطفیل بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ عبداللہ بن عباسؓ نے دیکھا کہ حضرت معاویہؓ بیت اللہ کے چاروں رکن کا استلام کرتے ہیں۔ تو انھیں ٹوکا کہ رسول اللہ ﷺ صرف رکن یمانی اور حجر اسود کا استلام کرتے تھے، باقی دونوں رکن کا استلام نہیں کرتے تھے تو حضرت معاویہؓ نے کہا:

لیس شئی من البیت مہجور.

”بیت اللہ کا کوئی حصہ قابل ترک نہیں۔“

حضرت مجاہد بھی ساتھ تھے، فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت معاویہؓ کو

جواب دیا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

”رسول اللہ ﷺ تمہارے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔“

تو حضرت معاویہؓ نے کہا: آپ نے سچ فرمایا۔

حضرت حذیفہ بن یمانؓ کہتے ہیں:

”ہر وہ بدعت جسے آپؐ نے اور صحابہ کرام نے نہیں کیا اس کو تم مت کرو، کیونکہ اگلوں نے پچھلوں کے لیے دین میں کچھ گنجائش نہیں چھوڑی، پس انھوں نے ہر نیکی کو کیا کسی کو باقی نہیں چھوڑا۔“

اہل بدعت کے متعلق تابعین عظام کا موقف

صحابہ کرام ہی کی طرح تابعین عظام بھی بدعت کے سخت مخالف تھے۔ کتاب و سنت کے حریص اور حدیث رسول اللہ ﷺ کے بالمقابل کوئی بات خلاف سنت سن کر جلیل القدر تابعین سخت ناراض ہو جاتے تھے۔ مشہور تابعی حضرت حسان بن عطیہؓ فرماتے ہیں:

ما ابتدع قوم بدعة في دينهم الا نزع من سنتهم مثلها. (رواه الطبرانی عبد الله بن بسر ورواه البيهقي في شعب الایمان عن بسر ورواه ابو نعیم عبد الله معدان انظر فیض القدير ۶/۲۳۷)

”جب بھی کوئی قوم دین میں بدعت ایجاد کرتی ہے تو ان کے درمیان سے اس کے مثل سنت اٹھالی جاتی ہے۔“

حضرت قتادہ تابعی کا بیان ہے کہ فلاں صاحب ایسا ایسا کہتے ہیں تو ابن سیرین نے کہا کہ میں تجھے حدیث رسول سنا تا ہوں اور تو کہتا ہے کہ فلاں ایسا کہتا ہے، جا میں تجھ سے بات نہیں کروں گا۔ (سنن دارمی، ص ۶۳)

حضرت قتادہ اور ابن سیرین دونوں کبار تابعین میں سے ہیں۔ ان دونوں کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ ابن سیرین حدیث رسول کے بارے میں اتنے سخت تھے کہ آپ روایت بالمعنی کے قائل ہی نہیں تھے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

ان هذه الاحاديث دين فانظروا عمن تاخذونها. (الكفاية في علم الرواية

خطیب بغدادی: ۱۶۲، الجرح والتعديل ۱۵/۲

”حدیث دین ہے لہذا دیکھو کہ تم کس سے دین حاصل کر رہے ہو۔“

حضرت عمر بن عبدالعزیز^۱ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

جہاں قوم^۲ ٹھہری ہے وہیں تم بھی ٹھہر جاؤ، کیونکہ اس کے افراد علم و بصیرت کے ساتھ ٹھہرے ہیں، وہ گہرائی میں جانے پر زیادہ قادر تھے اور اگر اس میں کوئی فضیلت ہوتی تو اس کے زیادہ حق دار تھے۔ اب اگر تم یہ کہتے ہو کہ ان کے بعد فلاں چیز ایجاد کی گئی ہے تو سمجھ لو کہ اسے ان لوگوں نے ایجاد کیا ہوگا جو اسلاف کے طریقہ کے مخالف اور ان کی سنت سے گریز کرنے والے ہوں گے۔ سلف نے جتنا بیان کر دیا ہے وہ کافی و شافی ہے۔ اب ان سے آگے بڑھنا حد سے تجاوز کرنا ہے اور پیچھے رہنا کوتاہی ہے جیسا کہ ایک گروہ نے کوتاہی کی توجہ کر بیٹھے اور دوسرے نے حد سے تجاوز کیا تو غلو کا شکار ہو گئے حالانکہ افراط و تفریط سے ہٹ کر اعتدال کی راہ صراط مستقیم پر گامزن رہنا سلف کا طریقہ تھا۔

۱۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ مشہور تابعی خلیفہ راشد پنجم کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ آپ کی کنیت ابو حفص اور پورا نام عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم اموی قرشی ہے۔ آپ کی ولادت اور نشوونما مدینہ منورہ میں ہوئی اور ۹۹ھ میں آپ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ مدت خلافت کل ڈھائی سال ہے۔ مگر خیر و برکت اور عدل و انصاف سے بھرپور ہے۔ چالیس سال کی عمر میں ماہ رجب المرجب ۱۰۱ھ میں ملک شام کے مقام ”دیر سمعان“ میں وفات پائی۔ آپ بالاتفاق پہلی صدی کے مجدد ہیں۔ آپ کے زمانے میں وحی خفی کا اتنا پاس تھا کہ آپ نے تدوین حدیث کے ساتھ یہ تاکید فرما کر جاری کر دیا تھا: ولا یقبل الا حدیث النبی ﷺ. یعنی سوائے حدیث رسول اللہ ﷺ کے کوئی چیز قبول نہ کی جائے۔ (صحیح بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم ۱/۲۳۳)

۲۔ قوم سے مراد نبی ﷺ نیز آپ کے اصحاب ہیں کیونکہ عقیدہ و عمل کے سلسلہ میں ان کا موقف علم و بصیرت پر مبنی تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے علاوہ اس دور کے جو تابعین گزرے ہیں وہ سب کتاب و سنت ہی پر عامل تھے اور حدیث نبوی ﷺ کے دلدادہ عاشق فدائی اور شیدائی تھے۔ مثلاً سعید بن مسیب، اویس قرنی، حسن بصری، علقمہ، اسود، ابو عثمان النهدی، مسروق، عطاء بن ابی رباح، محمد بن شہاب زہری، وغیرہ وغیرہ۔ سب سے آخر میں جس تابعی کا انتقال ہوا وہ خلف بن خلیفہ ہیں جن کا انتقال ۱۸۰ھ میں ہوا ہے۔

اہل بدعت کے متعلق ائمہ دین کا موقف

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

ایاکم والقول فی دین اللہ تعالیٰ بالرأی وعلیکم باتباع السنۃ فمن
خرج عنها ضلّ. (المیزان الکبریٰ للشعرانی وعقد الجید، ص ۷۰)

”اللہ کے دین میں رائے و قیاس سے کوئی بات نہ کہو، اپنے اوپر سنت کی اتباع لازم کرلو،

۱۔ تابعی وہ شخص ہے جس نے کسی صحابی سے حالت ایمان میں ملاقات کی ہو اور اسی پر اس کا انتقال ہوا ہو۔ تابعین کو اللہ کے رسول ﷺ نے خوش خبری اور بشارت دی ہے ان میں سے اکثر و بیشتر خیر القرون قرنی میں اور بقیہ لوگ ثم الذین یلونہم میں شامل ہیں۔ اس لئے کہ دور صحابہ میں ان کے جتنے بھی شاگرد پائے جاتے تھے سب تابعی تھے، مخضرمین کا شمار بھی تابعین میں (بلکہ کبار تابعین) میں ہوتا ہے۔ مخضرم ان لوگوں کو کہتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دور پایا لیکن آپ سے ملاقات نہ ہوئی۔

تبع تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی تابعی سے حالت ایمان میں ملاقات کی ہو اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔ تبع تابعین کو بھی اللہ کے رسول ﷺ نے بشارت اور خوش خبری سے نوازا ہے۔ نیز ’ثم الذین یلونہم‘ یعنی صحابہ کے بعد جو دور ہے۔ اکثر و بیشتر کا شمار اسی میں ہوتا ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ابتدائی تین صدیوں کو حسب ترتیب خیر القرون کہا ہے۔ ان تین صدیوں کے ختم ہوتے ہوتے رجال حدیث کا سلسلہ بھی تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔ حدیث کی بڑی بڑی کتابیں اس تیسری صدی کے خاتمہ سے قبل تصنیف کی جا چکی تھیں۔ اس طرح حدیث رسول کی تحریر کا کام خیر القرون میں تقریباً مکمل ہو گیا تھا۔

جس شخص نے سنت سے قدم باہر نکالا وہ گمراہ ہو گیا۔“

امام صاحب کا ایک دوسرا قول ہے:

اذا رأيتم كلامنا يخالف ظاهر الكتاب والسنة فاعملوا بالكتاب

والسنة واضربوا بكلامنا الحائط. (عقد الجيد، ص ۵۳)

”جب دیکھو کہ ہمارے قول قرآن و حدیث کے خلاف ہیں تو قرآن و حدیث پر عمل کرو

اور ہمارے اقوال کو دیوار پر مار دو۔“

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فانظروا في رأئي فكلما وافق الكتاب والسنة فاعملوا بالكتاب

والسنة فخذوه وكلما يخالف فاتركوه. (عقد الجيد، ص ۷۰۔ ابن عبدالبر نے

اس قول کو الجامع ۳۲/۲ میں روایت کیا ہے اور ان سے ابن حزم نے اصول الاحکام ۶/۱۳۹ میں

روایت کیا ہے)

”پس تم میری رائے پر بغور نظر کرو اور اگر وہ قرآن و حدیث کے موافق ہو تو قبول کرو اور

جب خلاف دیکھو تو ترک کر دو۔“

ایک شخص امام مالک رحمہ اللہ کے پاس آیا اور دریافت کیا کہ ہم احرام کہاں سے

باندھیں؟ آپ نے فرمایا: ذوالحلیفہ سے۔ اس نے عرض کیا: میں چاہتا ہوں کہ قبر نبوی

سے احرام باندھوں۔ آپ نے فرمایا: ایسا نہ کر، مجھے تیرے بارے میں فتنے کا خوف ہے۔

اس نے کہا: اس میں کون سا فتنہ ہے، چند میل ہی تو پہلے باندھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا:

اس سے بڑھ کر اور کون سا فتنہ ہو سکتا ہے کہ تو نے ایسی فضیلت حاصل کر لی جس سے رسول

اللہ ﷺ قاصر رہے۔ (الاعتصام للشاطبی ۱/۱۳۲) کیا تم اللہ کا یہ ارشاد نہیں سنتے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ

أَلِيمٌ. (النور: ۶۳)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

من استحسن فقد شرع. (الاحکام للامدی ۲/۳۶، المستصفی للغزالی ۱/۲۷۷)

”جس نے دین میں کسی ایسی چیز کو اچھا تصور کیا جو نہیں تھی تو اس نے تشریح کی۔“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اصول السنة عندنا التمسک بما کان علیہ اصحاب رسول اللہ

ﷺ والاقتداء بهم وترك البدع وكل بدعة ضلالة. (القول الاسمی ۱۳/۱)

”اصول سنت ہمارے یہاں یہ ہے کہ صحابہ کرام کے طریقے کو لازم پکڑیں اور ان کی

اقتداء کریں اور بدعت کو ترک کر دیں کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔“

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آثار سلف کی پیروی کرو اگرچہ لوگ تمہیں چھوڑ

دیں اور لوگوں کی ذاتی آراء سے بچو اگرچہ لوگ اسے مزین کر کے کیوں نہ پیش کریں۔

ایک مرتبہ قاضی ابو یوسف نے صاع نبوی کے بارے میں امام مالکؒ کے تلامذہ سے تحقیق

کے بعد کہا کہ اگر میرے صاحب یعنی امام ابو حنیفہؒ زندہ ہوتے اور وہی دیکھتے جو آج میں

نے دیکھا ہے تو ان کی بھی وہی رائے ہوتی جو آپ کی ہے۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۳۸۴)

ایک جگہ فرمایا:

کل ما افتتیت فقد رجعت عنه الا ما وافق الكتاب والسنة.

(تذکرۃ الحفاظ و مرآة الجنان)

”زندگی بھر جو میں نے فتوے دیے سب سے رجوع کرتا ہوں مگر جو کتاب و سنت کے

موافق ہو۔“

امام محمد بن عبدالرحمن اذرمی نے ایک شخصؑ سے جس نے ایک بدعت ایجاد کی تھی اور

۱۔ یہ شخص وہی احمد بن ابی داؤد ہے جو معتزلہ کا مشہور قاضی اور فتنہ خالق کا سرغنہ تھا۔ خلیفہ متوکل کے

زمانہ میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اور ۲۴۰ھ میں بغداد کے اندر اسی حالت میں مر گیا۔

لوگوں کو اسے قبول کرنے کی دعوت دی تھی، فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ یا ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اس بات کو جانتے تھے یا نہیں جانتے تھے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ امام اذرمی نے فرمایا جو بات وہ لوگ نہیں جان سکے تم جان گئے؟ اس بدعتی نے فوراً بات بدل دی اور کہا کہ نہیں بلکہ وہ لوگ یہ بات جانتے تھے۔ امام اذرمی نے فرمایا: تمہارے بقول جاننے کے باوجود کیا ان کے لیے یہ ممکن ہوا کہ اس بات کو بیان نہ کریں اور لوگوں کو اس کی طرف نہ بلائیں؟ اس نے جواب دیا کیوں نہیں ان کے لیے ممکن ہوا۔

امام صاحب نے فرمایا: جو بات رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین کے لیے ممکن تھی وہ تمہارے لیے بھی ممکن نہیں؟ بدعتی سے پھر کوئی جواب نہ سکا اور خاموش ہو گیا۔ خلیفہ^۱ اس مناظرہ میں موجود تھا، وہ فوراً بول پڑا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کا طریقہ جس کے لیے کافی نہ ہوا اللہ اس کے لیے کبھی وسعت و کشادگی پیدا نہ کرے، اور ایسے ہی وہ شخص جسے رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین اور راہنیں علم^۲ کا طریقہ یعنی آیات صفات کی تلاوت کرنا، احادیث صفات کا پڑھنا اور انھیں ظاہری معنی پر محمول کرنا کافی نہ ہو، اللہ اسے وسعت و فراخی سے محروم رکھے۔ (لمعة الاعتقاد، ص ۲۸)

کسی نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کو لکھا کہ عبدالکریم یمنی اس کے قائل ہیں کہ اللہ عالم الغیب نہیں ہے، اس کے جواب میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے تحریر فرمایا: فقیر کو ہرگز اس طرح کی باتیں سننے کی تاب نہیں۔ بے اختیار میری رگ فاروقیت حرکت میں آجاتی ہے اور ایسے اقوال کی تاویل و توجیہ کی فرصت نہیں دیتی۔ اس طرح کا

۱۔ یہ خلیفہ واثق باللہ تھا جس کا نام ہارون بن محمد ہے، فتنہ خلق قرآن کے سلسلہ میں اس نے کتنے لوگوں کو آزمائش میں ڈالا اور کتنے لوگوں کو قید کر کے ان کے عقیدے خراب کئے۔ ۲۳۲ھ میں اس کی وفات ہوئی۔

۲۔ راہنیں علم سے مراد وہ حضرات ہیں جو قرآن مجید کی حکم اور تفسیر ہر قسم کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

مقولہ شیخ کبیر یمنی کا ہو یا شیخ اکبر شامی کا ہمیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام درکار ہے، نہ کی محی الدین عربی و صدرین قونوی، و عبدالرزاق کاشی کا۔ ہم کو نصوص کتاب و سنت درکار ہیں نہ کہ فصوص الحکم۔ فتوحات مدینہ یعنی تعلیمات کتاب و سنت نے ہم کو شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ سے مستغنی کر دیا ہے۔ (تاریخ دعوت و عزیمت ۱۶۳/۲)

مولانا عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت شیخ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی ایک مجلس میں تھے کہ یکا یک مزامیر و قوالی کی آواز آنے لگی وہ اٹھ کر جانے لگے۔ حاضرین نے کہا آپ اس کو ناپسند کرتے ہیں حالانکہ آپ کے پیرو مرشد حضرت نظام الدین اسے جائز سمجھتے ہیں۔ انھوں نے کہا پیرو مرشد کوئی دلیل نہیں ہے۔ ”بارادلیل از کتاب و سنت می باید“ مجھے دلیل کتاب و سنت سے چاہیے۔ لوگوں نے حضرت نظام الدین اولیاء سے ان کی شکایت کی تو فرمایا: اور است می گوید حق آل ست کہ اومی گوید۔ وہ ٹھیک کہتے ہیں حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں کہ دلیل کتاب و سنت سے چاہیے، پیرو مرشد کوئی دلیل نہیں ہوتے۔“

(اخبار الاخیار بحوالہ اتباع سنت کا مفہوم، ص ۳۵)

یہ حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت قولی ہو یا فعلی، اس کے مقابلے میں کسی کا بھی قول و فعل مقدم نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ صحابہ کا ہو یا ائمہ کا یا کسی بھی عظیم سے عظیم تر شخصیت کا، نہ رسول اللہ ﷺ کے طریقے سے بہتر کسی کا طریقہ ہو سکتا ہے، نہ آپ کے فرمان پر مقدم کسی کا فرمان ہو سکتا ہے۔ یہ کتاب و سنت سے ثابت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

ماہ محرم الحرام کی بدعات

محرم الحرام سنہ ہجری کا آغاز

ماہ محرم الحرام سنہ ہجری کا پہلا مہینہ ہے جس کی بنیاد تو رسول اللہ ﷺ کے واقعہ ہجرت پر ہے لیکن اس اسلامی سن کا تقرر و آغاز و استعمال ۷ اھ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت سے ہوا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن کے گورنر تھے۔ ان کے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان آتے تھے جن پر تاریخ درج نہ ہوتی تھی۔ ۷ اھ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کے توجہ دلانے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو اپنے یہاں جمع فرمایا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ آپس میں مشورہ کے بعد طے پایا کہ اپنے سن کی تاریخ کی بنیاد واقعہ ہجرت کو بنایا جائے، اور اس کی ابتدا ماہ محرم سے کی جائے کیونکہ ۱۳ نبوت کے ذوالحجہ کے بالکل آخر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا منصوبہ طے کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد چوچا ند طلوع ہوا وہ محرم کا تھا۔

(فتح الباری شرح باب التاريخ، ۳/۳۸۸)

مسلمانوں کا یہ اسلامی سن بھی اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے ایک خاص امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ مذاہب عالم میں اس وقت جس قدر تین مروج ہیں، وہ عام طور پر یا تو کسی مشہور انسان کے یوم ولادت کو یاد دلاتے ہیں یا کسی قومی واقعہ مسرت و شادمانی سے وابستہ ہیں کہ جس سے نسل انسانی کو بظاہر کوئی فائدہ نہیں۔ مثلاً مسیحی سن کی بنیاد حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کا یوم ولادت ہے۔ یہودی سن فلسطین پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخت نشینی کے ایک پُر شوکت واقعہ سے وابستہ ہے۔ بکرمی سن راجا بکرماجیت کی پیدائش کی یادگار ہے۔ رومی سن سکندر اعظم کی پیدائش کو واضح کرتا ہے، لیکن اسلامی سن ہجری عہد نبوت کے ایک ایسے واقعہ سے وابستہ ہے جس میں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ اگر مسلمان اعلیٰ کلمۃ الحق کی وجہ سے تمام اطراف سے مصائب و آلام میں گھر جائے، بستی کے تمام لوگ اس کے دشمن اور درپے آزار ہو جائیں، قریبی رشتے دار اور خویش واقارب بھی اس کو ختم کرنے کا عزم کر لیں، اس کے دوست و احباب بھی اسی طرح تکالیف میں مبتلا کر دیے جائیں، شہر کے تمام سربرآوردہ لوگ اس کو قتل کرنے کا منصوبہ باندھ لیں، اس پر عرصہ حیات ہر طرح سے تنگ کر دیا جائے اور اس کی آواز کو جبراً روکنے کی کوشش کی جائے تو اس وقت وہ مسلمان کیا کرے؟ اس کا حل اسلام نے یہ تجویز نہیں کیا کہ کفر و باطل کے ساتھ مصالحت کر لی جائے، تبلیغ حق میں مدافعت اور رواداری سے کام لیا جائے اور اپنے عقائد و نظریات میں لچک پیدا کر لے، ان میں گھل مل جائے تاکہ مخالفت کا زور ٹوٹ جائے، نہیں اس کا حل اسلام نے یہ تجویز کیا ہے کہ ایسی بستی اور شہر پر حجت تمام کر کے وہاں سے ہجرت کر جائے۔ چنانچہ اسی واقعہ ہجرت نبوی ﷺ پر ہجرت کی بنیاد رکھی گئی ہے جو نہ تو کسی انسانی برتری کو یاد دلاتی ہے اور نہ شوکت و عظمت کے کسی واقعہ کو بلکہ یہ واقعہ ہجرت مظلومی اور بے کسی کی ایک ایسی یادگار ہے کہ جو ثابت قدمی، صبر و استقامت اور راضی برضائے الہی ہونے کی ایک زبردست مثال اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے۔

(ماہ محرم اور موجودہ مسلمان، ص ۶)

ماہ محرم اور موجودہ مسلمان

اسلامی سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے۔ یوں تو سال کے اکثر مہینے مسلمانوں کی ایجاد کردہ بدعات و خرافات اور روایات سے بھرے پڑے ہیں، مگر محرم الحرام جو

اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ ان میں بدعات و خرافات کا تناسب کچھ زیادہ ہی ہے، حالانکہ یہ ان چار مہینوں میں سے ایک ہے جو اسلام کی نظر میں حرمت و ادب کے مہینے کہلاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِى كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ (التوبة: ۳۶)

”مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں سے بارہ کی ہے اسی دن سے جب سے آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا ان میں چار حرمت و ادب کے ہیں یہی درست دین ہے ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔“

یوں تو ہر مہینہ میں اور ہر آن و ہر گھڑی فتنہ و فساد، قتل و غارت گری اور فسق و فجور سے بچنا ضروری ہے مگر ان حرمت والے مہینوں میں ان باتوں سے خصوصاً احتراز کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مخصوص نظام کے تحت بعض مہینوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے، چنانچہ فرشتوں میں سے بعض فرشتوں کو فضیلت بخشی ہے، انسانوں میں سے بعض کو انبیاء و رسول بنایا ہے، دنوں میں جمعہ کے دن کو فضیلت عطا کی ہے، راتوں میں شب قدر کو محترم ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح بارہ اسلامی مہینوں میں چار مہینوں کو معزز اور محترم قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”زمانہ گھوم پھر کر پھر اسی حالت پر آ گیا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی تھی۔ سال بارہ مہینوں کا ہے جس میں چار حرمت والے ہیں تین پے در پے ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور چوتھا رجب المرجب ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب قول اللہ تعالیٰ إِنَّ عِدَّةَ

الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، ۴۱۳/۸، رقم الحدیث ۴۶۶۲)

اللہ تعالیٰ نے ان چار مہینوں میں خصوصیت کے ساتھ ہر قسم کی برائی فتنہ و فساد اور کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

لڑائی، جھگڑا سے منع فرمایا ہے، حتیٰ کہ زمانہ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کا مکمل احترام ہوتا تھا، جنگیں بند ہو جاتی تھیں، لڑائی جھگڑے، قتل و غارت گری اور فتنہ و فساد سے وہ لوگ باز آجاتے تھے، ہر طرف سے امن و امان کا جھنڈا لہرانے لگتا تھا، مگر موجودہ دور میں مسلمانوں نے جہاں کتاب و سنت کی عام تعلیمات کو فراموش کر دیا ہے وہیں ان مہینوں کی حرمت کو بھی پامال کر دیا ہے، بلکہ ہماری نئی نسل تقویم اور اسلامی مہینوں سے بالکل ناواقف ہے۔ انھیں اسلامی ماہ اور تاریخوں کا علم نہیں ہے۔ پھر برائیوں کا ارتکاب اور لڑائی جھگڑا تو ہر وقت یکساں طور پر ہی جاری رہتا ہے۔ ہمیں سب سے پہلے اپنے آپ کو، پھر نئی نسل کو اسلامی تقویم اور مہینوں سے متعارف کرانا چاہیے۔ انگریزی سے تو ہم واقف ہوتے ہیں لیکن ہجری تاریخوں سے ناواقف بلکہ عیسوی سال نو کے آغاز پر ہم مبارکبادی اور خیر مقدمی کلمات کہنے سے گریز نہیں کرتے جب کہ اسلامی سال نو کے آغاز کا ہمیں علم تک نہیں ہوتا۔ افسوس یہ غیر اسلامی شعور کا ماتم ہی نہیں بلکہ اغیار کی مشابہت اختیار کرنے اور ان سے مرعوب ہونے کی کھلی دلیل ہے۔ یہ ہمارا اسلامی فریضہ ہے کہ ہم خود اسلامی مہینوں کو معلوم کریں اور اپنی نئی نسل کو اسلامی سال اور مہینوں سے واقف کرائیں اور عظمت والے اور محترم مہینوں کا بھرپور ادب و احترام کریں، مگر افسوس اس ماہ کا استقبال کرنے کے بجائے مسلمانوں کا ایک طبقہ اس ماہ کے آتے ہی بے شمار بدعات و خرافات میں سر سے پیر تک ڈوب جاتا ہے۔ ہندوستان پاکستان اور جن ممالک پر تشیع کے اثرات رہے ہیں، وہاں نہ صرف اہل تشیع بلکہ اہل سنت کی اکثریت بھی ماہ محرم کا استقبال رنج و غم سے کرتی ہے، اس مہینہ میں زیب و زینت پر پابندی لگادی جاتی ہے، شادی بیاہ اور ہر طرح کی خوشی منانا ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے، دسویں محرم کو حضرت حسینؑ کی شہادت کا دن مناتے ہوئے ان کی یاد میں باضابطہ طور پر نوحہ و ماتم کی مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں، لوگ جگہ جگہ اکٹھا ہو کر ایک ہی انداز اور طرز پر اپنے چہروں کو مار مار کر زخمی کرتے ہیں، سینہ کو پی

کرتے ہیں، کپڑے پھاڑتے ہیں، اور اپنے جسم کو لہولہان کرتے ہیں بلکہ مرد و خواتین کالے کپڑے زیب تن کر کے ماتمی جلوس نکالتے ہیں جب کہ ہماری شریعت میں اس عمل کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے۔ اس عمل سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے مگر مسلمانوں کے یہاں سال نو آتے ہی نوحہ و ماتم کا ایک ہنگامہ بپا ہو جاتا ہے۔ ماہ محرم کا دن جسے رسول اللہ ﷺ نے روزہ کا دن قرار دیا تھا، اس دن روزہ رکھنے کے بجائے بے شمار بدعات و خرافات کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور عوام تو عوام کتنے خواص تک اس دن کی صحیح سنت سے بے تعلق ہو کر خرافات و منکرات کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان خرافات کو دینی کام سمجھتے ہیں۔ محترم مولانا عبدالسلام رحمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں:

”اب تو صورت یہ ہو گئی ہے کہ محرم کا مہینہ شروع ہوتے ہی حادثہ کربلا کی یاد شروع ہو جاتی ہے، اسٹیج سجنے لگتے ہیں اور شیعوں و خرافیوں کے حلقے میں نہیں بلکہ خرافات سے خود مستثنیٰ سمجھنے والوں کے حلقوں میں بھی بڑا زور و شور پیدا ہو جاتا ہے، اور بڑے بڑے ثقہ حضرات فضائل محرم و حادثہ کربلا و شہید کربلا سے متعلق بے سرو پا روایات کو پورے زور و قوت کے ساتھ بیان کرتے نظر آتے ہیں، پورے عشرہ تقاریر کا سلسلہ چلتا ہے اور وعظ و بیان کی محفلیں جمتی ہیں۔ ان کی بلا سے روایات بے بنیاد ہوں اور بیان خلاف تحقیق ہو، یہی وجہ ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اس موضوع پر تحقیقی معلومات سے عموماً عاری ہوتے ہیں۔ وہ حضرت حسینؑ کی شہادت کے معاملے میں جذبات کا شکار ہوتے ہیں اور فضائل محرم اور یوم عاشورہ کی بابت بے بنیاد روایتوں کو صحیح اور حقیقت سمجھتے ہیں۔ حضرت حسینؑ کی شہادت تاریخ اسلام کا کوئی نادر الوجود واقعہ نہیں ہے، ان سے بھی بڑے بڑے صحابہ اس سے بھی اعلیٰ و ارفع مقاصد کے لیے لڑے اور شہید ہوئے، مگر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے، نہ ان کے اتباع اختیار نے، نہ ائمہ عظام نے سال بہ سال ان کے

تذکرہ شہادت کی محفلیں منعقد کیں، نہ ان کی برسی منائی، نہ ان پر سالانہ عزائم کا کوئی سلسلہ جاری کیا۔ حادثہ کربلا کے بعد ہی کی پیداوار ائمہ کرام امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام بخاری، امام مسلم حسن بصری و پیران پیر وغیرہ ائمہ و اولیاء اور بزرگان دین ہیں۔ کیا ان حضرات نے بھی اس حادثہ کے سلسلہ میں وہ سب کچھ کیا جو آج کیا جا رہا ہے یا وہ سب کرنے کو کہا جس کا اسلامی مہینہ کے شروع ہوتے ہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔“ (محرم الحرام و مسئلہ حضرت حسین و یزید، ص ۱۳)

محرم الحرام کے ابتدائی دس دن

عشرہ محرم (محرم کے ابتدائی دس دن) میں شیعہ حضرات جس طرح مجالس عزاء اور محافل ماتم برپا کرتے ہیں ظاہر ہے یہ سب اختراعی چیزیں ہیں، اور شریعت اسلامیہ کے مزاج سے قطعاً مخالف ہیں۔ اسلام نے تو نوح و ماتم کے اس انداز کو جاہلیت سے تعبیر کیا ہے اور اس کام کو باعث لعنت بلکہ کفر تک پہنچا دینے والا بتایا ہے۔

بد قسمتی سے اہل سنت میں سے ایک بدعت نواز حلقہ اگرچہ نوح و ماتم کا شیعہ انداز تو اختیار نہیں کرتا، لیکن ان دس دنوں میں بہت سی ایسی باتیں ضرور اختیار کرتا ہے جس سے رفض و تشیع کی ہم نوائی اور ان کے مذہب باطل کو فروغ ملتا ہے۔ مثلاً

(۱) شیعوں کی طرح سانحہ کربلا کو مبالغہ اور رنگ آمیزی سے بیان کرنا۔

(۲) حضرت حسین و یزید کی بحث کے ضمن میں بعض جلیل القدر صحابہ کرام حضرت معاویہؓ و مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ کو ہدف طعن و ملامت بنانے میں تامل نہ کرنا۔

(۳) دسویں محرم کو تعزیہ بنانا اور نکالنا، ان کو قابل تعظیم و پرستش سمجھنا اور ان سے منتیں مانگنا وغیرہ وغیرہ۔

(۴) دسویں محرم کو تعزیوں اور ماتمی جلوس میں ذوق و شوق سے شرکت کرنا، عورتوں کو کھلے

عام مردوں کے ساتھ بے پردہ ہو کر برساتی کپڑوں کی طرح اہل پڑنا۔

(۵) ماہ محرم کو سوگ کا مہینہ سمجھ کر اس مہینہ میں شادیاں بند کر دینا۔

(۶) ذوالجناح گھوڑے کے جلوس میں شرکت کرنا اور اپنے بچوں کو ہرے رنگ کے

کپڑے پہنا کر انھیں حضرت حسینؑ کا فقیر بنانا، تعزیہ میں روح حسینؑ کو موجود اور

انھیں عالم الغیب سمجھنا اور تعزیہ کو سجدہ کرنا اور حضرت حسینؑ کی مصنوعی قبر بنانا اور

چار پائیوں پر نہ سونا، یا علیؑ، یا فاطمہؑ، یا حسینؑ کی دہائی دینا وغیرہ وغیرہ۔

(۷) محرم کی ابتدائی دس تاریخوں میں مرثیے کی مجلسیں جا بجا منعقد کرنا اور مرثیے بھی

ایسے جو مبالغہ آرائی کی نادر مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ شعر

سارے فرشتے مل کر جبرئیل کے برابر

رور و دفن کیے ہیں اس کربلا کے اندر

مرثیہ نویس کی داد دیجئے کہ اسے معلوم ہوا کہ فرشتے روتے بھی ہیں اور کربلا میں

عالی مرتبہ فرشتوں نے بڑی تعداد میں جمع ہو کر رور و کر حضرت حسینؑ کو دفن کیا۔ اگر یہ خیال

آرائی نہ کی جاتی تو حضرت حسینؑ کے واقعہ کو افسانوی رنگ کس طرح دیا جاسکتا تھا۔

یہ بات ہر شخص پر واضح ہے کہ یہ سب چیزیں صدیوں بعد کی پیداوار ہیں۔ اس لیے

ان کے شرک و بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ہر بدعت کو

گمراہی سے تعبیر فرمایا ہے جس سے مذکورہ خود ساختہ رسومات کی قباحت کا بخوبی اندازہ لگایا

جاسکتا ہے۔ ایسے منحوس و ملعون اور مردود حرکات اور افعال قبیحہ ماہ ربیع الاول تک جاری

رہتے ہیں۔ افسوس کہ برسہا برس گزرنے کے بعد بھی اس تصویر کا رنگ پھیکا پڑنے کی

بجائے روز بروز مزید شوخ ہوتا جا رہا ہے۔ سنی علماء ان چیزوں کو اپنی مجلسوں و محفلوں میں

عوام سے داد تحسین وصول کرنے کے لیے اسی تال و سر میں خوب مزے لے لے کر بیان

کرتے ہیں جو شیعیت کی مخصوص ایجاد اور اس کی انفرادیت کا غماز ہے۔

شیعی رسومات کی تاریخ ایجاد و آغاز

لعنت کا آغاز

۳۵۱ء میں معز الدولہ (احمد بن بویہ دیلمی) نے جامع مسجد بغداد پر نعوذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد، یہ عبارت لکھوادی:

لعن الله معاوية بن سفیان ومن غصب فاطمة فدكاً ومن منع من دفن الحسن عند جده ومن نفى ابا ذر ومن اخرج العباس عن الشوزی.

(تاریخ ابن اثیر، ۱۷۹/۸)

”معاویہ بن سفیان، حضرت فاطمہؑ سے فدک کی جائیداد ہڑپ کرنے والوں، حضرت حسنؑ کو روضہ نبوی میں دفن سے روکنے والوں، حضرت ابوذرؓ کو جلا وطن کرنے والوں اور حضرت عباسؑ کو شوریٰ سے خارج کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔“

عید غدیر کی ایجاد

معز الدولہ نے ۱۸ رذی الحجہ کو بغداد میں عید منانے کا حکم دیا اور اس عید کا نام عید ”غدیر خم“ رکھا، خوب ڈھول بجائے گئے اور خوشیاں منائی گئیں۔ اسی تاریخ یعنی ۱۸ رذی الحجہ ۳۵۱ھ کو شیعوں نے یہاں تک رواج دیا کہ آج کل کے شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عید غدیر کا مرتبہ عید الاضحیٰ سے زیادہ ہے۔ (ماہ محرم اور موجودہ مسلمان، ص ۱۷)

شیعہ حضرات کا گمان ہے کہ اس تاریخ کو رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی پر بمقام غدیر خم جو خطبہ دیا تھا، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمان کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت کا ولی عہد بنایا تھا۔ اور آپ ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا:

من كنت مولاه فعلى مولاه. (سنن الترمذی، أبواب المناقب، باب مناقب
 علی بن ابی طالب، ۲/۲۱۳، سنن ابن ماجہ المقدمة، باب فی فضائل اصحاب الرسول
 ﷺ، ۱/۴۵، رقم الحدیث ۱۲۱، مسند احمد ۱/۸۴)
 ”میں جس کا مولیٰ ہوں علی بھی اس کے مولیٰ ہوں گے۔“

من كنت مولاه فعلى مولاه کی تشریح

یہ حدیث مسند احمد میں سات مختلف روایتوں سے درج ہے۔ الشیخ شاکر رحمۃ اللہ
 نے مذکورہ ساتوں روایات کی سند کی تحقیق فرمائی ہے۔ (مسند احمد، تحقیق الشیخ
 شاکر، ج ۲، حدیث ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲)

ڈاکٹر علی احمد سالوس مذکورہ روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انہوں نے مذکورہ روایات کے ساتھ اپنی تمام روایات کو اپنی کتاب حدیث

الاشقیلین وفتیہ میں جمع کیا ہے جس کے بارے میں رافضیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ خود

حضرت علیؑ کی خلافت سے متعلق ہیں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں ”مذکورہ روایات اور

اس قسم کی تمام روایتیں ضعیف ہیں۔“ (اثر ۱۱! مائتہ فی فتیہ الجعفری و اصول، ص ۱۱۲)

مذکورہ حدیث کی اسناد سے قطع نظر متن حدیث بذات خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی

خلافت کی نشاندہی نہیں کرتی ہے۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حجۃ الوداع سے سات

آٹھ ماہ قبل اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تقریباً تین سو افراد کے ساتھ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

یمن بھیجا اور وہ حج کے موقع پر یمن سے آ کر حضور ﷺ سے عرفہ میں ملے۔ ان افراد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ ساتھی بھی تھے جنہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یمن میں بعض اقدامات پر اعتراض تھا اور انھوں نے واپس آ کر ان اعتراضات کا اظہار کیا جو معقول نہیں تھے، کیونکہ شیطان ایسے موقع کا فائدہ اٹھا کر دلوں میں میل پیدا کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب صورت حال کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے ضرورت محسوس کی کہ معترضین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دعوت تو حید کی راہ میں جدوجہد کی وجہ سے جو بلند مقام اور درجہ حاصل ہے اس سے انھیں باخبر کر دیں، اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ نے وہ خطبہ دیا جس میں من کنت مولاه فعلی مولاه کا جملہ بھی ارشاد فرمایا۔

عربی زبان میں مولیٰ کے معنی آقا، غلام اور آزاد کردہ غلام کے ہیں۔ یہ لفظ عربی میں حلیف، دوست، مددگار اور محبوب کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس حدیث کا آخری دعائیہ جملہ اس بات کا واضح قرینہ اور ثبوت ہے کہ یہاں یہ لفظ دوست اور محبوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اگر آپ اس حدیث کے رافضی تفسیر کے بقول کلینی و خمینی دیگر رافضی علماء کے اللہ کے حکم کا انکار کرتے ہوئے صرف یہی نہیں کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کا اعلان نہیں کیا بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی نماز کی امامت کے لیے بھی آگے بڑھایا۔ مگر کلینی، خمینی اور دیگر شیعہ علماء کی رافضی تفسیر کے مطابق نعوذ باللہ نبی اکرم ﷺ نے حکم الہی کا انکار کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان نہیں کیا بلکہ نماز کی امامت کے لیے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا۔

واضح رہے کہ آپ کی امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر علی الترتیب عمر فاروق، عثمان ذوالنورین اور علی ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہم اس طرح کہتے تھے: ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی اور آپ کو اس بات کی اطلاع ہوتی تھی لیکن

آپ ﷺ تکمیر نہیں فرماتے تھے۔ (اصل کتاب میں اسی طرح ہے۔ ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی۔ بیٹھی نے بھی مجمع الزوائد ۵۸/۹ میں اسی طرح روایت کیا ہے اور معجم طبرانی کبیر معجم طبرانی اوسط اور مسند ابویعلیٰ کا حوالہ دیا ہے۔)

نبی ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلافت کے سب سے زیادہ حق دار تھے کیونکہ امت میں وہ سب سے افضل اور سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو اپنی آخری بیماری کے دنوں میں جب کمزوری زیادہ ہو گئی تو نماز پڑھانے کے لیے اپنی جگہ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو مسلمانوں کا امام مقرر کیا تھا۔ اس حکم سے آنحضرت ﷺ کا یہ اشارہ تھا کہ میرے بعد میری جگہ پر ابو بکر ہی کو خلیفہ اور سردار بنایا جائے چنانچہ آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے ایسا ہی کیا اور آپ کی خلافت پر بیعت کرنے پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد منصب خلافت کے سب سے زیادہ مستحق حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ خلیفہ اول کے بعد صحابہ میں سب سے افضل وہی تھے، نیز خلیفہ اول نے انھیں خلافت کی ذمہ داری سونپ دی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ خلیفہ دوم کے بعد وہ صحابہ میں سب سے افضل تھے۔ نیز مجلس شوریٰ نے انہی کو خلافت کے لیے منتخب کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حق دار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، کیونکہ خلیفہ سوم کے بعد وہ صحابہ میں سب سے افضل تھے اور امت مسلمہ کا ان کے خلیفہ بنائے جانے کا متفقہ فیصلہ تھا۔ یہی چاروں خلیفہ ہدایت یافتہ خلفائے راشدین ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين تمسكوا بها
وعضوا عليها بالنواجذ واياكم ومحدثات الامور فان كل محدثة بدعة
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

وکل بدعة ضلالة. (اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے)

”تم میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ اور اسے مضبوطی سے تھامے رہو اور دین میں نئی باتوں کے ایجاد کرنے سے بچتے رہو کیونکہ دین میں ہر نوا ایجاد چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

نیز فرمایا:

خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يوتى الله الملك من يشاء.

(مسند امام احمد، ۵/۲۳۰، ۲۳۱، و سنن أبی داؤد، کتاب السنة، باب فی الخلفاء ۴۶۳۶، ۴۶۳۷، و جامع ترمذی ابواب الفتن، باب ماجاء فی الخلافة ۲۲۲۷)

”خلافت نبوت میں برس تک رہے گی پھر بادشاہت اسے ملے گی جسے اللہ چاہے گا۔“

چنانچہ خلیفہ چہارم علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اس حدیث میں مذکور خلافت کا آخری

زمانہ تھا۔

حضرت سفیان ثوری جو باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زبردست حامی تھے، وہ اس حمایت اور تائید کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”جس نے یہ دعویٰ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ مستحق تھے تو اس نے حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ اور مہاجرین و انصار کے متفقہ فیصلے کے ساتھ ظلم و زیادتی کی اور میرا خیال ہے کہ ایسا شخص جس کا مذکورہ دعویٰ ہو، شاید ہی اس کے اعمال کو آسمان میں شرف

قبولیت حاصل ہو۔“ (فتاویٰ الامام بالمسائل النشورة، ص ۲۸۶)

رسول اللہ ﷺ کا ہر قول و فعل بموجب حکم الہی ہوا کرتا تھا قرآن مجید کی زبان میں:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ. (النجم: ۴)

”آپ اپنی خواہشات کے مطابق کچھ نہیں کہتے ان کی ہر بات وحی الہی کے عین مطابق

ہوا کرتی تھی۔“

امام ابن قیمؒ اجوز یہ۔ مہ اللہ نے اس موقف نبوت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”منصب خلافت کا اہل بیت سے نکل کر حضرت ابو بکرؓ اور عثمانؓ کے ہاتھوں نکل جانے کا راز تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ حضور ﷺ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوتے تو بدطینتوں اور بدخواہوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ نبی تو بادشاہ تھے اور ان کے بعد ان کے اہل خانہ کو اقتدار کی موروثی گدی مل گئی لیکن اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت کو ان شبہات اور اعتراضات سے دور رکھا۔“

(بدیع الفوائد ابن قیم الجوزیہ، بحوالہ حقیقت رافضیت، ص ۱۶۵)

ماتم اور تعزیہ داری کی ایجاد

۳۵۲ھ کے شروع ہوتے ہی ابن بویہ مذکور نے حکم دیا کہ ۱۰ محرم الحرام کو حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے غم میں دوکانیں بند کر دی جائیں، خرید و فروخت بالکل موقوف رہے، شہر و دیہات کے لوگ ماتمی لباس پہنیں اور اعلانیہ نوحہ کریں۔ عورتیں اپنے بال کھولے ہوئے چہروں کو سیاہ کیے ہوئے کپڑوں کو پھاڑتے ہوئے سڑکوں اور بازاروں میں مرثیہ پڑھتی، منہ نوحتی اور چھاتیاں پیٹتی ہوئی نکلیں۔ شیعوں نے اس حکم کی بخوشی تعمیل کی مگر اہل سنت دم بخود اور خاموش رہے کیونکہ شیعوں کی حکومت تھی۔ آئندہ سال ۳۵۳ھ میں پھر اسی حکم کا اعادہ کیا گیا اور سنیوں کو بھی اس کی تعمیل کا حکم دیا گیا۔ اہل سنت اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکے چنانچہ شیعوں اور سنیوں میں فساد برپا ہوا اور ایک دوسرے کا خون بہایا گیا۔ بہت بڑی خون ریزی ہوئی۔ اس کے بعد شیعوں نے ہر سال اس رسم کو زیر عمل لانا شروع کر دیا اور آج تک اس کا رواج ہندوستان میں ہم دیکھ رہے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہندوستان^۱ میں اکثر سنی لوگ بھی تعزیہ بناتے ہیں۔ (تاریخ اسلام، اکبر خاں نجیب آبادی، ۲/۵۶۶، طبع کراچی)

۱۔ ہندوستان ہی تک یہ رسم بدمذہب نہیں ہے بلکہ پاکستان، افغانستان، ایران، عراق، بنگلہ دیش اور نیپال وغیرہ میں بھی یہ رسم بد جاری ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

شیعیت کا فتنہ

بئی بوہیہ نہایت متعصب شیعہ^۱ تھا چند دنوں تک وہ خاموش رہا پھر اس کے تعصب کا ظہور ہونے لگا۔ دولت عباسیہ کے بہت سے وزراء اور متوسلین^۲ عجمی اور شیعہ تھے، ان میں

۱۔ یہودیت اور مجوسیت کی آمیزش سے شیعہ کا جنم ہوا، اگرچہ اس نئے دھرم نے اسلام ہی کا لبادہ زیب تن کیا لیکن حقیقت میں اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہوئے فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاَنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ (المحجرات: ۹) ”ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔“ لیکن اس حقیقت کے باوجود شیعہ قرآن کو محرف مانتے ہیں اور ان کی معتبر کتابیں اس پر شاہد ہیں۔ ملاحظہ ہو: الکافی فی اصول الکتاب فضل القرآن باب النوادر۔ ہشام بن سالم نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت بیان کی ہے کہ جو قرآن جبرئیل علیہ السلام علیہ السلام پر لائے، وہ ستر ہزار آیات پر مشتمل ہے۔ آج جو قرآن ہمارے پاس موجود ہے اس میں چھ ہزار چھ سو چھیانوہ آیات ہیں لیکن شیعہ قرآن میں ستر ہزار آیات ہیں۔ ملاحظہ ہو: الکافی فی الاصول کتاب الحجۃ، باب ذکر الصحیفۃ والجعفر والجامعة ومصحف فاطمہ۔

اب آئیے صحابہ کرام کے سلسلہ میں دیکھیں کہ یہ حضرات کیا عقیدہ رکھتے ہیں، چنانچہ مشہور شیعہ عالم الکشی فرماتے ہیں: ابو جعفر نے فرمایا ہے کہ نبی کے بعد تمام صحابہ مرتد ہو گئے، صرف تین بچے۔ میں نے کہا: وہ تین کون تھے؟ فرمایا: مقداد بن الاسود، ابوذر غفاریؓ، سلمان فارسیؓ۔ ابو جعفر نے فرمایا: مہاجرین و انصار سب کے سب مرتد ہو گئے اور اپنے ہاتھ سے تین کا اشارہ کیا۔ رجال الکشی، ص ۱۲-۱۳۔ اس روایت کے پیش نظر حضرت علیؓ اور حسنؓ و حسینؓ وغیرہم بھی مرتدین کی فہرست میں آجاتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اسی طرح حضرت ابوبکر و عمر و عثمان امیر معاویہ نیز طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین اور دوسرے صحابہ کے سلسلے میں ان کی کتابیں، فتوحات و الزامات اور گالیوں سے بھری ہیں۔ ان ہستیوں پر وہ الزامات لگائے گئے ہیں جن کے ذکر سے روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اب جو شخص قرآن کو محرف اور صحابہ کو مرتد قرار دے وہ بھلا مسلمان کیسے ہو سکتا ہے۔ احادیث نبویہ کے سلسلے میں شیعہ صرف انہیں احادیث کو مانتے ہیں جو ان کے ائمہ سے مروی ہوں، بقیہ احادیث کے منکر ہیں، چنانچہ بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح ستہ پر ان کا ایمان نہیں، چنانچہ ایرانی دستور کے دفعہ ۲ میں یہ صراحت مذکور ہے۔ یہ نظام کتاب اور سنت ائمہ معصومین پر قائم ہوگا۔ امامت و رجعت اور تقیہ و مہدویت جو شیعہ مذہب کے بنیادی ارکان ہیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں، چنانچہ امامت ان کے یہاں رکن ایمان ہے، اس عقیدے کے ساتھ کوئی معصیت نقصان نہیں پہنچاتی۔ (اصول الشیعہ و اصولہا، ص ۱۰۷، ۱۰۸) تمام ائمہ غیب کا علم رکھتے ہیں، چنانچہ الکافی فی الاصول، کتاب الحجۃ، باب ان الائمة اذا شأوا ان یعلموا علما میں ہے: جعفر سے روایت ہے کہ جب امام کسی چیز کو جانتا چاہتا ہے جان لیتا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

کسی نے اعلانیہ شیعیت کی ترویج و اشاعت کی جرأت نہ کی تھی۔ معزز الدولہ نے خلفاء کی قوت کو ختم کرنے کے ساتھ ہی بغداد میں شیعیت کی تبلیغ شروع کر دی اور ۳۵۱ھ میں

(گزشتہ سے پیوستہ)

اسی طرح باب ان الائمة يعلمون متی يموتون وانهم لا يموتون الا باختيارهم میں ہے کہ جعفر بن الباقر نے کہا: جو امام غیب نہ جانے اور انجام سے باخبر نہ ہو، وہ مخلوق پر اللہ کی حجت نہیں۔ عینی کا ارشاد ہے: یہ ہمارے ضروریات مذہب میں سے ہے کہ ہمارے ائمہ کو وہ مقام حاصل ہوتا ہے جہاں کوئی مقرب فرشتہ اور نہ ہی نبی مرسل کا گزر ہو سکتا ہے، نیز فرمایا: ہم ائمہ کے سلسلے میں سب اور غفلت تک کا گمان نہیں کر سکتے۔ (الحکومة الاسلامیہ، ص ۵۲) اسی طرح ولایت و وصایت شیعہ دین کے ارکان خمسہ میں داخل ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو: الکافی فی الاصول، باب دعائہ الاسلام۔ ابو جعفر علیہ السلام سے روایت ہے کہ بنی الاسلام علی خمس: الصلوٰۃ والزکوٰۃ والصوم والحج والولایۃ۔ ”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور ولایت۔ یعنی کلمہ توحید کی شہادت ان کے دین کا رکن نہیں بلکہ ولایت دین کا رکن ہے۔ مہدویت کا عقیدہ تمام فرقہ بانی شیعہ میں قدر مشترک ہے، ہر فرقہ ایک نہ ایک شخص کو مہدی تسلیم کر کے اس کے دوبارہ ظہور کا منتظر ہے، چنانچہ اثنا عشریہ اپنے بارہویں امام المہدی جو سن عسکری کے بیٹے ہیں، مہدی منتظر مانتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بچپن ہی میں غائب ہو گئے ہیں، شیعوں کے لیے فوج تیار کر رہے ہیں۔ انہیں کے پاس اصل قرآن ہے، قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے، ان کے ساتھ شیعوں کی فوج ہوگی اور قرآن ہوگا، عدل و انصاف کو نافذ کریں گے اور آل بیت کی حکومت ہوگی۔

رجعت کا عقیدہ مہدویت کے عقیدے سے متعلق ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ مہدی کے ظہور کے بعد اللہ تعالیٰ محمد ﷺ، علیؑ، فاطمہؑ اور حسینؑ اور ائمہ اہل بیت اور ان کے مخالفین ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اجمعین کو لوٹائے گا، پھر نبی ﷺ ابو بکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ سے بدلہ لیں گے۔ اسی طرح تقیان کے دین کا اساسی عنصر ہے۔ اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے ایسی باتیں کہیں یا کریں جس کا اعتقاد نہ رکھتے ہوں، ایک مقدس عمل ہے، اس کا ترک ناقابل معافی جرم ہے، چنانچہ امام زین العابدین سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کے ہر گناہ کو معاف کر دے گا اور دنیا و آخرت میں اس کو اس سے پاک کر دیتا ہے۔ صرف دو گناہ ہیں جو معاف نہیں ہوتے، ایک تہیہ کا ترک کرنا اور دوسرے بھائیوں کے حقوق کو ترک کرنا اور حضرت علی سے منقول ہے کہ ”تقیہ مومن کا افضل ترین عمل ہے۔“ (تفسیر العسکری ص ۱۶۲)

اسی طرح شیعہ بالعموم صفات الہی کے سلسلے میں جنمی یعنی منکرین صفات اور فعل العباد کے سلسلہ میں قدرتی یعنی تقدیر کے منکر ہیں۔ اب جس قوم کے افراد قرآن کو محرف اور صحابہ کرام کو مرتد قرار دیں، احادیث صحیحہ کا انکار کریں، صفات الہی اور تقدیر کے منکر ہوں، ائمہ کو معصوم اور عالم الغیب مانیں، مہدویت و رجعت جیسے خرافات کو تسلیم کریں، بھلا ان کا اسلام سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ (ادکام شریعت، کتاب و سنت کی روشنی میں، حاشیہ ص ۳۲-۳۳)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

جامع اعظم کے پھاٹک پر یہ تیرا لکھوایا:

”معاویہ بن ابی سفیان، غاصبین فدک، امام حسین کو روضہ نبوی میں دفن کرنے سے روکنے والوں، حضرت ابو ذر غفاری کو جلا وطن کرنے والوں اور عباس کو شورائی سے خارج کرنے والوں پر لعنت ہو۔“

معز الدولہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بغداد میں شیعوں کے تمام مراسم جاری کرادیے۔ عید غدیر کے دن عام عید اور جشن مسرت منانے کا حکم دیا۔ محرم کے لیے حکم جاری کیا۔ عاشوراء کے دن تمام دوکانیں اور کاروبار بند رکھے جائیں، کل مسلمان خاص قسم کی ٹوپیاں پہن کر روضہ و ماتم کریں، عورتیں چہرہ پر بھبھوت مل کر، موپریشان و گریبان چاک سیدہ کوبی کرتی ہوئی شہر میں ماتمی جلوس نکالیں۔ سنیوں پر یہ احکام بہت شاق گزرے لیکن شیعوں کی قوت اور حکومت کے سامنے بے بس تھے، اس لیے ان احکام کو منسوخ نہ کرا سکے لیکن اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ محرم ۳۵۳ھ میں شیعوں اور سنیوں میں سخت فساد ہوا اور بغداد میں بڑی بدامنی پھیل گئی۔ (ابن اثیر، ۸، ۱۸۲، بحوالہ تاریخ اسلام، شاہ معین الدین احمد ندوی ۱۴/۱۳-۱۳)

تبرّ ابازی

محرم کے ابتدائی دس دنوں میں خاص کر صحابہ کرام رضوان اللہ جمیعین پر تبرّ ابازی کی جاتی ہے جس کے بغیر شیعوں کی محفل ماتم حسین مکمل نہیں ہوتی۔ خصوصاً حضرت معاویہؓ

۱۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کون ہیں؟ کا تب وحی رسول اللہ ﷺ سے نسبت یہی ہے، مسلمانوں کے ماموں ہیں، فاتح روم و شام ہیں، خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ) کے معتمد رفیق ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی: اللّٰهُمَّ اجعلہ ہادیا مہدیا۔ ”اے اللہ! انہیں ہادی اور مہدی بنا۔“ اللّٰهُمَّ فقهہ فی الدین۔ ”اے اللہ! ان کو دینی فقہت عطا فرما۔“ جب آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ فرماتے: اکتب یا معاویہ۔ ”لکھو معاویہ۔“ یہود و نصاریٰ کے خلاف پہلی بحری معرکہ آرائی آپ ہی کی قیادت میں ہوئی۔ بحری بیڑے کا آغاز آپ کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوا۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

بن ابی سفیان، حضرت عمرو بن العاص، حضرت جعفر بن شعبہ اور یزید بن معاویہ کو گالیاں دی جاتی ہیں اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم پر بہتان لگائے جاتے ہیں۔ شیعوں کا کہنا ہے کہ حضرت حسینؑ کو ابن زیاد نے

(گزشتہ سے پیوستہ) اسلامی تاریخ کے کم و بیش چالیس سال حضرت معاویہؓ سے وابستہ ہیں۔ بیس سال گورنر (دور خلافت راشدہ میں)، حضرت حسن بن علیؓ سے مصالحت کے بعد ۱۹ سال سلطنت اسلامیہ کے فرماں روا کی حیثیت سے انھوں نے ملت کی قیادت کی۔ مملکت اسلامیہ کی حدیں ۶۳ لاکھ مربع میل (تقریباً نصف دنیا) تک جا پہنچیں اور اسلام کی عالمگیر دعوت نے کرۂ ارض کو اپنی آغوشِ رحمت میں لے لیا۔ ان تاریخ ساز کامیابیوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کا مکمل تعاون حاصل رہا۔ آج بھی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام آتا ہے تو یہودیوں اور نصرانیوں پر سنسنی طاری ہو جاتی ہے۔ عصر حاضر کے پیشرو و مقررین اور مصنفین تاریخ کے مشکوک و مصنوعی مواد کی آڑ میں سبائیت کے موقف کو تقویت پہنچانے والے قابل اعتماد نہیں ہیں، جن کے زبان و قلم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی کردار کشی کرنے کے لیے وقف ہیں۔ تاریخ کے بیمار حوالوں سے اسلام کے انقلابی کرداروں کے خلاف غوغا آرائی صیہونی لابی کے اسلام دشمن پروپیگنڈہ کا اہم حصہ ہے، جسے بے نقاب کرنا عہد حاضر میں جہاد سے کم نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین اسلام کی متاعِ عزیز ہیں، یہ ہمارے دور اساسی کے نمائندہ کردار ہیں۔ اگر حضرت معاویہ پر تنقید کی جائے گی تو خلفاء ثلاثہ پر امت کا اعتماد مجروح ہوگا۔ کیا یہ معمولی نقصان ہے؟ پہلا بحری بیڑہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی قیادت میں جزیرہ قبرص کو روانہ ہوا، جس کی کامیابیوں کی تفصیل بہت طویل ہے۔ مسلسل پچاس جنگیں روئی عیسائیوں سے حضرت معاویہ نے لڑیں۔ ہرمجاز پر الحمد للہ فرزندان اسلام فتح و نصرت سے ہمکنار ہوئے۔ تمام جزائر قبرص میں اسلام کا پرچم لہراتا نظر آیا اور یہ پورا علاقہ مشرف بہ اسلام ہو کر سلطنت اسلامیہ کا حصہ بن گیا۔ انہی بحری معرکوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فتح کی نوید کے ساتھ ان میں شرکت کرنے والے مجاہدین کو جنت کی بشارت دی تھی۔ ہم صحابہ کرام کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتے۔ بھائیوں نے حضرت معاویہ کی کردار کشی میں تاریخ سازی کا محاذ کھول رکھا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین اختلافات کے شعلے منافقین نے بھڑکائے تھے۔ حضرت علیؓ و معاویہؓ انہی شعلوں کو اپنے اپنے انداز میں بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ دونوں اسلام کے مخلص رضا کار تھے، دونوں محمد ﷺ کے سچے شیدائی اور وفادار تھے، ان کی دیانت و اخلاص تمام مشکوک و شبہات سے بالاتر ہے۔

یزید کے حکم سے قتل کیا تھا، اور یزید کو امیر معاویہؓ نے اپنا ولی عہد بنایا تھا اور اپنی وفات کے بعد اسے خلیفہ بنانے کے لیے بیعت لی تھی۔ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے واضح فرمان کے باوجود حضرت علیؓ کو خلیفہ نہیں بنایا تھا اور خود خلیفہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے بعد خلیفہ بنایا تھا اور حضرت عمرؓ نے حضرت معاویہ کو شام کا گورنر مقرر کیا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں اس عہدہ پر برقرار رکھا لہذا یہ سب سے سب لعن طعن کے مستحق ہیں۔ یہی سبب ہے یہ لوگ اہل بیت کا بدلہ لینے کے خیال سے صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں، اور ان پر لعن طعن کرتے ہیں، حالانکہ آپؐ کی امت تمام امتوں سے بہتر اور آپ کے صحابہ تمام انبیاء علیہم السلام کے اصحاب سے افضل ہیں۔ کسی صحابی کے بارے میں زبان کھولنا اور ریسرچ کے عنوان سے لعن طعن اور نکتہ چینی کرنا ہلاکت و تباہی کو دعوت دینا ہے۔ صحابی کی تعریف ہر اس شخص پر صادق آتی ہے جس نے ایمان کی حالت میں آپ ﷺ کو دیکھا ہو اور قرآن و حدیث میں صحابہ کرام کے جو عمومی فضائل اور مناقب بیان کیے گئے ہیں ان کا اطلاق بھی ہر صحابی پر ہوگا۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحابی کی جس تعریف کو سب سے زیادہ صحیح اور جامع قرار دیا ہے، وہ یہ ہے:

واصح ما وقفت عليه من ذلك ان الصحابي من لقي مومنا به ومات على الاسلام فيدخل فيمن لقيه من طالت مجالسته له أو قصرت ومن روى عنه أو لم يرو ومن غزا معه أولم يغزو ومن راه رؤية ولو لم يجالسه ومن لم يره بعارض كالعمرى. (الاصابة في تمييز الصحابة، ۱/۳)

”صحابی کی سب سے زیادہ صحیح تعریف جس پر میں مطلع ہوا وہ یہ ہے کہ وہ شخص جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی ہو، اور اسلام ہی پر اس کی موت ہوئی پس اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے آپ سے ملاقات کی (قطع نظر اس کے کہ) اسے آپ کی ہم نشینی کا شرف زیادہ حاصل رہا یا کم، آپ سے روایت کی یا نہ کی، آپ کے ساتھ غزوے

میں شریک ہوایا نہیں اور جس نے آپ کو صرف ایک ہی نظر دیکھا اور آپ کی مجالس و ہم نشینی کی سعادت کا اسے موقع نہیں ملا اور جو کسی سبب کی بنا پر آپ کی رویت کا شرف حاصل نہ کر سکا جیسے نابینا۔“

اسلام میں صحابہ کرام کی بڑی اہمیت ہے ان سے محبت و الفت کو ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ شیعہ حضرات کا نظریہ اس کے برعکس ہے اور کسی نہ کسی حد تک اس کے مضر اثرات بعض سنیوں کے یہاں بھی پائے جاتے ہیں بقول مولانا محمد عامر عثمانی مرحوم ایڈیٹر تجلی دیوبند:

”شیعوں نے ایسی ذہنی بجائی کہ اچھے خاصے سنی علماء بھی رقص کرتے ہوئے نظر

آنے لگے۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جملہ امتیوں میں سب سے افضل ہیں۔ صحابہ کرام کی حیات طیبہ بہت پاکیزہ تھی، ان کے سوا دنیا کے کسی آدمی کو ہم مثال نہیں بنا سکتے، متقون، مفلحون، فائزون، راشدوں کے تمغوں کے براہ راست وہی حامل تھے، ان کے قدم ہمیشہ اللہ کی خوشنودی کی طرف ہی بڑھتے رہے، ان کی فضیلت پر اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے: رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، رضامند ہی نہیں بلکہ ان خوش نصیبوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

قال النبی ﷺ لا تسبوا أصحابی فلو ان احدکم انفق مثل أحد ذہبا ما بلغ مد أحدہم ولا نصیفہ۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابة، باب قول النبی ﷺ لو كنت متخذاً خلیلاً ۷/۲۵، رقم الحدیث ۳۶۷۳، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة، ۳۳۲/۸، رقم الحدیث ۲۲۱-۲۲۲)

”میرے صحابہ پر سب نہ کرو یعنی انھیں جرح و تنقید اور برائی کا ہدف نہ بناؤ انھیں اللہ نے اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں

خرچ کر دے، تو وہ کسی صحابی کے خرچ کردہ مد (تقریباً ایک سیر) بلکہ آدھے مد کے بھی برابر نہیں ہو سکتا۔“

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ غیر صحابی اگر احد پہاڑ کے برابر سونا اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اس ثواب کو نہیں پہنچ سکتا جو صحابہ کے ایک مد یا نصف مد خرچ کرنے پر اللہ نے انھیں عطا فرمایا ہے۔

مزید فرمایا:

قال قال رسول الله ﷺ الله الله في اصحابي لا تتخذوهم غرضا من بعدى فمن احبهم فحبي احبهم ومن ابغضهم فيغضى ومن اذاهم فقد اذاني ومن اذاني فقد اذى الله فيوشك ان ياخذوه. (جامع ترمذی، ۲/۲۲۶)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو۔ میرے بعد ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنانا یاد رکھو جس نے ان سے محبت کی پس میری محبت کی وجہ سے اس نے ان سے محبت کی۔ جس نے ان سے بغض رکھا اور جس نے ان کو اذیت دی مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی پس قریب ہے کہ اللہ اس کی گرفت کرے۔“

الحاصل صحابہ کرام کو گالی دینا لعن طعن کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ جمہور محدثین کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کو گالی دینا اور لعن طعن کرنا کبیرہ گناہ ہے حتیٰ کہ بعض مالکیہ کا خیال ہے کہ ایسا شخص جو صحابہ کرام کو گالی دے، اسے قتل کر دینا چاہیے، لیکن بد قسمتی سے مسلمانوں کا ایک طبقہ اس فعل فتنج میں سب سے آگے ہے بلکہ اسے کارِ ثواب سمجھتا ہے، اس کی پوری طاقت صحابہ کرام اور خصوصاً خلفاء ثلاثہ کو گالی گلوچ دینے میں صرف ہوتی ہے۔ (تفصیل کے لیے کتب شیعہ ملاحظہ فرمائیں، مثلاً کشف الاسرار امام خمینی مفتاح الجنان ابن بابویہ، قمی - قمی تفسیر قمی وغیرہ)

صحابہ کو فاسق قرار دینا اور لعن طعن کرنا قرآن مجید کی ان پچیس آیتوں کی تکذیب ہے جن میں صحابہ کرام کی تعریف کی گئی ہے اور ان احادیث کی بھی تکذیب ہے جو ان کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، اور ان کی فضیلت پر صحابہ کے اجماع کی بھی ان کے طرز عمل سے تکذیب ہوتی ہے۔

ہندوستان میں پہلا تعزیہ

متحدہ ہندوستان تعزیہ داری کی موجودہ رسم بد سے آٹھ سو سال تک پاک تھا۔ ۸۰۱ھ میں تیمور لنگ جو مذہباً شیعہ تھا، اس ملعون رسم کو ایجاد کرتا ہے اور ۹۶۲ھ میں ہمایوں بادشاہ بیرم خاں کو بھیج کر ۴۶ تولہ کا زمرہ کا تعزیہ ہندوستان میں منگواتا ہے۔ یہ ہے پہلا تعزیہ جو ہندوستان میں آیا۔ (ریحان محمدی، از خطیب الاسلام مولانا محمد جونا گڑھی، ص ۲۴)

اس کے بعد آصف الدولہ نے ۱۲۱۳ھ میں لکھنؤ میں امام باڑہ بنوایا پھر محمد علی شاہ اور احمد علی شاہ نے امام باڑے بنوائے، پھر واجد علی شاہ نے مرثیہ خوانی کو رواج و ترقی دی۔ چنانچہ ایران افغانستان کے بعد ہندوستان میں جنوبی ہند اور لکھنؤ وغیرہ ان بدعات کا مرکز ٹھہرے اور لکھنؤ کے شیعہ بادشاہوں نے ایران کی جانشینی کا پورا حق ادا کر دیا۔ سب سے پہلے عبداللہ بن سبائمی یہودی نے طرح طرح کی سازشوں کے ذریعہ اسلام کی صاف شفاف تصویر کو داغدار بنایا اور حضرت عثمانؓ علیؓ اور نواسہ رسول حضرت حسینؓ اور جنگ جمل و صفین کے شہداء کے خون سے یہودیت کی شکست و ریخت کے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔

تعزیہ کی تردید

تعزیہ داری شرک و بت پرستی کے ضمن میں آتی ہے۔ آخر بت پرستی اور تعزیہ میں فرق کیا ہے؟

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

اولاً: تعزیہ میں روح حسین کو موجود اور انھیں عالم الغیب سمجھا جاتا ہے، حالانکہ کسی بزرگ کی روح کو حاضر و ناظر جاننا اور عالم الغیب سمجھنا شرک و کفر ہے چنانچہ حنفی مذہب کی معتبر کتاب فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ:

من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم يكفر .

”جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روحوں ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور وہ علم رکھتی ہیں، وہ کافر ہے۔“

ثانیاً: تعزیہ پرست تعزیوں کے سامنے سر پھوڑتے ہیں جو سجدہ ہی کے ضمن میں آتا ہے اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا، چاہے وہ تعبیدی ہو یا تعظیمی شرک صریح ہے۔ چنانچہ کتب حنفیہ میں بھی سجدہ لغیر اللہ کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شمس الائمہ نحسیؒ کہتے ہیں:

ان كان لغیر الله تعالى علی وجه التعظیم کفر .

”غیر اللہ کو تعظیمی طور پر سجدہ کرنا کفر ہے۔“

اور علامہ قہستانی حنفی فرماتے ہیں:

یکفر بالسجدة مطلقاً یعنی غیر اللہ کو سجدہ کرنے والا مطلقاً کافر ہے چاہے سجدہ عبادتاً ہو یا تعظیماً۔

ثالثاً: تعزیہ پرست مرثیہ خوانی و سینہ کوبی کرتے ہیں۔ مرثیہ خوانی وغیرہ خود غیر اسلامی فعل ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے:

نہی رسول اللہ ﷺ عن المرثیة . (ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء

فی البكاء علی المیت / ۱، ۵۰۷، رقم الحدیث ۱۵۹۲۰)

رابعاً: تعزیہ پرست تعزیوں سے اپنی مرادیں اور حاجات طلب کرتے ہیں جو صریحاً

شرک ہے۔

خامساً: تعزیہ پرست حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مصنوعی قبر بناتے ہیں اور اس کی

زیارت کو کارِ ثواب سمجھتے ہیں، حالانکہ حدیث میں آتا ہے:

من زار قبراً بلا مقبور كأنما عبد الصنم. (رواہ الطبرانی والبیہقی بحوالہ

رسالة تنبيه الضالین از مولانا اولاد حسن والنواب صدیق حسن خاں)

”جس نے ایسی خالی قبر کی زیارت کی جس میں کوئی میت نہ ہو تو گویا اس نے بت کی

پوجا کی۔“

الحاصل تعزیہ ہزاروں برائیوں کا سرچشمہ ہے، جس سے نخوت، ادبار، تنزل، حماقت، جہالت، شرف و فساد نمایاں ہیں، اور خود حضرت حسینؑ کی تحقیر تو وہین ہے۔ تعزیہ بنانا، اس کا سجدہ و طواف کرنا، روح حسین کا عقیدہ رکھنا اور ماتم و سینہ کو بی و غیرہ کبیرہ گناہ ہے۔ ذرا انصاف کیجئے کہ اگر کفار پتھر کی مور تیں تراش کر پوجیں تو وہ مشرک کہلائیں اور اگر مسلمان کاغذ و بانس کی قمچیوں کا ڈھانچہ بنا کر اس کے سامنے اپنا سر ٹیکیں تو خالص مسلمان ہیں۔ مولانا حالی رحمہ اللہ نے اس کا ماتم یوں کیا ہے:

مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں
 نہ تو حید میں کچھ خلل اس سے آئے نہ اسلام بگڑے نہ ایمان جائے
 رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں وہ بدلا گیا آکے ہندوستان میں
 ہمیشہ سے اسلام تھا جس پہ نازاں
 وہ دولت بھی کھو بیٹھے آخر مسلمان

حضرت حسینؑ کی برسی

محرم کے ابتدائی دس دنوں میں بدعات و خرافات اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی برسی کی بابت مفسر قرآن علامہ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ اپنے مخصوص انداز میں تحریر فرماتے ہیں:

”جو انسان جنت کے سردار کی برسی اسی ماہ میں ہر جگہ کی طول و عرض میں منائی جائے گی لیکن کیونکر اور کس طرح؟ اس کے سرخ سرخ خون کی یاد میں نئے نئے سبز رنگ کے کپڑے رنگ کر پہنے جائیں گے۔ وہ بھوکا رہا تھا اس کی بھوک کی یاد میں لذیذ کھانے کھائے جائیں گے، اور گھر مزید ارحلوے اور شیر مالوں کے حصے تقسیم ہوں گے۔ وہ پیاس میں تڑپا تھا اس کی پیاس کو یاد کر کے برف اور دودھ ڈال کر اعلیٰ درجہ کے مکلف شربت تیار ہوں گے، اور ان کے کئی کئی گلاس زیر حلق اتارے جائیں گے۔ اس نے اپنی راتیں رکوع و سجود میں قیام و تلاوت میں، مناجات و ذکر و فکر میں بسر کی تھی اور اس کی برسی منانے والے مٹی کے چراغ، بجلی کے قمقمے اور گیس کے ہنڈے جلا جلا کر ساری رات ایک میلہ اور جشن قائم رکھیں گے۔ اس کے گھر کی معزز خاتون معاذ اللہ موسیقی کا ذکر ہی کیا شاید شاعری کے قریب نہ گئی تھیں اس گھرانے کی باندی اور کنیز ہونے پر فخر کرنے والی عورتیں اپنی راتیں خوش الحانی کی پوری روایت کے ساتھ سوز خوانیوں کے کلمات دکھانے میں بسر کر دیں گی۔ اس کے کان میں شاید ساری عمر کبھی باجے کی آواز نہ پڑی ہو آج اس کے نام پر عشرہ بھر ہر گلی کوچہ ڈھول اور تاشوں کے شور سے گونج کر رہے گا۔ تعزیہ اٹھیں گے، علم گشت کریں گے، براق بنیں گی، مجلسیں برپا ہوں گی، کہیں چائے تقسیم ہوگی، کہیں شیر مال بنیں گے، غرض پورے دس دن خوب دل کھول کر جشن رہے گا جو کھانا کبھی نہ کھائے تھے کھانے میں آئیں گے، جو منظر کبھی نہ دیکھے تھے دیکھنے میں آئیں گے، اور یہ سب کچھ کون کرے گا؟ آریہ نہیں یہودی نہیں، ہندو نہیں، پارسی نہیں، دشمن نہیں، دوست غیر مسلم نہیں اپنے کو مسلمان کہلوانے والے اور مسلمانوں میں بھی اپنے آپ کو سنی کہنے والے اور اہل سنت پر فخر کرنے والے لوگ کریں گے، اور اگر کوئی اس سارے ہنگامہ عیش و عشرت کے خلاف یاد ایام کے نہیں تمسخر یا دایام کے خلاف زبان کھولے تو وہ مردود ہے، دشمن اہل بیت ہے، لاندہب ہے، بے دین

ہے، وہابی ہے، گستاخ رسول ہے اور سب کے عقائد کو بگاڑنے والا ہے۔
(ہفت روزہ المنبر، فیصل آباد، شمارہ ۶، تاریخ ۶ دسمبر ۱۹۷۸ء)

ماتم و سیدہ کوبی

اسلام سے نابلد مسلمانوں نے اس مہینہ کو ماتم و سیدہ کوبی کا مہینہ قرار دیا ہے، حالانکہ میت پر رونا دھونا، ماتم کرنا، سینہ کوبی، گریبان چاک کرنا وغیرہ وغیرہ سخت گناہ ہے۔ شریعت اسلامی میں اس عمل کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے۔ اس عمل بد سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے، لیکن کس قدر عجیب معاملہ ہے جس دین کو ماننے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اس دین کی تعلیمات سے روگردانی ہماری پہچان بنتی جا رہی ہے۔ کسی کی وفات یا شہادت پر رنج و غم کر کے دکھ منانے کا طریقہ اور اس کی حدیں متعین کر دی گئی ہیں۔ آنکھ سے آنسو بہائے جاسکتے ہیں جس طرح رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادہ ابراہیم کی وفات پر آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے، جن کو دیکھ کر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا: أنت یا رسول اللہ۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ رورہے ہیں، آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ جواب میں آپ ارشاد فرماتے ہیں: انھا رحمة بے شک یہ جذبہ رحمت کے آنسو ہیں۔ ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا ابراہیم لمحزونون۔ (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ انک بک لمحزونون ۲۲۲/۳، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمة ﷺ الصبیان و العیال و تواضعه)

”بے شک آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غم کرتا ہے، ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا پروردگار راضی ہوتا ہے اور اے ابراہیم بے شک ہم تیری جدائی پر غمزدہ ہیں۔“

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

”اللہ اور آخرت پر جو عورت ایمان لائی ہو اسے میت پر تین دن سے زیادہ غم کرنے

کی اجازت نہیں ہے۔ صرف وہ عورت جس کا شوہر انتقال کر گیا ہو اس کو چار مہینہ دس دن تک غم منانے کی اجازت ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب الطلاق، باب تحد المتوفیٰ ۶۰۵/۹، صحیح مسلم باب تحد المتوفیٰ عنہا اربعة اشهر و عشر، کتاب الطلاق، باب وجوب الأحداد فی عدة الوفاة ۵/۳۶۸، ۳۶۹، رقم الحدیث ۵۸) اور فرمایا:

لیس منا من لطم الحدود و شق الجيوب و دعیٰ بدعویٰ الجاهلیة.
(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب لیس مناشق الجيوب ۳/۲۱۰، رقم الحدیث ۱۲۹۴)
”وہ ہم میں سے نہیں ہے جو کسی کے مرنے پر منہ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی دہائی دے۔“

نیز آپ ﷺ نے صالحہ، حائقہ اور شاقہ سے اپنے تئیں بری بتایا ہے:
أنا بری من الصالقة و الحالقة و الشاقفة. (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما ینہی عن الحلق عند المصیبة ۳/۲۱۲، رقم الحدیث ۱۲۹۶)
”میں صالحہ اور حائقہ اور شاقہ سے بری ہوں۔“

صالحہ بین کرنے والی عورتیں ہیں، حائقہ غم سے بال منڈوانے والی اور شاقہ گریبان پھاڑنے والی عورتیں۔ اور فرمایا:

ان النائحة اذا لم تتب قبل موتها فانها تلبس یوم القيامة ذرعا من جرب و سربالاً من قطران. (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب التشدید فی النیاحۃ ۳/۵۰۷، رقم الحدیث ۲۹)

”بے شک اجرت پر نوحہ کرنے والی عورتیں اگر توبہ کے بغیر مرجائیں تو اللہ انہیں قیامت کے دن خارشی قمیص اور گندھک کا جامہ پہنائے گا۔“

رہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تو تاریخ اسلام کے اوراق ایسے حادثات سے بھرے پڑے ہیں۔ سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی

شہادت، مختلف غزوات کے شہداء کی شہادت، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت جو انتہائی بے رحمی سے قتل کر دیے گئے، کیا یہ سب شہادتیں کچھ کم جگر سوز اور دل دوز ہیں؟ کیا کوئی ایسا ثبوت ملتا ہے کہ صحابہ کرام، تابعین عظام نے ماتم کیا ہو؟ سینہ کو بی کی ہو؟ آپ خود فیصلہ کیجئے کہ دور نبوت اور دور صحابہ کو چھوڑ کر کہاں نمونہ تلاش کریں گے؟ اگر اسلام میں ماتم و شیون کی اجازت ہوتی تو یقیناً تاریخ اسلام کے ان جلیل القدر صحابہ کرام کی شہادتیں ایسی تھیں کہ اہل اسلام جتنا بھی سینہ کو بی و ماتم اور گریہ و زاری کرتے کم ہوتا۔

یوم عاشوراء کا روزہ

ماہ محرم کے سلسلہ میں صحیح احادیث سے صرف یہ ثابت ہے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دی تھی۔ فرعون اور اس کی پوری قوم کو دریائے نیل میں غرق کر دیا تھا، اور اس فتح کے شکرانہ کے طور پر دس محرم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روزہ رکھا تھا، اور آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یادگار کو زندہ رکھنے کے لیے ترغیب دلائی تھی البتہ یہودیوں کی مشابہت سے بچنے کے لیے یوم عاشوراء سے ایک روز قبل یا ایک روز بعد ایک دن کا روزہ مسنون قرار دیا تھا۔ یوم عاشوراء کی حدیث میں یہ فضیلت آئی ہے کہ ایک سال گذشتہ کا کفارہ ہے، چنانچہ ہر مسلمان کو یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا چاہیے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

صوموا یوم عاشوراء و خالفوا الیہود و صوموا قبلہ یوما و بعدہ یوماً.

(مسند احمد، ۲۱/۳، طبع جدید)

”یوم عاشوراء کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو یوم عاشوراء کے ایک دن قبل یا ایک

دن بعد روزہ رکھو۔“

یعنی ۹، ۱۰ یا ۱۱ محرم کو روزہ رکھو۔ ماہ محرم میں صحیح روایات سے روزہ کے سوا کوئی عمل ثابت نہیں ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”اور جیسا کہ عاشوراء کے دن فضائل کے باب میں اہل وعیال پر وسعت اور مصافحہ و خضاب و غسل کی برکت وغیرہ کے متعلق حدیثیں بیان کی جاتی ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ اس دن ایک خاص نماز پڑھنی چاہیے، یہ سب رسول اللہ ﷺ پر کذب و افتراء ہے۔ محرم میں عاشوراء کے روزہ کے علاوہ کوئی عمل بسند صحیح ثابت نہیں۔“

(منہاج السنۃ، ۴/۱۱، مطبوعہ مصر، ۱۳۲۲ھ)

نیز امام ابن جوزی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”اہل سنت کے ایک جاہل گروہ نے یہ مذہب بنا لیا ہے کہ رافضیوں کو چڑھانے کے لیے (جو کہ اس دن ماتم کرتے ہیں)۔ اس دن کی فضیلت میں بہت سی جھوٹی روایات گڑھ لی ہیں۔ ہم ان دونوں گروہوں سے بری ہیں۔ رسول اللہ ﷺ سے اس دن روزہ کا حکم صحیح طور پر ثابت ہے اور آپ کا ارشاد ہے کہ اس دن کا روزہ ایک سال کا کفارہ ہوگا، مگر ان لوگوں نے اس ثابت شدہ عمل مشروع پر قناعت نہیں کی، حدیث صحیح سے اعراض کر کے لمبی چوڑی کہانیوں میں کھو گئے اور جھوٹ گھڑنے تک ترقی کر گئے۔“ (کتاب الموضوعات، ۲/۲۰۱)

غرضیکہ ماہ محرم کا وہ دن جسے رسول اللہ ﷺ نے روزہ کا دن قرار دیا تھا اور اسے کفارہ سینات ٹھہرایا تھا، افسوس اس دن کو بدعات و خرافات اور منکرات کی نذر کر دیا گیا۔ عوام تو عوام کتنے خواص تک اس مہینہ کی سنت صحیحہ سے بے تعلق ہو کر خرافات و منکرات کو دین سمجھ بیٹھے اور موضوع و ضعیف روایات کا اتنا انبار لگا دیا گیا، اور حب آل نبی کے نام پر اتنے رسم و رواج وضع کر لیے گئے:

یہ امت روایات میں کھو گئی

حقیقت خرافات میں کھو گئی

رسومات محرم

علماء کرام کی نظر میں

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

یا معاشر بنی آدم اتخذتم رسوما فاسدة تغیر الدین اجتمعتم یوم عاشوراء فی الابطال فقوم اتخذہ ماتماً اما تعملون ان الایام ایام اللہ والحوادث من مشیئة اللہ وان کان حسین قتل فی هذا الیوم فأی بوم لم یمت فیہ محبوب من المحبوبین وقد اتخذوه لعبا بحرابہم وسلاحہم اتخذتم الماتم عیداً کان اکثار الطعام واجب علیکم وضيعتم الصلوٰة وقوم اشتغلوا بمکاسہم لم یقدروا علی الصلاة. (الفہیمات الالہیة، ج ۱، تفہیم ۶۹، ص ۲۸۸، حیدر آباد، سندھ ۱۹۷۰ء)

”اے بنی آدم تم نے اسلام کو بدل ڈالنے والی بہت سی رسمیں اپنا رکھی ہیں مثلاً تم دسویں محرم کو باطل قسم کے اجتماع کرتے ہو، کئی لوگوں نے اس دن کو نوحہ و ماتم کا دن بنا لیا ہے، حالانکہ اللہ کی مشیت سے حادثے روزانہ رونما ہوتے ہی رہتے ہیں۔ اگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس دن مظلومانہ طور پر شہید کیے گئے، تو وہ کون سا دن ہے جس میں کوئی نہ کوئی اللہ کا نیک بندہ فوت نہیں ہوا لیکن تعجب کی بات ہے کہ انھوں نے اس سانحہ شہادت مظلومانہ کو کھیل کود کی چیز بنا لیا تم نے ماتم کو عید کی تہوار کی طرح بنا لیا گیا اس دن زیادہ کھانا پینا فرض ہے، اور نمازوں کا تمہیں کوئی

خیال نہیں جو فرض ہے، ان کو تم نے ضائع کر دیا۔ یہ لوگ اپنے ہی من گھڑت کاموں میں مشغول رہتے ہیں، نمازوں کی توفیق ان کو ملتی ہی نہیں۔“

شاہ اسماعیل شہید دہلوی فرماتے ہیں:

”خلاصہ عبارت یہ ہے کہ ہندو پاک میں رافضیوں کے زیر اثر تعزیہ سازی کی جو بدعت رائج ہے، یہ شرک تک پہنچا دیتی ہے، کیونکہ تعزیہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی شبیہ بنائی جاتی ہے، اور پھر اس کو سجدہ کیا جاتا ہے، طواف کیا جاتا ہے اور وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو بت پرست اپنے بتوں کے ساتھ کرتے ہیں اور اس معنی میں یہ پورے طور پر بت پرستی ہی ہے۔“ (صراط مستقیم، ص ۵۹) اعاذنا اللہ منہ.

اہل سنت عوام کی اکثریت ہندو پاک میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے عقیدت رکھتی ہے لیکن تعجب ہے کہ اس کے باوجود عوام ان خرافات میں خوب ذوق و شوق سے حصہ لیتے ہیں، حالانکہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے بھی ان رسومات محرم سے منع کیا ہے اور انہیں بدعت، ناجائز اور حرام لکھا ہے اور ان کے دیکھنے سے بھی روکا ہے، چنانچہ ان کا فتویٰ ہے:

”تعزیہ آنا دیکھ کر اعراض و روگردانی کریں اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہیے۔“

(عرفان شریعت اول، ص ۱۵)

ان کا ایک مستقل رسالہ تعزیہ داری ہے، اس میں لکھتے ہیں:

”غرضیکہ عشرہ محرم الحرام کو اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت با برکت محل عبادت ٹھہرایا تھا۔ اس بے ہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا۔ یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا خود ساختہ تصویریں بعینہ حضرات شہداء رضوان اللہا جمعین کے جنازے ہیں، کچھ اتار باقی توڑا اور دفن کر دیے۔ یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم میں وبال جداگانہ ہے۔ اب تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت و ناجائز حرام ہے۔“ (رسالہ تعزیہ داری، ص ۴)

آگے لکھتے ہیں:

”تعزیہ پر چڑھایا ہوا کھانا نہ کھانا چاہیے۔ اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر
نیاز دیں تو بھی اس کے کھانے سے پرہیز کریں۔“ (رسالہ تعزیہ داری، ص ۱۱)
اور ص ۱۵ پر حسب ذیل سوال و جواب ہے:

”سوال: تعزیہ بنانا اور اس پر نذر و نیاز کرنا، عرائض بہ امید حاجت براری لٹکانا اور
بہ نیت بدعت حسنہ کو داخل حسانت جاننا کیسا گناہ ہے؟
جواب: افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں، بدعت سینہ و ممنوع و
نا جائز ہے۔“ (رسالہ تعزیہ داری، ص ۱۵)

اسی طرح محرم کی دوسری بدعت مرثیہ خوانی کے متعلق عرفان شریعت کے حصہ اول
ص ۱۶ پر ایک سوال و جواب یہ ہے:

”سوال: محرم شریف میں مرثیہ خوانی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟
جواب: ناجائز ہے۔ وہ منافی و منکرات سے پڑھتے ہیں۔“
(عرفان شریعت، اول، ص ۱۶)

محرم کو سوگ کا مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے بالعموم ان ایام میں سیاہ یا سبز لباس پہنا
جاتا ہے اور شادی و بیاہ سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق مولانا احمد رضا خان
صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

”محرم میں سیاہ سبز کپڑے علامت سوگ ہیں اور سوگ کرنا حرام ہے۔“

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں مسائل ذیل میں یعنی اہل سنت والجماعت عشرہ محرم میں
نہ تو روٹی پکاتے ہیں، نہ جھاڑو دیتے ہیں، کہتے ہیں بعد دفن روٹی پکائی جائے گی، اس دن
کپڑے نہیں اتارتے۔

الجواب: یہ سب باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔ (احکام شریعت اول، ص ۸۹)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ماہ محرم کی بابت موضوع اور ضعیف احادیث

آئیے ماہ محرم کی بابت ان موضوع و ضعیف احادیث کا تنقیدی جائزہ لیا جائے کہ محدثین کرام نے ان احادیث کے سلسلے میں کیا کلام کیا ہے۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے موضوع روایات کا ذیلی عنوان قائم کر کے ماہ محرم و یوم عاشورا کی بابت مروی بعض احادیث ذکر کی ہیں پہلی حدیث انھوں نے یہ ذکر کی ہے:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر سال میں ایک دن عاشوراء کا روزہ فرض کیا ہے جو محرم کا دسواں دن ہے، پس تم لوگ بھی اس دن روزہ رکھو، اور اپنے اہل و عیال پر اس دن خرچ میں کٹھاگی کرو، اس لیے کہ جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل و عیال پر کٹھاگی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال کٹھاگی کرے گا۔ تم اس دن روزہ رکھو کیونکہ یہی وہ دن ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے آدم کی دعا قبول کی، اسی دن ادریس کو بلند مقام پر اٹھایا، اسی دن ابراہیم کو آگ سے بچایا، اسی دن نوح کو کشتی سے اتارا، اسی دن موسیٰ پر توریت نازل کی، اسی دن اسماعیل کو فدیہ دے کر بچایا، اسی دن یوسف کو قید سے نکالا، اسی دن یعقوب کی بینائی لوٹائی، اسی دن ایوب سے مصائب دور کیے، اسی دن یونس کو مچھلی کی پیٹ سے نکالا، اسی دن بنی اسرائیل کے لیے سمندر پھاڑا، اسی دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کیے، اسی دن یونس کو سمندر کے پار اتارا، اسی دن قوم یونس کو توبہ کی توفیق دی، پس جس شخص نے اس دن روزہ رکھا تو اس دن کا روزہ اس کے لیے چالیس سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ یوم عاشوراء ہی دنیا کا وہ پہلا دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تخلیق ایام میں سب سے پہلے پیدا کیا، اور اسی دن آسمان سے سب سے پہلے بارش اتاری اور اسی دن اپنی سب سے پہلی رحمت نازل کی، تو جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اس نے گویا

پورے زمانہ روزہ رکھا اور یہی عاشوراء کا انبیاء کا روزہ ہے، اور جس نے عاشوراء کی پوری رات عبادت میں گزاری، اس نے گویا ساتوں آسمان کے عبادت گزاروں جیسی اللہ کی عبادت کی اور جس نے اس دن چار رکعت نماز پڑھی، ہر رکعت میں ایک مرتبہ سورہ الحمد اور پچاس مرتبہ قل هو اللہ احد پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کی پچاس سال گزشتہ اور پچاس سال آئندہ کی خطائیں بخش دے گا، اور اس کے لیے ملا علیٰ میں ایک کروڑ نور کے منبر بنائے گا، اور جس نے اس دن مسکینوں کے کسی گھرانے کو آسودہ کر دیا، وہ پل صراط پر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گزر جائے گا اور جس نے اس دن کوئی صدقہ کیا، اس نے گویا کبھی بھی کسی سائل کو محروم واپس نہیں کیا، اور جس نے اس دن غسل کر لیا وہ مرض الموت کے سوا کسی مرض میں مبتلا نہ ہوگا، اور جس نے اس دن سرمہ لگایا، اس کو سال بھر آشوب چشم کی شکایت نہ ہوگی اور جس نے اس دن کسی یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر دیا، اس نے گویا بنی آدم کے سارے یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کیا، اور جس نے یوم عاشوراء کا روزہ رکھا اس کو دس ہزار فرشتوں کا، ایک ہزار حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کا، ایک ہزار شہیدوں کا ثواب دیا جائے گا، اور ساتوں آسمان بھر کا ثواب دیا جائے گا۔ یوم عاشوراء ہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پہاڑوں اور سمندروں کو پیدا کیا، اور اسی دن عرش اور لوح و قلم کو پیدا کیا اور جبرئیل علیہ السلام کو بھی اسی دن پیدا کیا، اسی دن عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا گیا، اسی دن سلیمان علیہ السلام کو حکومت عطا کی گئی اور اسی دن قیامت ہوگی جس نے اس دن کسی مریض کی عیادت کی اس نے گویا بنی آدم کے سارے مریضوں کی عیادت کی۔

(کتاب الموضوعات، ۲۰۱/۲)

سبحان اللہ!

پاپوش میں لگا دی کرن آفتاب کی
جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی

جس وضاع اور کذاب نے یہ حدیث گڑھی ہے اس نے اپنی ذہانت کا خوب استعمال کیا ہے، کوئی احمق ہی ہوگا جو اس مضحکہ خیز روایت کو حدیث رسول مان بیٹھے گا۔ امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس روایت کے موضوع ہونے میں کسی بھی سمجھدار کو شک نہیں ہو سکتا۔ گڑھنے والے نے کمال ہی کر دیا۔ کیسے کیسے گوشوں سے پردہ اٹھایا ہے، اسے ذرا بھی شرم نہیں آئی کہ وہ کتنی ناممکن بات کہے جا رہا ہے۔ وہ کہتا ہے عاشورہ کا دن وہ پہلا دن ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق ایام میں سب سے پہلے پیدا کیا، کتنا بے وقوف و بدھو ہے اس کا گڑھنے والا، وہ دن جس کا نام ہی عاشورہ (یعنی دسواں دن) تخلیق ایام میں وہ پہلا دن کیسے قرار پایا، جب کہ اس کے دسواں دن ہونے کے لیے نو دن کا وجود اس سے پہلے ضروری ہے اور وہ کہتا ہے یوم عاشوراء ہی کو آسمان و زمین و پہاڑ سب پیدا کیے گئے حالانکہ صحیح روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو سینچنے کے دن اور پہاڑ کو اتوار کے دن (یعنی دو الگ الگ دنوں میں) پیدا کیا ہے اور اس موضوع روایت میں ثواب کا جو طول و عرض بیان کیا گیا ہے وہ کسی طرح بھی محاسن شریعت سے میل نہیں کھاتا۔ یہ کیسے مستحسن قرار دیا جاسکتا ہے کہ کوئی آدمی ایک دن کا روزہ رکھ لے تو اسے ہزار حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں اور شہیدوں کا ثواب دے دیا جائے گا۔ یہ اصول شرع کے خلاف ہے۔“ (کتاب الموضوعات، ۲/۲۰۱)

اگر ہم اس روایت پر یکے بعد دیگرے تنقید کریں تو بات طویل ہو جائے گی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ موضوع روایت ہے مگر یہ عجیب مسئلہ ہے کہ یہ موضوع روایت ثقہ رواۃ کی حدیثوں میں گھسیڑ دی گئی۔ (یعنی سند میں ثقہ رواۃ ذکر کر دیے گئے ہیں۔) حافظ سیوطی رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

رجالہ ثقات والظاهر ان بعض المتأخرین وضعه وركبه علی هذا

الاسناد. (اللائی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعه، ص ۳۶۸)

”اس کے راوی ثقہ ہیں، لگتا ایسا ہے کہ متاخرین میں سے کسی نے یہ حدیث گڑھی ہے اور اس میں ثقہ رواۃ کی یہ سند جوڑ دی ہے۔“

امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس تبصرہ کے بعد اس سند کے ایک راوی پر ائمہ جرح و تعدیل کا کچھ کلام بھی نقل کیا ہے۔ اس کے بعد ایک دوسری سند سے بروایت ابن عباس یہ حدیث ذکر کی ہے:

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اس کے ساٹھ سال کے صیام و قیام کی عبادت لکھ دی جائے گی اور اس کو دس ہزار فرشتوں، ایک ہزار حاجیوں و عمرہ کرنے والوں اور دس ہزار شہیدوں کا ثواب دیا جائے گا، اور اس کے نامہ اعمال میں ساتوں آسمان بھر کا ثواب لکھ دیا جائے گا، اور جس کے پاس عاشوراء کے دن کوئی مومن افطار کرے گا تو گویا اس کے پاس ساری امت محمدیہ نے افطار کیا، اور جس نے اس دن کسی بھوکے کو کھانا کھلایا اس نے گویا آپ کی امت کے تمام فقیروں کو کھانا کھلا دیا اور آسودہ کیا، اور جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر دیا تو یتیم کے سر کے ہر بال کے عوض جنت میں اس کا ایک ایک درجہ بلند کیا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یوم عاشوراء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بڑی فضیلت عطا کی ہے۔ آپ نے فرمایا: بے شک عطا کی ہے۔ یہی تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے آسمان، زمین، پہاڑ، تارے، لوح و قلم، جبریل فرشتے، آدم اور ولد ابراہیم کو پیدا کیا، اسی دن ابراہیم کو آتش نمرود سے صحیح سالم نکالا، اسی دن اسماعیل کو فدیہ دے کر بچایا، اسی دن فرعون کو ڈبوایا، اسی دن اور لیس کو اٹھایا اور اسی دن انھیں پیدا کیا، اسی دن آدم کی توبہ قبول کی، اسی دن داؤد کی مغفرت کی، اسی دن سلیمان کو سلطنت دی، اسی دن رسول اللہ ﷺ کو پیدا کیا، اسی دن اللہ تعالیٰ عرش پر جلوہ فرما ہوا، اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ حدیث بھی بلاشبہ موضوع ہے۔ امام احمد نے فرمایا (اس حدیث کا ایک راوی) حبیب بن ابی جھوٹا راوی ہے۔ ابن عدی نے کہا کہ یہ شخص حدیثیں گڑھتا ہے۔ ابو حاتم نے کہا کہ یہ حدیث باطل اور بے بنیاد ہے، حبیب مرو کا باشندہ حدیثیں گڑھ کر ثقہ راویوں پر چسپاں کر دیتا ہے، اس کی حدیثیں نقل کرنی جائز نہیں ہیں، مگر یہ کہ بطور تنقید نقل کی جائیں۔“ (کتاب الموضوعات، ۲/۲۰۳)

حافظ سیوطی نے بھی اللآلی المصنوعہ (ص ۳۶۷) میں اسے نقل کیا ہے، اور اسی حبیب کو اس روایت کا وضاع قرار دیا ہے۔ پھر موضوع روایات کے تحت امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے یہ تیسری حدیث نقل کی ہے۔

(۳) عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے اہل پر عاشوراء کے دن کشادگی کی اللہ تعالیٰ اس پر سال بھر کشادگی کرے گا۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں:

”عقیل نے کہا کہ اس حدیث کا راوی ہمصم مجہول ہے اور حدیث غیر محفوظ ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس شخص کی روایات سے احتجاج جائز نہیں ہے، اس حدیث کو سلیمان بن ابی عبد اللہ نے بھی ابو ہریرہ سے نقل کیا ہے، عقیل نے کہا کہ سلیمان مجہول ہے اور حدیث غیر محفوظ ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے کسی بھی مسند روایت میں یہ قول ثابت نہیں۔“ (کتاب الموضوعات، ۲/۲۰۳)

یہ حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابو ہریرہؓ کے علاوہ سعید اور جابر سے بھی روایت کی گئی ہے اور اسے بہت سے محدثین نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے، چنانچہ اس حدیث کو رزین نے اپنے جامع میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، طبرانی نے الکبیر میں، ابن عدی نے اپنی مسند میں، ابن عبد البر نے الاستذکار میں، اور بعض دوسرے محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ میں اس روایت کو کئی سندوں

سے ذکر کر کے اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور ابو الفضل ابن ناصر نے اس کے بعض طرق کو صحیح کہا ہے، امام بیہقی و حافظ عراقی اس کی تحسین کے حق میں ہیں اور حافظ السخاوی کا میلان بھی جابر بن عبد اللہ والی حدیث کی تحسین کی طرف ہے اور علامہ عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاة المفاتیح کے نزدیک بھی امام بیہقی کا رجحان معتمد ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا ہم نے اس کا تجربہ کیا تو اس کو ایسا ہی پایا۔ جابر، ابوالزیر اور شعبہ سے بھی یہی منقول ہے۔ (مرعاة المفاتیح، ۱۷۵/۳)

محدث دوراں علامہ ناصر الدین البانیؒ فرماتے ہیں:

وهو حديث ضعيف من جميع طرقه وحكم عليه شيخ الاسلام ابن تيمية بالوضع فما أبعد والشريعة ولا تثبت بالتجربة. (تعلق مشکوة، ۲۰۱/۱)

”یہ حدیث جمیع طرق کے ساتھ ضعیف ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے موضوع کہا ہے اور اس کا موضوع ہونا کچھ مستبعد نہیں، رہا فلاں فلاں کا تجربہ سو تجربہ شریعت میں حجت نہیں۔“

اوپر گزرا کہ امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوع روایات میں شمار کیا ہے اور امام ابو جعفر عقیلی نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی بھی مستند روایت میں یہ قول ثابت نہیں، آٹھویں صدی کے محدث و فقیہ حافظ ابن رجب لطف المعارف میں فرماتے ہیں:

وقد روى من وجوه متعددة لا يصح فيها شيء.

”یہ حدیث کئی سندوں سے روایت کی گئی ہے مگر کوئی بھی روایت اس بارے میں صحیح نہیں ہے۔“

منهاج السنة (۲/۲۳۸) و فتاویٰ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ (۲/۲۵۳) میں اس حدیث کے متعلق امام احمد سے منقول ہے:

لا اصل له فلم يرہ شيئا.

”اس روایت کی کوئی اصل نہیں۔“

امام احمد نے اس روایت کو کچھ نہیں سمجھا۔ حافظ ذہبی، ابن وضاح اور صاحب سفر السعادة کے رویہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔
شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ایک موقع پر عاشوراء کے متعلق جھوٹی روایتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

توسيع النفقات فيه هو من البدع المحدثه للرافضة وقد وضعت في ذلك احاديث مكذوبة في فضائل ما يصنع فيه وصححها البعض كابن الناصر وغيره ولكن ليس فيها ما يصح لكن رویت لاناس اعتقدوا صحتها فعملوا بها ولم يعلموا انها كذب. (اقتضاء الصراط المستقيم، ص ۳۰۱)

”عاشورہ کے دن نفقہ میں کشادگی کرنا بدعتوں میں سے ہے جو روافض (مدعیان حب اہل بیت) کے بالمقابل وضع کی گئی ہیں، اور ان بدعات کے فضائل میں بہت سی جھوٹی روایتیں گڑھ لی گئی ہیں، اور ابن ناصر وغیرہ بعض حضرات نے اس کو صحیح قرار دیا ہے حالانکہ اس باب میں کوئی بھی صحیح روایت نہیں ہے۔ کچھ لوگوں نے لاعلمی میں اس کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل کیا ہے۔“

علامہ محدث عطاء اللہ حنیف صاحب بھوجیانی تحریر فرماتے ہیں:

”یہ روایت ہرگز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ حافظ سیوطی نے اس کی دو چار سندیں ذکر کی ہیں، ان سب میں ایسے مجروح راوی ہیں، جن کی وجہ سے کثرت طرق کے باوجود یہ روایت درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ عبداللہ بن مسعود والی سند میں دوراوی نہایت کمزور ہیں اور ابو ہریرہ والی ایک سند میں ہیسیم بن شدان بہت ہی ضعیف ہے اور دوسری میں سلیمان ہیں، جو مجہول ہیں اور جابر والی سند میں دوراوی ہیں، جن کو محدثین نے وضاع (جھوٹی حدیثیں گڑھنے والا) کہا ہے۔“

ایک سند کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا:

”یہ سخت منکر ہے، اس میں ایک خارجی راوی ہے اور ابوسعید والی سند میں مجہول راوی ہیں، اور دو راوی متروک ہیں، اس حدیث کی بعض سندوں میں خارجی راوی ہیں، اور زیادہ ترکوفی و بصری ہیں جہاں خروج و نصب (عداوت علی و حسین) کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ مدعیان اہل بیت نے اگر اس دن ماتم کی چیزیں پیدا کر لیں تو دشمنان اہل بیت نے ان کے مقابل مسرت کے امور اس دن کے لیے گڑھ لیے۔“

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”قتل حسین کے سبب شیطان نے دو بدعتیں پیدا کر دیں: ایک تو مدعیان حب حسین رافضیوں کے ذریعہ جنہوں نے اس دن کو یوم ماتم بنا لیا۔ دوسری بدعت دشمنان علی و حسین (خارجیوں) کے ذریعہ جنہوں نے اس دن کے لیے مسرت کے بہت سے عمل وضع کر لیے اور انہوں نے یہ حدیث گڑھی کہ جو شخص یوم عاشوراء کو اہل و عیال پر کشادگی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال کشادگی کرے گا وغیرہ وغیرہ۔“

(منہاج السنۃ، ۲/۲۴۸)

اس قسم کی روایات گڑھ لینا اہل بدعت کا عام شیوہ تھا۔ بسا اوقات راویان اہل حق بھی اپنی نادانستگی کے سبب ایسی روایتیں سن کر بیان کرنے لگتے تھے، جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے منہاج السنۃ، فتاویٰ اور اقتضاء الصراط المستقیم میں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ نے تہذیب التہذیب اور لسان المیزان میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ نیز ان مجہول راویوں اور ضعیف سندوں کے سوا رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کے زمانوں میں اس توسیع فقہ کا کہیں ثبوت نہیں ملتا، اس کے برعکس امام محمد بن وضاح نے امام یحییٰ بن یحییٰ التوفی ۲۳۳ھ سے نقل کیا ہے۔

”میں امام مالک رحمۃ اللہ کے زمانے میں مدینہ منورہ اور امام لیث و ابن القاسم

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

وابن وہب کے ایام میں مصر میں موجود تھا اور یہ دن (یوم عاشوراء) وہاں آیا تھا، مگر کسی سے میں نے اس توسیعِ نفعہ کا ذکر تک نہیں سنا، اگر ان کے یہاں کوئی ایسی روایت ہوتی تو باقی احادیث کی طرح اس کا بھی وہ ذکر کرتے۔“ (البدع المنہی عنہا، ص ۳۵)

امام وضاح اور امام یحییٰ بن یحییٰ تیسری صدی کے بلند پایہ محدث ہیں، ان کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ عمل جس کسی کا تھا بلا ثبوت تھا، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سلف کا زمانہ دوسری بدعات کے ساتھ توسیعِ نفعہ سے بھی خالی تھا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا من البدع المنكرة التي لم يسنها رسول الله ﷺ ولا خلفاء الراشدين ولا استحباها احد من ائمة المسلمين لامالك ولا احمد بن حنبل ولا الشافعي ولا اسحاق بن راهويه ولا امثال هؤلاء من ائمة المسلمين. (فتاوى ابن تيميه، ۲/۳۵۳)

”۱۰۔ ارمحرم کو خاص کھانا پکانا توسیع کرنا وغیرہ مجملہ ان بدعات و منکرات سے ہے جو نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے نہ خلفاء راشدین سے اور نہ ائمہ مسلمین سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا ہے۔“

نیز آگے فرماتے ہیں:

”یوم عاشوراء کو شیعوں نے ماتم وغیرہ کی بدعت نکالی اور خارجیوں نے سرمہ لگانا، غسل کرنا، عیال پر کشادگی کرنا وغیرہ مشروع قرار دیا، یہ ایک بدعت ہے جو دشمنان حسین نے نکالی ہے اور وہ ایک بدعت ہے، جسے مہمان حسین نے وضع کی ہے اور جو بدعت بھی ہو وہ گمراہی ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے بعد ائمہ اسلام نے نہ اس کو پسند کیا ہے نہ اس کو اور ان دونوں بدعتوں میں سے کسی کے لیے بھی کوئی دلیل شرعی موجود نہیں ہے، جمہور علماء کے نزدیک یوم عاشوراء کو صرف روزہ رکھنا مستحب ہے، اور یہ بھی مستحب ہے کہ اس کے ساتھ

نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھا جائے۔“ (منہاج النبیہ، ۲/۲۳۸)

حافظ پیشمی نے مجمع الزوائد (۱۸۸/۳) میں باب فی صیام عاشوراء کے تحت یہ روایت نقل کی ہے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عاشوراء کے دن کشتی نوح جو دی پہاڑ پر رک گئی اور سب نیچے اتر آئے اور بطور شکر الہی نوح علیہ السلام اور جملہ مومنین اور کشتی پر سوار تمام چرند و پرند نے اس دن روزہ رکھا۔ یہی وہ یوم عاشوراء ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر پھاڑا اور آدم کی توبہ قبول کی اور اسی مبارک دن میں قوم یونس کی بھی توبہ قبول ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام اسی مبارک دن میں پیدا ہوئے۔

حافظ پیشمی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اس کا ایک راوی عبد الغفور ہے جو متروک ہے، اور متروک راوی کی روایت مردود روایات کے خانہ میں آتی ہے۔ یہ روایت اس لائق نہیں کہ اسے قبول کیا جائے۔

عاشوراء کے دن کو کوہ جو دی پر کشتی نوح کا ٹھہرنے اور نوح علیہ السلام کے اس دن روزہ رکھنے کا ذکر مسند احمد (۲/۳۵۹) میں بھی ہے، مگر یہ حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی عبد الصمد کو امام احمد نے ضعیف کہا ہے اور عبد الصمد نے اس حدیث کو اپنے باپ حبیب بن عبد اللہ الازدی سے روایت کیا ہے اور اس کو ابو حاتم نے مجہول کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب بحوالہ محرم الحرام و مسئلہ حضرت حسین و یزید تألیف مولانا عبد السلام رحمانی حفظہ اللہ مطبع مکتبہ ترجمان دہلی ۱۹۷۷ء)

یہ تو تھیں وہ مشہور روایات جو یوم عاشورہ کے اعمال کے فضائل سے متعلق کتب حدیث میں ملتی ہیں، اس کے علاوہ بھی متعدد روایات ہیں جو ہم طوالت کے سبب نظر انداز کرتے ہیں۔

سانحہ کربلا اور حضرت حسینؑ و یزیدؑ

سانحہ شہادت حسینؑ اور واقعات کربلا کے موضوع پر آج سے کئی صدیاں قبل شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ھ-۷۲۸ھ) نے جو کچھ لکھا ہے وہ حق و اعتدال کا ایک بہترین نمونہ، دلائل و براہین کا نادر مرقع اور خداداد فہم صحیح کا شاہکار ہے۔ انہوں نے اپنی تالیفات میں متعدد مقامات پر اس کو موضوع بحث بنایا ہے۔ بالخصوص ”منہاج السنۃ“ میں اس پر بڑی عمدہ بحث فرمائی ہے جس کی ضروری تلخیص مولانا عبدالرزاق بلخ آبادی نے اردو زبان میں کر کے شائع کر دی تھی۔ اس کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر ہم ذیل میں امام موصوف کی وہ ترجمہ شدہ تحریر نامور محقق حضرت مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ”ماہ محرم اور موجودہ مسلمان“ کے حوالے سے شکریہ کے ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

علماء اسلام میں کوئی ایک بھی یزید بن معاویہؓ کو ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی طرح خلفائے راشدین میں سے نہیں سمجھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ خلافة النبوة ثلاثون سنة تم یوتی اللہ الملک من یشاء۔ (مسند امام احمد ۵/۲۲۰، ۲۲۱ و سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی الخلفاء ۴۶۳۶، ۴۶۳۷ و جامع ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی الخلافة ۲۲۲)

”خلافت میں برس تک منہاج نبوت پر رہے گی پھر اس کے بعد جسے اللہ چاہے گا بادشاہت عطا فرمائے گا۔“

علمائے اہل سنت اس حدیث کے مطابق یزید اور اس جیسے آدمی اور عباسی خلفاء کو محض

فرماں روا، بادشاہ اور اسی معنی میں خلیفہ خیال کرتے ہیں۔ ان کا خیال بالکل درست ہے۔ یہ ایک محسوس واقعہ ہے جس کا انکار غیر ممکن ہے، کیونکہ یزید اپنے زمانہ میں عملاً ایک بادشاہ، ایک حکمراں، ایک صاحب سیف اور خود مختار فرماں روا تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا اور شام مصر عراق خراسان وغیرہ اسلامی ممالک میں اس کا حکم نافذ ہوا۔ حضرت حسینؑ قبل اس کے کہ کسی ملک پر بھی حاکم ہوں، یوم عاشوراء کو ۶۰ھ میں شہید ہو گئے اور یہی یزید کی سلطنت کا پہلا سال ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید سے اختلاف کیا اور باشندگان مکہ و حجاز نے ان کا ساتھ دیا، لیکن یہ واقعہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے خلافت کا دعویٰ یزید کی زندگی میں نہیں کیا بلکہ اس کے مرنے کے بعد کیا۔ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شروع شروع میں اختلاف کرنے کے باوجود عبداللہ بن زبیر یزید کے جیتے جی اس کی بیعت پر رضامند ہو گئے تھے، مگر چونکہ اس نے یہ شرط لگا دی تھی کہ قید ہو کر اس کے سامنے حاضر ہوں اس لیے بیعت رہ گئی اور باہم جنگ برپا ہوئی، پس اگرچہ یزید تمام بلاد اسلامیہ کا حکمراں ہوا اور عبداللہ بن زبیرؓ کا ماتحت علاقہ اس کی اطاعت سے برگشتہ رہا، تاہم اس سے اس کی بادشاہت اور خلافت میں شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ خلفاء ثلاثہ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، اور پھر معاویہ بن ابی سفیانؓ، عبدالملک بن مروان اور اس کی اولاد کے سوا کوئی بھی اموی یا عباسی خلیفہ پورے بلاد اسلامیہ کا تہا فرماں روا نہیں ہوا حتیٰ کہ خود حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تمام دنیا کی حکومت نہ تھی۔

بادشاہوں پر خلیفہ کا اطلاق

پس اگر اہل سنت ان بادشاہوں میں کسی کو خلیفہ یا امام کہتے ہیں تو اس سے مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں خود مختار تھا، طاقتور تھا، صاحب سیف تھا، عزل و نصب کرتا تھا، اپنے احکام کے اجراء کی قوت رکھتا تھا، حدود شرعی قائم کرتا تھا، کفار پر جہاد

کرتا تھا، یزید کو امام اور خلیفہ کہنے کا یہی مطلب ہے اور ایک ایسی واقعی بات ہے کہ اس کا انکار غیر ممکن ہے۔ یزید کے صاحب اختیار بادشاہ ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ ابو بکر، عمر، حکمران نہیں تھے یا یہ کہ قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی۔

یہ خلفاء معصوم نہ تھے

رہا مسئلہ یزید، عبدالملک اور منصور وغیرہ خلفاء کا کہ نیک تھے یا بد، صالح تھے یا فاجر تو علماء اہل سنت نہ انھیں معصوم سمجھتے ہیں، نہ ان کے تمام احکام و اعمال کو عدل و انصاف قرار دیتے ہیں، اور نہ ہر بات میں ان کی اطاعت واجب تصور کرتے ہیں، البتہ اہل سنت و الجماعت کا یہ خیال ضرور ہے کہ عبادت و طاعت کے بہت سے کام ایسے نہیں، جن میں ہمیں ان کی ضرورت ہے مثلاً یہ کہ ان کے پیچھے جمعہ و عیدین کی نمازیں قائم کی جاتی ہیں، ان کے ساتھ کفار پر جہاد کیا جاتا ہے، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور حدود شرعیہ کے قیام میں ان سے مدد ملتی ہے، نیز اسی نوع سے دوسرے معاملات میں۔ اگر حکام نہ ہوں تو ان اعمال کا ضائع ہو جانا اغلب ہے بلکہ ان میں سے بعض کا موجود ہونا ہی غیر ممکن ہے۔

نصب امام کے چند اصول

اہل سنت کے اس طریقہ پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا، کیونکہ اعمال صالحہ انجام دینے میں اگر نیکوں کے ساتھ برے بھی شامل ہوں، تو اس سے نیکوں کے عمل کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلاشبہ یہ بالکل درست ہے کہ اگر عادل اور صالح امام کا تعین ممکن ہو تو فاجر اور مبتدع شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اہل سنت کا یہی مذہب ہے، لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو بلکہ امامت کے دونوں مدعی فاجر و مبتدع ہوں تو ظاہر ہے کہ حدود شرعیہ و عبادات دینیہ

کے قیام کے لیے دونوں میں سے زیادہ اہلیت و قابلیت والے شخص کو منتخب کیا جائے گا۔ ایک تیسری صورت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص موجود ہو جو صالح ہو، مگر سپہ سالاری کے فرائض و واجبات ادا کرنے کا اہل نہ ہو، اس کے بالمقابل ایک فاجر شخص ہو جو بہترین انداز میں فوجیوں کی قیادت کر سکتا ہو تو جس حد تک جنگی مقاصد کا تعلق ہے یقیناً آخر الذکر یعنی فاجر کو سراہا بنا کر لے گا اور نیکی کے کاموں میں اس کی اطاعت و امداد کی جائے گی، بدی اور برائی میں اس پر اعتراض اور انکار کیا جائے گا۔

حفظ مصالِح اور دفع مقاصد

غرض کہ امت کی مصلحتوں کا لحاظ مقدم ہے۔ اگر کسی فعل میں برائی اور بھلائی دونوں موجود ہوں تو دیکھا جائے گا کہ کس کا پلہ بھاری ہے، اگر بھلائی زیادہ نظر آئے تو اس فعل کو پسند کیا جائے گا، اگر برائی غالب دکھائی دے تو اس کے ترک کو ترجیح دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس لیے مبعوث فرمایا تھا کہ مصالِح کی تائید و تکمیل فرمائیں اور مفسد مٹائیں یا کم کریں۔ یزید، عبد الملک اور منصور جیسے خلفاء کی اطاعت اسی لیے کی گئی کہ ان کی مخالفت میں امت کے لیے نقصان نفع سے زیادہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ان خلفاء کے خلاف جن لوگوں نے خروج کیا، ان سے امت کو سراسر نقصان پہنچا، نفع ذرا بھی نہیں ہوا بلاشبہ ان خروج کرنے والوں میں بڑے بڑے اختیار و فضلاء تھے، مگر ان کی نیکی و خوبی سے ان کا یہ فعل لازماً مفید نہیں ہو سکتا۔ انھوں نے اپنے خروج سے نہ دین کو فائدہ پہنچایا، نہ دنیوی نفع حاصل کیا اور معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے فعل کا حکم نہیں دیتا جس میں نہ دنیا کا بھلا ہو نہ دین کا۔ جن لوگوں نے خروج کیا ان سے کہیں زیادہ افضل حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ وغیرہم صحابہ تھے مگر انھوں نے اپنی خوں ریزی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

عہد فتن میں خروج کی ممانعت

یہی وجہ ہے کہ حسن بصریؒ حجاج بن یوسف ثقفی کے خلاف بغاوت سے روکتے تھے اور کہتے تھے حجاج اللہ کا عذاب ہے، اسے اپنے ہاتھوں کے زور سے دور کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اللہ کے سامنے تضرع و زاری کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے:

وَلَقَدْ أَخَذْنَاَهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكْبَرُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۝

(المؤمنون: ۷۶)

”ہم نے ان کی عذاب کے ذریعہ گرفت کی، انھوں نے پھر کبھی اپنے رب کے سامنے نہ عاجزی کا اظہار کیا اور نہ اس کے حضور گڑ گڑائے۔“

اسی طرح دیگر اخبار اور ابرار بھی خلفاء کے خلاف خروج اور عہد فتن میں جنگ سے منع کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سعید بن مسیبؓ، حضرت زین العابدینؓ، علی بن حسینؓ وغیرہم اکابر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم جنگ حرہ کے زمانے میں یزید کے خلاف بغاوت کرنے سے روکتے تھے، احادیث صحیحہ بھی اسی مسلک کی موید ہیں۔ اسی لیے اہل سنت کے نزدیک یہ تقریباً متفق علیہ مسئلہ ہے کہ عہد فتن میں قتال و جدال سے اجتناب اور ظلم و زیادتی پر صبر کیا جائے اور علمائے اسلام بھی مسئلہ کتب عقائد میں بھی ذکر کرتے رہے ہیں اور جو شخص متعلقہ احادیث اور اہل سنت کے صاحب بصیرت علماء کے طرز عمل و فکر میں تامل کرے گا، اس پر مسلک کی صحت و صداقت بالکل واضح ہو جائے گی۔

حضرت حسینؓ کا عزم عراق

اسی لیے جب حضرت حسینؓ نے عراق جانے کا ارادہ کیا تو اکابر اہل علم و تقویٰ مثلاً عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابوبکر بن عبدالرحمن بن حارث نے ان سے بہ منت کہا کہ وہاں نہ جائیں، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ آپ ضرور شہید ہوں گے حتیٰ کہ روانگی کے وقت

بعض حضرات نے یہاں تک کہہ دیا:

استودعک اللہ یا قتیل.

”اے شہید ہم تجھے اللہ کو سونپتے ہیں۔“

اور بعضوں نے کہا:

لولا الشناعة لامتسک و منعتک من الخروج.

”اگر بے ادبی نہ ہوتی تو ہم آپ کو زبردستی پکڑ لیتے اور ہرگز نہ جانے دیتے۔“

اس مشورہ سے ان لوگوں کے مد نظر صرف آپ کی خیر خواہی اور مسلمانوں کی مصلحت تھی مگر حضرت حسینؑ اپنے ارادے پر قائم رہے۔ آدمی کی رائے کبھی درست ہوتی ہے اور کبھی غلط ہو جاتی ہے۔ بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ حضرت حسینؑ کو عراق جانے سے روکنے والوں ہی کی رائے درست تھی، کیونکہ آپ کے جانے سے کوئی دینی یا دنیاوی مصلحت حاصل نہ ہوئی بلکہ یہ مضرت پیدا ہوئی کہ سرکشوں اور ظالموں کو رسول خدا ﷺ کے جگر گوشے پر قابو مل گیا، اور وہ مظلوم شہید کر دیے گئے۔ آپ کے جانے اور پھر قتل سے جتنے مفاسد پیدا ہوئے وہ ہرگز واقع نہ ہوتے۔ اگر آپ اپنی جگہ بیٹھے رہتے کیونکہ جس خیر و صلاح کے قیام اور شرف و فساد کے دفعیہ کے لیے آپ اٹھے تھے، اس میں کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ برعکس اس کے شر کو غلبہ و عروج حاصل ہو گیا، خیر و صلاح میں کمی آگئی اور ایک عظیم دائمی فتنہ کا دروازہ کھل گیا، جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنے پھیلے اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے بھی فتنوں کے سیلاب بہا دیے۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ

اس پر تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب مقام کربلا پر پہنچے تو گورنر کوفہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو مجبور کر کے آپ کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ عمر بن سعد

نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے گفتگو کی تو متعدد تاریخی روایتوں کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی۔

(۱) میں یا تو کسی اسلامی سرحد پر چلا جاتا ہوں۔

(۲) یا پھر واپس مدینہ لوٹ جاتا ہوں۔

(۳) یا پھر میں براہ راست جا کر یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیتا

ہوں یعنی اس سے بیعت کر لیتا ہوں۔ عمر بن سعد نے ان کی یہ تجویز قبول کر لی۔

(الاصابة، ۱۷/۲)

عمر بن سعد نے تجویز منظور کر لینے کے بعد یہ تجویز ابن زیاد (گورنر کوفہ) کو لکھ کر بھیجی مگر اس نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اور اس بات پر اصرار کیا کہ پہلے وہ (یزید کے ہاتھ) میرے ہاتھ پر بیعت کریں ”فكتب اليه عبيدالله ابن زياد لا اقبل منه حتى يضع يده في يدي.“ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس کے لیے تیار نہ تھے اور ان کی طبع خود دار نے یہ گوارا نہیں کیا، چنانچہ اس شرط کو مسترد کر دیا جس سے لڑائی چھڑ گئی اور آپ کی مظلومانہ شہادت کا یہ واقعہ فاجعہ پیش آ گیا۔ فانا لله وانا اليه راجعون فامتنع الحسين فقاتلوه..... ثم كان آخر ذلك ان قتل رضی اللہ عنہ وارضاه.

اس روایت کے مندرجہ بالا الفاظ الاصابة کے علاوہ تہذیب التہذیب (۲/۳۲۸-۳۵۳) تاریخ طبری (۵/۳۹۲، ۴۱۳، ۴۱۴)، تہذیب تاریخ ابن عساکر (۴/۳۲۵-۳۳۷)، البدایہ والنہایہ (۸/۱۷۰، ۱۷۵) اور کامل ابن اثیر (۳/۲۸۲) اور دیگر کئی کتابوں میں موجود ہیں، حتیٰ کہ شیعہ کتب میں بھی۔

اطاعت فی المعروف

اب یہ بات صاف ہو گئی کہ یزید کا کوئی معاملہ جداگانہ معاملہ نہیں بلکہ دوسرے

مسلمان بادشاہوں کا سا معاملہ ہے یعنی جس کسی نے اطاعت الہی مثلاً نماز، حج، اور زکوٰۃ، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور اقامت حدود شرعیہ میں ان کی موافقت کی اسے اپنی اس نیکی اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری پر ثواب ملے گا چنانچہ اس زمانہ کے صالح مومنین مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا یہی طریقہ تھا لیکن جس نے ان بادشاہوں کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم میں مددگار ہوا وہ گنہگار ہوا اور زبرد تو بخ اور مذمت و سزا کا سزاوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین یزید وغیرہ امراء کی ماتحتی میں جہاد کو جاتے تھے چنانچہ جب یزید نے اپنے باپ معاویہ کی زندگی میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا تو ان کی فوج میں حضرت ابویوب انصاریؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی شریک تھے۔ یہ مسلمانوں کی سب سے پہلی فوج ہے جس نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اول جیش من امتی یغزون مدینة قیصر مغفور لهم۔ (صحیح بخاری،

کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم ۶/۱۲۷، رقم الحدیث ۲۹۲۳)

”جو فوج سب سے پہلے قسطنطنیہ کا غزوہ کرے گی مغفور یعنی بخشی بخشی ہوگی۔“

یزید کے بارے میں افراط و تفریط

اس تفصیل کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ یزید کے بارے میں لوگوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ ایک گروہ تو خلفائے راشدین اور انبیائے مقررین میں سے سمجھتا ہے اور یہ سراسر غلط ہے۔ دوسرا گروہ اسے باطن میں کافر و منافق بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ اس نے قصداً حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور مدینہ میں قتل عام کرایا، تاکہ اپنے رشتہ داروں کے خون کا انتقام لے جو بدر و خندق وغیرہ کی جنگوں میں بنی ہاشم اور انصار کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔

حقیقت حال

حقیقت یہ ہے کہ یزید مسلمان بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ اور دنیا دار خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھا۔ رہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ تو بلاشبہ اسی طرح مظلوم شہید ہوئے، جس طرح اور بہت سے صالحین ظلم و قہر کے ہاتھوں جام شہادت پی چکے تھے۔ ا۔ ب۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت اور نافرمانی ہے۔ خون حسین سے ان تمام لوگوں کے دامن آلودہ ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا یا قتل میں مدد کی یا قتل کو پسند کیا۔

شہادت حسینؑ کے بارے میں افراط و تفریط

جس طرح لوگوں نے یزید کے بارے میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ اسی طرح بعضوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں بے اعتدالی برتی ہے۔

ایک گروہ کہتا ہے (معاذ اللہ) ان کا قتل درست اور شریعت کے مطابق ہوا کیونکہ انہوں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور جماعت کو توڑنے کی کوشش کی تھی، اور جو ایسا کرے اس کا قتل واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ فرما چکے ہیں:

من جاءكم و امرکم علی رجل واحد یرید ان یفرق جماعتکم فاقتلوه۔

”اتفاق کی صورت میں جو تم میں پھوٹ ڈالنے آئے اسے قتل کر ڈالو۔“

حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی پھوٹ ڈالنا چاہتے تھے اس لیے بجا طور پر قتل کر ڈالے گئے بلکہ بعضوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ اسلام میں اولین باغی حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے مقابلے میں دوسرا گروہ کہتا ہے:

حضرت حسین رضی اللہ امام برحق تھے، ان کی اطاعت واجب تھی، ان کے بغیر ایمان کا کوئی تقاضا بھی پورا نہیں ہو سکتا، جب تک ان کی طرف سے اجازت موجود نہ ہو۔

مقابلہ کا ارادہ ترک کر دیا

افراط و تفریط کی ان دو انتہاؤں کے درمیان اہل سنت ہیں، وہ نہ پہلے گروہ کے ہمنوا ہیں اور نہ دوسرے گروہ کے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت حسین مظلوم شہید کیے گئے، ان کے ہاتھ میں امت کی سیاسی باگ ڈور نہیں آئی علاوہ برآں مذکورہ بالا حدیث ان پر چسپاں نہیں ہوتی کیونکہ جب انھیں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کا انجام معلوم ہوا تو وہ اپنے اس ارادے سے دست بردار ہو گئے تھے اور فرماتے تھے: 'مجھے وطن جانے دو یا کسی سرحد پر مسلمانوں کی فوج سے جا ملنے دو یا خود یزید کے پاس پہنچنے دو، مگر مخالفین نے ان کی کوئی بات نہ مانی اور قید کرنے پر اصرار کیا جسے انھوں نے نامنظور کر دیا کیونکہ اسے منظور کرنا ان پر شرعاً واجب نہ تھا۔ (تاریخ طبری ۵/۳۱۳ طبع جدید میں یہ الفاظ ہیں: ان اضح یدی فی ید یزید بن معاویۃ فیروی فیما بینی و بینہ رایہ میں براہ راست یزید کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر دوں گا، بیعت کر لوں گا پھر وہ جیسا کہ مناسب سمجھے کرے گا)

واقعات شہادت میں مبالغہ

جن لوگوں نے واقعات شہادت قلمبند کیے ہیں ان میں اکثر نے بہت کچھ جھوٹ ملا دیا ہے جس طرح شہادت عثمان بیان کرنے والوں نے کیا اور جیسے مغازی و فتوحات کے راویوں کا حال ہے حتیٰ کہ واقعات شہادت کے مورخین میں سے بعض اہل علم مثلاً بغوی اور یعنی راستہ ہی سے واپس مکہ جانے کا ارادہ کر لیا، لیکن مسلم کے بھائیوں کے اصرار پر ان کا ساتھ دینا پڑا، جیسا کہ شیعہ سنی سب تاریخوں میں ہے۔

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

ابن العزرا وغیرہ بھی بے بنیاد روایتوں کا شکار ہو گئے ہیں۔ رہے وہ مصنفین جو بلا اسناد واقعات روایت کرتے ہیں تو ان کے ہاں جھوٹ و افسانہ بہت زیادہ ہے۔

دندان مبارک پر چھڑی مارنے کا واقعہ

صحیح طور پر صرف اس قدر ثابت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لایا گیا۔ اس نے آپ کے دانتوں پر چھڑی ماری اور آپ رضی اللہ عنہ کے حسن کی مذمت کی۔ مجلس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ عنہ دو صحابی موجود تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے اس کی تردید کی اور کہا آپ رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے، صرف انس رضی اللہ عنہ ہی بلکہ اور صحابہ کو بھی آپ کی شہادت سے از حد ملال تھا، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک عراقی نے پوچھا کہ حالت احرام میں مکھی کا مارنا جائز ہے

۱۔ دنیا میں انسانی عظمت و شہرت کے ساتھ حقیقت کا توازن بہت کم رہ سکا ہے یہ عجیب بات ہے کہ جو شخصیتیں عظمت و تقدس اور قبول شہرت کی بلندیوں پر پہنچ جاتی ہیں۔ دنیا انھیں عموماً تاریخ و حقیقت سے زیادہ افسانہ و تخیل کے انداز میں ڈھونڈنا چاہتی ہے۔ اس لیے فلسفہ تاریخ کے بانی ابن خلدون کو یہ قاعدہ بتا دینا پڑا کہ جو واقعہ دنیا میں جس قدر مقبول و مشہور ہوگا، زیادہ افسانہ سرائی اسے اپنے حصار تخیل میں لے لے گی۔ ایک مغربی شاعر گوئے نے یہی حقیقت ایک دوسرے پیرایہ میں بیان کی ہے وہ کہتا ہے کہ انسانی عظمت کی انتہا یہ ہے کہ افسانہ بن جائے۔

حادثہ کربلا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا اتنا مشہور اور تاثیر رکھنے والا واقعہ بھی تاریخ سے کہیں زیادہ افسانہ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اگر آج جو یائے حقیقت چاہے کہ صرف تاریخ کی محتاط شہادتوں کے اندر اس حادثہ کا مطالعہ کرے تو اکثر اسے مایوسی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس وقت جس قدر بھی مقبول اور متداول ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے وہ زیادہ تر ثناء خوانی سے تعلق رکھتا ہے۔ (مولانا ابوالکلام آزاد)

انھوں نے خفا ہو کر جواب دیا:

اے اہل عراق تمہیں مکھی کے جان کا اتنا خیال ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے نوا سے کو قتل کر چکے ہو۔ بعض روایتوں میں دانتوں پر چھڑی مارنے کا واقعہ یزید کی طرف منسوب کیا گیا ہے، جو بالکل غلط ہے، کیونکہ جو صحابی اس واقعہ میں موجود تھے وہ دمشق میں نہیں تھے عراق میں تھے، متعدد مورخین نے جو نقل کیا ہے وہ یہی ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم نہیں دیا اور نہ یہ بات ہی اس کے پیش نظر تھی بلکہ وہ تو اپنے باپ معاویہ رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق ان کی تعظیم و تکریم کرنا چاہتا تھا، البتہ اس کی یہ خواہش ضرور تھی کہ آپ خلافت کے مدعی ہو کر اس کے خلاف خروج نہ کریں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب کربلا پہنچے، آپ کو اہل کوفہ کی بے وفائی کا یقین ہو گیا تو ہر طرح کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے تھے مگر مخالفوں نے نہ انھیں واپس ہونے دیا نہ جہاد پر جانے دیا اور نہ یزید کے پاس بھیجنے پر رضا مند ہوئے بلکہ قید کرنا چاہا جسے آپ نے نامنظور کیا اور شہید ہوئے۔ یزید اور اس کے خاندان کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور روئے بلکہ یزید نے تو یہاں تک کہا:

لعن الله ابن مرجانہ، اما والله لو كان بينه وبين الحسين رحم لما قتله.

”ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد) پر اللہ کی پھنکارو اللہ اگر وہ خود حضرت حسین رضی اللہ

عنه کا رشتہ دار ہوتا تو ہرگز قتل نہ کرتا۔“

اور کہا:

كنت ارضى من طاعة اهل العراق بدون قتل الحسين.

”بغیر قتل حسین رضی اللہ عنہ کے بھی میں اہل عراق کی اطاعت منظور کر سکتا تھا۔“

پھر اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پسماندگان کی بڑی خاطر تواضع کی۔

عزت کے ساتھ انھیں مدینہ واپس پہنچا دیا۔

یزید نے اہل بیت کی بے حرمتی نہیں کی

بلاشبہ یہ بھی درست ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرفداری نہیں کی، نہ ان کے قاتلوں کو قتل کیا، نہ ان سے انتقام لیا لیکن یہ کہنا سفید جھوٹ ہے کہ اس نے اہل بیت کی خواتین کو کنیز بنایا، ملک ملک پھرایا، اور بغیر کجاوہ کے انھیں اونٹ پر سوار کرایا۔ الحمد للہ مسلمانوں نے آج تک کسی ہاشمی عورت سے یہ سلوک نہیں کیا اور نہ اس اذیت ناک فعل کو امت کے کسی فرد نے کسی حال میں جائز رکھا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا گناہ عظیم

یہ بالکل درست ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا شہید کیا جانا عظیم ترین گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔ جنہوں نے یہ فعل کیا یا اس میں مدد کی، جو اس سے خوش ہوئے، وہ

۱۔ یہ سوال بجا ہے کہ یزید کوئی الواقع حسین کے قاتلوں سے مواخذہ کرنا چاہیے تھا اور انہیں ان کے عہدوں سے برطرف کر دینا چاہیے تھا، لیکن جس طرح ہر حکمران کی کچھ سیاسی مجبوریاں ہوتی ہیں، جس کی بنا پر بعض دفعہ انہیں اپنے ماتحت حکام کی بعض ایسی کارروائیوں سے چشم پوشی کرنی پڑتی ہے جنہیں وہ صریحاً غلط سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ہو سکتا ہے کچھ ایسی سیاسی مجبوری ہو جس کو یزید نے زیادہ اہمیت دی ہو گو اسے قتل حسین کو زیادہ اہمیت دینی چاہیے تھے۔ اسے آپ اس کی ایک بہت بڑی غلطی شمار کر سکتے ہیں اور بس خود حضرت علیؑ کو دیکھ لیجئے کہ ان کی خلافت کے مصالحوں نے انہیں نہ صرف قاتلین عثمان سے چشم پوشی پر مجبور کر دیا بلکہ انہیں بڑے بڑے اہم عہدے بھی سپرد کرنے پڑے حالانکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا سانحہ بھی کچھ کم المناک اور یہ جرم بھی کچھ عظیم جرم نہ تھا، لیکن اس کے باوجود حضرت علیؑ ان کے خلاف کچھ نہ کر سکے۔ یزید نے تو قاتلین حسین کو ان کے عہدوں سے برطرف ہی نہیں کیا لیکن حضرت علیؑ نے قتل عثمان کے بعد قاتلوں کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔ یہ موازنہ اگرچہ ہمارے لیے سخت اذیت ناک ہے، لیکن اس کا کیا علاج کہ اہل سنت جب عہد صحابہ کو بالکل شیعہ نقطہ نظر سے دیکھنا شروع کر دیں تو پھر اس کے بغیر چارہ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ان جسارتوں کو معاف فرمائے۔

سب کے سب اس عتاب الہی کے سزاوار ہیں، جو ایسے لوگوں کے لیے شریعت میں وارد ہے لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل ان لوگوں کے قتل سے بڑھ کر نہیں جو ان سے افضل تھے۔ مثلاً انبیاء، مومنین اولین، شہداء یمامہ، شہداء احد، شہداء بدر معونہ، حضرت عثمان یا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قاتل تو آپ کو کافر اور مرتد سمجھتے اور یقین کرتے تھے کہ آپ کا قتل عظیم ترین عبادت ہے، برخلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کہ ان کے قاتل انھیں ایسا نہیں سمجھتے تھے۔ ان میں سے اکثر آپ کے قتل کو ناپسند کرتے اور ایک بڑا گناہ تصور کرتے تھے، لیکن اپنی اغراض کے خاطر اس فعل شنیع کے مرتکب ہوئے جیسا کہ لوگ سلطنت کے لیے باہمی خوں ریزی کیا کرتے ہیں۔

سانحہ کربلا کی حیثیت

سانحہ کربلا اور اس کا درجہ کیا ہے؟ عام مسلمان اس بارے میں غلو اور افراط کے شکار ہیں۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے پچاس سال بعد یعنی ۶۱ھ میں پیش آیا۔ اس وقت بہت سے صحابہ کرام و تابعین عظام تھے، لیکن اس دور میں اس حادثہ کو اتنی اہمیت و حیثیت نہ دی گئی جتنی اہمیت دور حاضر میں حاصل ہو گئی ہے۔ یہ واقعہ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ اسے وہ اہمیت و حیثیت حاصل نہیں ہے جو آج ہم سمجھے رہے ہیں۔ یہ کہنا حد درجہ غلو ہے کہ جنگ کربلا کا درجہ اسلام کی ہر جنگ سے بڑھا ہوا ہے اور اس میں شہید ہونے والوں کا مرتبہ تمام شہدائے اسلام سے بلند و بالا ہے۔ شیعہ حضرات کو چھوڑیے اہل سنت کا ایک طبقہ بھی اس غلو میں مبتلا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی تحریر نظر سے گزری۔ مزید وضاحت کے لیے درج ذیل امور پر غور کیجئے تو حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی۔ جن غزوات میں رسول اللہ ﷺ خود بنفس نفیس شریک ہوئے ان کی عظمت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے اس کے علاوہ بھی ان میں اللہ تعالیٰ نے

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

تین خصوصیتیں ایسی جمع کر دی تھیں جن کے ہوتے ہوئے دنیا کی کوئی جنگ ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتی۔

اول: وہ لڑائیاں جو محض اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے اور دین کی اشاعت کے لیے لڑی گئی تھیں۔

دوم: یہ کہ ان سے دین کی بنیاد مستحکم ہوئی، دین حق مٹنے سے رہا، اس کی اشاعت کے لیے راستہ ہموار ہوا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو مابعد کے زمانوں میں دین باقی نہ رہ سکتا تھا، دشمنان اسلام اسے ابتدا ہی میں فنا کر دیتے۔

سوم: خود نبی ﷺ کی موجودگی و شرکت جس کام میں ہو اس کی فضیلت کو کوئی دوسرا کام نہیں پہنچ سکتا۔ آنحضرت ﷺ کی معیت ہر عمل کو فضیلت اور اس کے اجر کو اضافاً مضاعفاً کر دیتی ہے۔ ان غزوات عظیم کے مقابلے میں واقعہ کربلا کو لانا سورج کا مقابلہ چراغ سے کرنا ہے۔ سانحہ کربلا کو ان واقعات سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

ان غزوات کے بعد ان مجاہدانہ معرکوں کا درجہ ہے جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں ہوئے سانحہ کربلا ان کی فضیلت و عظمت کو بھی نہیں پہنچ سکتا بلکہ ان سے مرتبہ میں بہت کم ہے۔

حدیث قسطنطنیہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے قسطنطنیہ پر جو فوج لڑے گی، اللہ ان کی بخشش فرمائے گا۔ یہ روایت بخاری شریف میں کئی جگہ ہے۔ بخاری کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم میں ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے:

اول جش من امتی یغزون البحر قد وجبوا قالت ام حرام قلت یا رسول اللہ انا فیہم قال انت فیہم ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول جیش من

امتى يغزون مدينة قيصر مغفور لهم قلت انا فيهم يا رسول الله قال لا .

”میری امت کا جو پہلا لشکر بحری جہاد کرے گا ان لوگوں نے اپنے لیے جنت کو واجب کر لیا۔ ام حرام کہتی ہیں، میں نے عرض کیا: اے رسول اللہ ﷺ میں ان میں سے ہوں گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں تم ان میں سے ہو پھر آپ نے فرمایا: میری امت کا جو پہلا لشکر قیصر کے شہر پر جہاد کرے گا ان کے لیے مغفرت مقدر ہو چکی ہے۔ ام حرام نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ان میں سے ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح بخاری میں اس جگہ اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ اسی سلسلہ بحث میں فرماتے ہیں:

قال المهلب في هذا الحديث منقبة لمعاوية لانه اول من غز البحر ومنقبة لولده يزيد لانه اول من غزا مدينة قيصر .

”اس حدیث میں منقبت ہے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کیونکہ انھوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا ہے اور اسی طرح اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لڑکے یزید کی منقبت ہے کیونکہ اسی نے سب سے پہلے مدینہ قیصر (قطنظنیہ) کا غزوہ کیا ہے۔“

اس غزوہ قطنظنیہ میں یزید ہی امیر الکھیش تھا اور اسی کی ماتحتی میں بڑے بڑے صحابہ کرام شریک غزوہ تھے، حتیٰ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے، اسی غزوہ میں حضرت ایوب رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ ان کی وصیت کے مطابق یزید ہی نے پڑھائی، اور حضرت حسینؓ و سادات صحابہ جو بھی اس غزوہ میں شریک تھے، یزید کی امامت میں نمازیں پڑھتے تھے۔ کہیں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ کسی نے یزید کی امامت میں نماز پڑھنی ناپسند کی ہو۔ ہر صاحب ایمان کے بارے میں خواہ وہ فاسق و فاجر ہی سہی جس قدر ممکن ہو، نصیح و خیر کار و حجاج و جذبہ ہونا چاہیے مگر بعض لوگوں کا یہ رجحان اور یہ کوشش عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یزید کی مغفرت کا کوئی بہانہ نکلتا نظر آتا بھی ہو تو حجت و

تاویل کے ذریعہ اسے مسدود کرنے کے درپے نظر آتے ہیں۔

بخاری شریف کی اس مذکورہ حدیث کی بابت بھی بعض اہل علم نے ایسی بحثیں چھیڑ دی ہیں کہ کسی طرح یزید کو اس مغفرت الہی سے محروم ثابت کر دیا جائے، یہ بات قرین انصاف نہیں معلوم ہوتی۔ یزید کے فسق و فجور کی من گھڑت موضوع داستانیں تو مسلمہ حقائق کی طرف بیان کی جاتی ہیں، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے جو حضرت محمد ابن الحنفیہ کے نام سے مشہور ہیں کہ یہ شہادت ان حلقوں میں کسی طرح قابل قبول و مسموع نہیں ہو رہی ہے۔

حضرت محمد بن الحنفیہ کی طرف سے یزید کی صفائی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھائی محمد بن الحنفیہ نے ان لوگوں کے سامنے جن کے ہاتھ میں ”شورش“ کی قیادت تھی، یزید کی بیعت توڑ دینے اور اس کے خلاف کسی اقدام میں شرکت کرنے سے انکار کر دیا، بلکہ یزید پر لگائے گئے الزامات کو بے بنیاد قرار دیا اور یزید کی صفائی پیش کی۔ اس موقع پر جو انھوں نے تاریخی بیان دیا وہ حسب ذیل ہے:

”عبداللہ بن المطیع اور ان کے رفقاء کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ کے پاس گئے اور انھیں یزید کی بیعت توڑ دینے پر رضامند کرنے کی کوشش کی، لیکن انھوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ ابن مطیع نے کہا یزید شراب نوشی، ترک نماز اور کتاب اللہ کے حکم سے تجاوز کرتا ہے۔ محمد بن الحنفیہ نے کہا تم جن باتوں کا ذکر کرتے ہو میں نے ان میں سے کوئی چیز اس میں نہیں دیکھی۔ میں اس کے پاس گیا ہوں، میرا وہاں قیام بھی رہا، میں نے اس کو ہمیشہ نماز کا پابند، خیر کا متلاشی، علم دین کا طالب اور سنت کا ہمیشہ پاسدار پایا۔ وہ کہنے لگے: وہ سب کچھ محض تضح اور آپ کو دکھلاوے کے لیے کرتا ہوگا۔ ابن الحنفیہ نے جواب میں کہا: مجھ سے اسے کون سا خوف یا لالچ تھا جس کی بنا

پراس نے میرے سامنے ایسا کیا؟ تم جو شراب نوشی کا ذکر کرتے ہو کیا تم میں سے کسی نے خود اسے ایسا کرتے دیکھا ہے؟ اگر تمہارے سامنے اس نے ایسا کیا ہے تو تم بھی اس کے ساتھ اس کام میں شریک ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو تم اس چیز سے متعلق کیا گواہی دے سکتے ہو، جس کا تمہیں علم نہیں۔ وہ کہنے لگے: یہ بات ہمارے نزدیک سچ ہے اگرچہ ہم میں سے کسی نے ایسا کرتے نہیں دیکھا۔ ابن الحنفیہ نے فرمایا: اللہ تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتا، وہ تو فرماتا ہے:

إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ (زخرف: ۸۶)

”گواہی انہی لوگوں کی معتبر ہے جن کو اس بات کا ذاتی علم ہو۔“

جاؤ میں کسی بات میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ کہنے لگے شاید آپ کو یہ بات ناگوار گزرتی ہو کہ یہ معاملہ آپ کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ میں رہے۔ اگر ایسا ہے تو قیادت ہم آپ کے سپرد کیے دیتے ہیں۔ برادر حسین رضی اللہ عنہ نے کہا نم جس چیز پر قتال وجدال کر رہے ہو میں سرے سے اس کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔ مجھے کسی کے پیچھے لگنے یا لوگوں کو اپنے پیچھے لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ وہ کہنے لگے آپ اس سے پہلے اپنے والد کے ساتھ مل کر جو جنگ کر چکے ہیں انھوں نے فرمایا: تم پہلے میرے باپ جیسا آدمی اور انھوں نے جس سے جنگ کی ان جیسے افراد تو لا کر دکھاؤ اس کے بعد بھی تمہارے ساتھ مل کر جنگ کر لوں گا۔ وہ کہنے لگے آپ اپنے صاحبزادگان ابو قاسم اور قاسم ہی کو ہمارے حوالے کر دیں انھوں نے فرمایا: میں ان کو اگر اس طرح کا حکم دوں تو میں خود تمہارے ساتھ اس کام میں شریک نہ ہو جاؤں۔ وہ کہنے لگے: اچھا آپ صرف ہمارے ساتھ چل کر لوگوں کو آمادہ قتال کر دیں۔ انھوں نے فرمایا: سبحان اللہ! جس کو میں خود ناپسند کرتا ہوں اور اس سے بچتا ہوں، لوگوں کو اس کا حکم کیسے دوں؟ اگر میں ایسا کروں تو میں اللہ کے معاملے میں اس کے بندوں کا خیر خواہ نہیں، بدخواہ ہوں گا۔ وہ کہنے لگے: ہم پھر آپ کو مجبور کریں

گے۔ انھوں نے کہا: میں اس وقت بھی لوگوں سے کہوں گا کہ اللہ سے ڈرو اور مخلوق کی رضا کی خاطر خالق کو ناراض نہ کرو۔“ (البداية والنهاية، ۸/۲۳۳)

اس گفتگو کی تفصیل البدیۃ والنهایہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

غزوہ قسطنطنیہ کی سپہ سالاری ایک تاریخی حوالے کی وضاحت

غزوہ قسطنطنیہ سے متعلق صحیح بخاری کی جو روایت زیر بحث آچکی ہے جس میں یہ بشارت دی گئی ہے کہ اس غزوے میں شریک ہونے والے افراد مغفور ہیں، تمام قدیم کتب تواریخ اس امر پر متفق ہیں کہ اس غزوے کے امیر لشکر یزید بن معاویہ تھے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مسند احمد کی ایک روایت ہے جس میں صاف وضاحت ہے کہ:

ان یزید بن معاویة کان امیراً علی الجیش الذی غزاه ابو ایوب .

(مسند امام احمد، ۵/۴۱۶، طبع قدیم)

”اس لشکر قسطنطنیہ کے امیر جس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔“

اسی طرح قدیم تاریخوں مثلاً ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ) کی الطبقات الکبریٰ، ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کی تاریخ الامم والملوک ۵/۲۳۲ اور تاریخ خلیفہ بن خیاط ۱/۱۹۶ (متوفی ۲۴۰ھ) میں بسلسلہ زیر بحث غزوہ قسطنطنیہ یزید بن معاویہ کی شمولیت کا ذکر اس انداز ہی سے آیا ہے کہ وہ امیر لشکر تھے۔ یہ تو اولین اور قدیم ترین تاریخیں ہیں بعد کے مورخوں میں سے حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۴۷ھ) کا جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ انھوں نے تاریخ کی مشہور کتاب البدایة والنهاية کے متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی ہے۔ ۸/۵۹ پر مسند احمد کی متذکرہ بالا روایت بھی نقل کی ہے اور ص ۵۸ میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ یزید

نے پڑھائی۔

وكان جيش يزيد بن معاوية واليه اوصى وهو الذي صلى عليه اسي جلد کے صفحہ ۱۵۱ پر لکھا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں موجود تھے۔

وقد كان في الجيش الذين غزوا القسطنطينية مع ابن معاوية يزيد اور صفحہ ۲۲۹ میں یزید کے حالات میں لکھا ہے کہ وقد كان يزيد اول من غزا قسطنطينية.

اسی طرح ابن عبدالبر (متوفی ۳۶۳ھ) کی کتاب الاستيعاب في معرفة الاصحاب ۱/۱۵۷ امام سہیلی (متوفی ۵۸۱ھ) کی الروض الانف (شرح سیرت ابن ہشام ۲/۲۳۶) حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابة في تميز الصحابة ۲/۹۰ میں اسی حقیقت کا اثبات کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ شروح بخاری فتح الباری ۶/۱۰۲ (طبع المطبعة السلفية) اور عمدة القاری میں بھی حدیث ”یغزون مدينة قيصر“ کی شرح کرتے ہوئے یہی کچھ لکھا گیا ہے۔

حدیث و تاریخ کے ان تمام حوالوں سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ جس لشکر کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے مغفور لهم فرمایا ہے، اس کے امیر یزید بن معاویہ ہی تھے۔

اس تاریخی حقیقت کے برعکس بعض لوگ یزید کو اس شرف سے محروم کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ زیر بحث لشکر کے امیر سفیان بن عوف تھے یزید نہ تھے۔ لیکن تاریخی دلائل اس رائے کی تغلیط و تردید کرتے ہیں۔ جیسا کہ مندرجہ بالا عبارتوں سے واضح ہے۔ غالباً ایسے لوگوں کے سامنے ابن الاثیر (متوفی ۶۳۰ھ) کی الکامل اور ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) کی تاریخ ہے، حالانکہ ان کے بیانات سے بھی ان کی رائے کی تائید نہیں ہوتی۔ ابن الاثیر اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

”حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کی طرف کثیر فوج روانہ کی۔ سفیان بن

عوف کو اس کا امیر مقرر کیا اور اپنے لڑکے یزید کو بھی فوج میں شامل ہونے کے لیے کہا، لیکن وہ ساتھ جانے کے لیے تیار نہیں ہوا لشکر وہاں پہنچا اور خبر آئی کہ وہ مصائب سے دو چار ہو گیا ہے۔ اس پر یزید کی خواہش کے مطابق جم غفیر لشکر کا اضافہ کیا جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ وغیرہ بہت سے لوگ تھے۔‘ (ملخصاً از تاریخ ابن الاثیر ۳/ ۲۲۷)

تاریخ ابن خلدون (۳/ ۹) میں بھی (غالباً) اسی سے ماخوذ تقریباً ایسا ہی درج ہے۔
 اولاً: تو یہ دونوں کتابیں بعد کی ہیں جب کہ قدیم تاریخوں میں (جو بنیادی ماخذ ہیں) یزید ہی کو لشکر کا سپہ سالار بتایا گیا ہے جیسا کہ پہلے سارے حوالے درج کیے جا چکے ہیں۔
 ثانیاً: ابن الاثیر اور ابن خلدون کی بیان کردہ تفصیل کو اگر مورخین کی تصریحات مذکور بالا کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس میں صرف اتنا اضافہ ملتا ہے کہ یزید سے پہلے ایک لشکر سفیان بن عوف کی قیادت میں بھیجا گیا تھا۔ لیکن بوجہ وہ لشکر کوئی کارکردگی نہ پیش کر سکا، جس کے بعد یزید کی سپہ سالاری میں وہ لشکر بھیجا گیا جس نے وہاں جا کر جہاد کیا اور یوں یزیدی لشکر ہی غزوہ قسطنطنیہ کا اولین فاتح اور بشارت نبوی ﷺ کا مصداق قرار پایا۔ بنا بریں تمام مورخین کا یزید ہی کو اس لشکر قسطنطنیہ کا سپہ سالار قرار دینا بالکل صحیح ہے اور ابن الاثیر اور ابن خلدون کی تفصیل بھی اس کے خلاف نہیں اگرچہ اس میں اس بات کا اضافہ ضرور ہے، تاہم اس اضافہ سے یزید کو اس شرف سے محروم کرنے کی کوشش غیر صحیح اور بے بنیاد ہے۔ یہ بات خود ابن الاثیر کے اپنے ذہن میں بھی نہیں تھی جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب اسد الغابۃ میں یزید ہی کو لشکر قسطنطنیہ کا سپہ سالار لکھا ہے۔
 (دیکھئے اسد الغابۃ ۲/ ۹۶ ترجمہ ابو ایوب انصاری مطبوعہ دار الشعب بحوالہ ماہ محرم اور موجودہ مسلمان، ص ۵۴)

یزید پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ

اس مسئلہ کے متعلق شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”رہا سوال یزید پر لعنت کرنے کا تو واقعہ یہ ہے کہ یزید بھی بہت سے دوسرے بادشاہوں اور خلفاء جیسا ہی ہے بلکہ کئی حکمرانوں سے وہ اچھا تھا۔ وہ عراق کے امیر مختار بن ابی عبید الثقفی سے کہیں اچھا تھا جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت کا علم بلند کیا، قاتلوں سے انتقام لیا، مگر ساتھ ساتھ دعویٰ کیا کہ جبرئیل علیہ السلام اس کے پاس آتے ہیں۔ اسی طرح یزید حجاج بن یوسف سے اچھا تھا، جو بلا نزاع یزید سے کہیں زیادہ ظالم تھا اور اس جیسے دوسرے سلاطین و خلفاء کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ فاسق تھے۔“

(منہاج السنۃ بحوالہ ماہ محرم اور موجودہ مسلمان، ص ۷۰-۷۱)

لعنت کے بارے میں شرعی مسئلہ

لیکن کسی فاسق کو معین کر کے لعنت کرنا سنت نبوی ﷺ میں موجود نہیں البتہ عام لعنت وارد ہے، مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا:

لعن اللہ السارق یسرق البیضة فتقطع یدہ.

”چور پر اللہ کی لعنت کہ ایک انڈے پر اپنا ہاتھ کٹوا دیتا ہے۔“

لعن اللہ من احدث حدثا او اوی محدثا.

”جو بدعت نکالے اور بدعتی کو پناہ دے اس پر اللہ کی لعنت۔“

یا مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ ایک شخص شراب پیتا تھا اور بار بار آنحضرت ﷺ کے پاس پکڑ کر لایا جاتا تھا یہاں تک کہ جب کئی پھیرے ہو چکے تو ایک شخص نے کہا: لعنة الله ما اكثر ما یوتی به الی النبی صلی الله علیہ وسلم.

”اس پر اللہ کی لعنت کہ بار بار پکڑ کر دربار رسالت میں پیش کیا جاتا ہے۔“

آپ ﷺ نے سنا تو فرمایا: لا تلعنہ فانہ یحب اللہ ورسولہ.

”اے لعنت نہ کر دو کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔“

حالانکہ عام طور پر آپ نے شرابیوں پر لعنت بھیجی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عمومی طور پر کسی گروہ پر لعنت بھیجنا جائز ہے، مگر اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھنے والے کسی معین شخص پر لعنت کرنا جائز نہیں، اور معلوم ہے کہ ہر مومن اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ضرور محبت رکھتا ہے۔

یزید پر لعنت سے پہلے دو چیزوں کا اثبات ضروری ہے

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا بالآخر وہ دوزخ سے نجات پائے گا۔ بنا بریں جو لوگ یزید کی لعنت پر زور دیتے ہیں انھیں دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں۔

اول یہ کہ یزید ایسے فاسقوں اور ظالموں میں سے تھا جن پر لعنت کرنا مباح ہے اور اپنی اس حالت پر موت تک باقی رہا۔ دوسرے یہ کہ ایسے ظالموں اور فاسقوں میں سے کسی ایک کو معین کر کے لعنت کرنا روا ہے۔ رہی آیت ”الا لعنة الله على الظالمين“ تو یہ عام ہے جیسے کہ باقی تمام آیات و عید عام ہیں اور پھر ان آیتوں سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ گناہ لعنت اور عذاب کا مستوجب ہے؟ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوسرے اسباب اگر لعنت و عذاب کے اسباب کو دور کر دیتے ہیں، مثلاً گنہگار نے سچے دل سے توبہ کر لی یا اس سے ایسی حسنت بن آئیں جو برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، یا ایسے مصائب پیش آئے جو گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ بنا بریں کون شخص دعویٰ کر سکتا ہے کہ یزید اور اس جیسے بادشاہوں نے توبہ نہیں کی یا برائیوں کو دور کرنے والی حسنت انجام نہیں دیں،

یا گناہوں کا کفارہ ادا نہیں کیا یا یہ کہ اللہ کسی حال میں بھی انھیں نہیں بخشے گا، حالانکہ وہ خود فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۝

(النساء: ۴۸)

پھر صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سب سے پہلے قسطنطینیہ پر جو فوج لڑے گی وہ مغفور ہوگی۔“

معلوم ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس فوج نے قسطنطینیہ پر لڑائی کی اس کا سپہ سالار یزید ہی تھا کہا جاسکتا ہے، کہ یزید نے یہ حدیث سن کر ہی فوج کشی کی ہوگی بہت ممکن ہے کہ یہ بھی صحیح ہو لیکن اس سے اس فعل پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جاسکتی۔

لعنت کا دروازہ کھولنے کے نتائج

پھر ہم خوب جانتے ہیں کہ اکثر مسلمان کسی نہ کسی طرح کے ظلم سے ضرور آلودہ ہوتے ہیں۔ اگر لعنت کا دروازہ اس طرح کھول دیا جائے تو مسلمانوں کے اکثر مردے لعنت کا شکار ہو جائیں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے حق میں صلاۃ و دعا کا حکم دیا ہے نہ کہ لعنت کرنے کا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسْبُوا الْأَمْوَاتِ فَانْهَمُوا إِلَى مَا قَدَّمُوا.

”مردوں کو گالیاں مت دو کیونکہ وہ اپنے کیے کو پہنچ گئے۔“

بلکہ جب لوگوں نے ابو جہل جیسے کفار کو گالیاں دینی شروع کیں تو انھیں منع کیا اور فرمایا:

لَا تَسْبُوا أَمْوَاتَنَا فَتَوَذُّوا أَحْيَاءَنَا.

”ہمارے مردوں کو گالیاں مت دو کیونکہ اس سے ہمارے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔“

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

یہ اس لیے کہ قدرتی طور پر ان کے مسلمان رشتہ دار برامانتے تھے۔ امام احمد بن حنبل سے ان کے بیٹے صالح نے کہا: اَلَا تَلْعَنُ يَزِيدًا؟ آپ یزید پر لعنت نہیں کرتے؟ حضرت امام صاحب نے جواب دیا:

متى رأت اباك يلعن احداً.

”تو نے اپنے باپ کو کسی پر بھی لعنت کرتے کب دیکھا ہے؟“

آیت: فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتَقَطَعُوْا اَرْحَامَكُمْ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعَمَّى اَبْصَارَهُمْ (محمد: ۲۳)

”کیا تم سے بعید ہے کہ اگر جہاد سے پیٹھ پھیرو تو لگو ملک میں فساد کرنے اور اپنے رشتے توڑنے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور ان کو بہرا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔“

خاص یزید کی لعنت پر اصرار کرنا خلاف انصاف ہے کیونکہ یہ آیت عام ہے اور اس کی وعید ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو ایسے افعال کے مرتکب ہوں، جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ یہ افعال صرف یزید ہی نے نہیں کیے بہت سے ہاشمی عباسی علوی بھی ان کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اگر اس آیت کی رو سے ان سب پر لعنت کرنا ضروری ہو تو اکثر مسلمانوں پر لعنت ضروری ہو جائے گی کیونکہ یہ افعال بہت عام ہیں مگر یہ فتویٰ کوئی بھی نہیں دے سکتا۔

یزید کو رحمہ اللہ کہنا مستحب ہے

❖ امام غزالی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کے متعلق کیا حکم ہے جو یزید پر لعنت کرتا ہے؟

❖ کیا اس پر فسق کا حکم لگایا جا سکتا ہے؟

❖ کیا اس پر لعنت کا جواز ہے؟

❖ کیا یزید فی الواقع حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا یا اس کا

مقصد صرف اپنی مدافعت تھا؟

❖ اس کو رحمۃ اللہ کہنا بہتر ہے یا اس سے سکوت افضل ہے؟

☆ امام غزالی رحمۃ اللہ نے جواب دیا:

مسلمانوں پر لعنت کرنے کا قطعاً جواز نہیں جو شخص کسی مسلمان پر لعنت کرتا ہے وہ خود ملعون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ”مسلمان لعنت کرنے والا نہیں ہوتا۔“ علاوہ ازیں ہمیں تو ہماری شریعت اسلامیہ نے بہائم (جانوروں) تک پر لعنت کرنے سے روکا ہے تو پھر کسی مسلمان پر کس طرح جائز ہو جائے گا؟ جب کہ ایک مسلمان کی حرمت (عزت) حرمت کعبہ سے زیادہ ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں مذکور ہے۔ یزید کا اسلام صحیح طور سے ثابت ہے۔ جہاں تک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا تعلق ہے اس بارے میں کوئی صحیح ثبوت موجود نہیں کہ یزید نے انھیں قتل کیا، یا ان کے قتل کا حکم دیا، یا اس پر رضا مندی ظاہر کی۔ جب یزید کے متعلق یہ باتیں پایہ ثبوت ہی کو نہیں پہنچتیں تو پھر اس سے بدگمانی کیونکر جائز ہوگی؟ جب کہ کسی مسلمان کے متعلق بدگمانی کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (الحجرات: ۱۲)

”تم خواہ مخواہ بدگمانی کرنے سے بچو کہ بعض دفعہ بدگمانی بھی گناہ کے دائرہ میں آجاتی ہے۔“

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے خون مال عزت و آبرو اور ان

کے ساتھ بدگمانی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔“

جس شخص کا خیال ہے کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا، یا ان

کے قتل کو پسند کیا وہ پرلے درجے کا احمق ہے کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایسا گمان کرنے والے کے

دور میں کتنے ہی اکابر و وزراء اور سلاطین کو قتل کیا گیا، لیکن وہ اس بات کا پتہ چلانے سے قاصر

رہا کہ کن لوگوں نے ان کا قتل کیا اور کن لوگوں نے اس قتل کو پسند یا ناپسند کیا، دراصل حالانکہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ان کا قتل اس کے بالکل قریب اور اس کے زمانے میں ہوا، اور اس نے اس کا خود مشاہدہ کیا، پھر اس قتل کے متعلق (یقینی اور حتمی طور پر) کیا کہا جاسکتا ہے جو در دراز کے علاقے میں ہوا اور جس پر چار سو سال (امام غزالی کے دور تک کی) مدت بھی گزر چکی ہے۔

علاوہ ازیں اس سانحے پر تعصب و گروہ بندی کی دبیر تہیں چڑھ گئی ہیں اور روایتوں کے انبار لگا دیے گئے ہیں جن کی بنا پر اب اصل حقیقت کا سراغ لگانا ناممکن ہے۔ جب واقعہ یہ ہے کہ حقیقت کی نقاب کشائی ممکن ہی نہیں تو ہر مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا ضروری ہے۔ پھر اہل حق (اہل سنت) کا مذہب تو یہ ہے کہ کسی مسلمان کے متعلق یہ ثابت بھی ہو جائے کہ اس نے کسی مسلمان کا قتل کیا ہے تب بھی وہ قاتل مسلمان کا فر نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جرم قتل کفر نہیں ایک معصیت (گناہ) ہے۔ پھر بھی واقعہ یہ ہے کہ مسلمان قاتل مرنے سے پہلے پہلے اکثر توبہ ہی کر لیتا ہے، اور شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ اگر کوئی کافر بھی کفر سے توبہ کر لے تو اس پر بھی لعنت کی اجازت نہیں، پھر یہ لعنت ایسے مسلمان کے لیے کیونکر جائز ہوگی جس نے مرنے سے پہلے جرم قتل سے توبہ کر لی ہو آخر کسی کے پاس اس امر کی کیا دلیل ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوئی اور توبہ کیے بغیر ہی وہ مر گیا جب کہ اللہ کا در توبہ ہر وقت کھلا ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ. (الشورى: ۲۵)

بہر حال کسی لحاظ سے بھی ایسے مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے جو مر چکا ہو جو شخص کسی مرے ہوئے مسلمان پر لعنت کرے گا وہ خود فاسق ہے۔ اگر بالفرض لعنت کرنا جائز بھی ہو لیکن وہ لعنت کے بجائے سکوت اختیار کر رکھے تو ایسا شخص بالاجماع گنہ گار نہ ہوگا بلکہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ایک مرتبہ بھی ابلیس پر لعنت نہیں بھیجتا تو قیامت کے روز اس سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تو نے ابلیس پر لعنت کیوں نہیں کی؟

البتہ اگر کسی نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو قیامت کے روز اس سے یہ ضرور پوچھا

جائے گا کہ تو نے اس پر لعن و طعن کیوں کی تھی؟ اور تجھے یہ کیوں کر معلوم ہو گیا تھا کہ وہ ملعون ہے اور راندہ درگاہ ہے؟ جب کہ کسی کے کفر و ایمان کا مسئلہ امور غیب میں سے ہے، جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہاں شریعت کے ذریعہ ہمیں یہ ضرور معلوم ہوا ہے کہ جو شخص کفر کی حالت میں مرے وہ ملعون ہے۔

جہاں تک یزید کو رحمہ اللہ کہنے کا تعلق ہے تو یہ نہ صرف جائز اور مستحب ہے، بلکہ وہ از خود ہماری ان دعاؤں میں شامل ہے جو ہم تمام مسلمانوں کی مغفرت کے لیے کرتے ہیں: اللھم اغفر للمؤمنین والمؤمنات. ”یا اللہ تمام مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے۔“ اس لیے کہ یزید بھی یقیناً مومن تھا۔ (وفیات الاعیان، ۳/۲۸۸، طبع بیروت)

امام اور علیہ السلام

اس مسئلہ سے متعلق نامور محقق مولانا حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”اہل سنت کی اکثریت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلا سوچے سمجھے امام حسین علیہ السلام بولتی ہے حالانکہ سیدنا حسین کے ساتھ امام کا لفظ بولنا اور اسی طرح رضی اللہ عنہ کے بجائے علیہ السلام کہنا بھی شیعیت ہے۔ ہم تمام صحابہ کرام کے ساتھ عزت و احترام کے لیے حضرت کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیر ہم۔ ہم کبھی امام ابوبکر، امام عمر، امام عثمان اور امام علی نہیں بولتے۔ اسی طرح ہم صحابہ کرام کے اسماء گرامی کے بعد رضی اللہ عنہ لکھتے اور بولتے ہیں اور کبھی ابوبکر علیہ السلام یا حضرت عمر علیہ السلام یا حضرت عثمان علیہ السلام نہیں بولتے، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ رضی اللہ عنہ کے بجائے علیہ السلام بولتے ہیں۔ کبھی اس پر غور کیا کہ ایسا کیوں ہے؟ دراصل شیعیت کا وہ اثر ہے جو غیر

شعوری طور پر ہمارے اندر داخل ہو گیا ہے۔ اس لیے یاد رکھیے کہ چونکہ شیعوں کا ایک بنیادی مسئلہ امامت کا بھی ہے اور امام ان کے نزدیک انبیاء کی طرح من جانب اللہ نامزد اور معصوم ہوتا ہے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی ان کے بارہ اماموں سے ایک امام ہیں۔ اس لیے امام کا لفظ بولتے ہیں اور اسی طرح ان کے لیے علیہ السلام لکھتے اور بولتے ہیں ہمارے نزدیک وہ ایک صحابی رسول ہیں، امام معصوم نہیں۔ نہ ہم شیعوں کے امام معصومہ کے قائل ہی ہیں۔ اس لیے ہمیں انھیں دیگر صحابہ کرام کی طرح حضرت حسین رضی اللہ لکھنا اور بولنا چاہیے امام حسین علیہ السلام نہیں کہ یہ شیعوں کے معلوم عقائد اور مخصوص تکلیف کے غماز ہیں۔

رہی بات کہ علماء و فقہاء کے لیے امام کے لفظ کا استعمال اس معنی میں ہوتا ہے کہ وہ حدیث و فقہ کے ماہر تھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بھی اس معنی میں استعمال کیا جائے تو اس میں نہ صرف یہ کہ کوئی حرج نہیں بلکہ اس معنی میں وہ بعد کے ائمہ سے زیادہ اس لفظ کے مستحق ہیں، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس معنی میں امام نہیں کہا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام کو بھی امام لکھا اور بولا جاتا کہ وہ علوم قرآن و حدیث کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے زیادہ رمز شناس تھے۔ جب کسی بڑے سے بڑے صحابی کے لیے امام کا لفظ نہیں بولا جاتا تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ صرف حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس لفظ کا استعمال ان معنوں میں قطعاً نہیں جن میں اس کا استعمال عام ہے بلکہ یہ شیعیت کے مخصوص عقائد کا غماز ہے۔ اس لیے اہل سنت کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔“ (ماہ محرم اور موجودہ مسلمان، ص ۲۲)

ماہ صفر المظفر کی بدعات

ہر اسلامی مہینہ کی طرح ماہ صفر میں بھی اسلام سے نابلد اور نام نہاد مسلمانوں نے رسوم و خرافات کو رواج دے ڈالا ہے، حالانکہ اسلام ہر طرح کے اوہام و خرافات اور فاسد عقائد سے پاک ہے۔ دور جاہلیت میں لوگ مختلف قسم کے توہمات کا شکار تھے۔ اسلام نے آکر ان کا خاتمہ کیا اور انہیں صاف ستھرا اور صالح عقیدہ عطا کیا۔ مثال کے طور پر دور جاہلیت میں بدفالی اور شگون بد لینے کا رواج تھا۔ اگر کوئی شخص کسی کام کے لیے نکلتا تھا اور پھر دیکھتا کہ ایک چڑیا بائیں طرف سے دائیں طرف اڑ گئی ہے تو اس سے نیک فال لیتے اور خوشی خوشی اس کام کے لیے جاتے، لیکن اگر چڑیا دائیں سے بائیں طرف اڑتی اور راستہ کاٹ جاتی تو اس سے بدشگونی لیتے اور آگے نہیں جاتے، بلکہ سفر ملتوی کر دیتے۔

خرافات پر مبنی یہ فاسد عقیدہ آج بھی بعض مسلمانوں میں پایا جاتا ہے۔ اسلام نے ایسے عقیدے کی نفی کی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا عدوی ولا طیرۃ ولا ہامۃ ولا صفر اخرجہ وزاد مسلم ولا نوع ولا غول. (صحیح بخاری کتاب الطب لاہامۃ ۱۰/۲۶۵، رقم الحدیث ۵۷۷۷، صحیح مسلم باب لا عدوی ولا طیرۃ ولا ہامۃ ولا صفر ولا نوع ولا غول ۷/۴۷۱، رقم الحدیث: ۱۰۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب باب فی الطیرۃ ۳/۱۷، سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ما کان يعجبه ويكره الطير ۱۷۱/۲، مسند احمد بن حنبل ۱۷۳/۱)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔ نہ بدفالی کوئی چیز ہے نہ الوکا بولنا کوئی اثر رکھتا ہے نہ صفر کچھ ہے۔ یہ بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ صحیح مسلم میں یہ بھی ہے کہ پختہ کوئی چیز ہے نہ بھوت۔“

(۱) عدوی سے مراد یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ بیماری از خود ایک مریض سے دوسرے مریض کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی تردید کی اور بتایا کہ کوئی بھی بیماری ہو جب تک اللہ کا حکم اور اس کی مرضی اور اجازت نہ ہو دوسرے کو نہیں لگتی اور اگر اللہ تعالیٰ کا حکم اور مرضی ہو تو خواہ اس طرح کا مریض ہو یا نہ ہو، وہ لاحق ہو جاتی ہے۔ عدوی الاعداء کا اسم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اعداء الاعداء یعدیہ اعداء اردو میں اسے چھوت کی بیماری کہتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک اعرابی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے اونٹ خارش سے پاک اور تندرست ہوتے ہیں اور چمکتے ہیں، پھر ان میں خارش زدہ اونٹ آجاتا ہے اور سب کو خارش ہو جاتی ہے، آپ نے فرمایا: اس پہلے اونٹ کو خارش زدہ کس نے کیا۔ آپ نے بغیر اذن الہی کے بیماری کے خود بخود متعدی ہونے کے عقیدے کو باطل قرار دیا ہے، کیونکہ لوگ گمان رکھتے تھے کہ بیماری فی نفسہ متعدی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بتلایا کہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ بیمار کرتا ہے اور بیماری نازل کرتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ کوڑھی سے دور بھاگو جیسا کہ شیر سے بھاگتے ہو۔

عقل و طب چھوت کی نفی نہیں کرتی ہیں بلکہ دونوں سے ثابت ہے کہ بعض بیماریوں میں چھوت کی قوت ہے مثلاً زکام، دق اور کوڑھ۔ ایسی صورت میں کوڑھ سے بھاگنے کے متعلق حدیث نبوی ﷺ سے چھوت کا ثبوت ملتا ہے، اور دوسری حدیث سے اس کی نفی ہوتی ہے، ان دونوں کے درمیان تطبیق کی کیا صورت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عقل صحیح

اور طب صحیح اور متعدد تجربات سے جو بات ثابت ہے شریعت اسلامیہ اس کی نفی نہیں کرتی اور صورت تطبیق یہ ہے کہ مشرکین کا جو یہ عقیدہ تھا کہ امراض بذات خود متعدی ہیں۔ تقدیر الہی و مشیت خداوندی کا اس میں دخل نہیں، اس کی نفی حدیث مذکور میں کی گئی ہے۔ یعنی حدیث مذکور میں جاہلی عقیدہ کی نفی کی گئی ہے، اور جس حدیث میں چھوت کا اثبات ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی قدرت و مشیت کے مطابق مرض میں چھوت چھات ہو سکتی ہے۔ اس طرح طب و عقل اور حدیث مذکور میں تطبیق ہو جاتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مجذوم کے ساتھ کھانے میں اپنا دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کر کے کھاؤ، لہذا جس کا ایمان اتنا قوی ہے کہ وہ اسے وسواس اور اوہام سے باز رکھے اور اللہ تعالیٰ پر پوری طرح توکل کرنے والا بنادے، وہ متعدی امراض والوں کے ساتھ رہتے سہتے ہیں لیکن جن کا ایمان اس درجہ کا نہیں ہے ان کے لیے اسے امراض سے اجتناب و دوری بہتر ہے جیسا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کیا تھا کہ ملک شام میں طاعون زدہ مقام پر نہیں گئے۔

(۲) طیرۃ، طیر، طائر۔ کسی چیز سے نحوست لینا، بدفالی لینا، بدشگون سمجھنا۔ یہ لفظ تطیر کا مصدر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تطیر خیرۃ۔ عموماً عرب لوگ پرندوں کو اڑا کر یا جانوروں کو اپنے مقام سے بھگا کر نیک و بدفال لینے کے عادی تھے۔ اس کی اصل یہ بتائی جاتی ہے کہ داہنے یا بائیں طرف سے آنے جانے والے پرندوں یا ہرن وغیرہ سے اچھی یا بری فال یا شگون لیا کرتے تھے۔ تو ہم پرستوں کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ اگر سامنے سے کوئی کانا آدمی عورت یا بلبی گزر جائے تو کام ہرگز نہیں ہوگا۔ چنانچہ شریعت نے ایسے فاسد عقیدوں کی نفی کی اور اسے باطل و ممنوع قرار دیا اور یہ بتلایا کہ اس میں نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے:

عن ابن مسعود مرفوعاً الطیرۃ شرک الطیرۃ شرک. وما منا الا

ولكن الله يذهب بالتوكل. (سنن أبي داؤد كتاب الطب باب فى الطيرة ۱۷/۴، سنن الترمذى، أبواب ایسر باب ماجاء فى الطيرة ۱۹۳/۱، سنن ابن ماجه كتاب الطب باب ماكان يعجبه الفال ۱۱۷۰/۲)

”عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ بدفالی شرک ہے، بدفالی شرک ہے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی نہیں جس کے دل میں بدفالی والی بات نہ آتی ہو مگر توکل کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ کر دیتا ہے۔“

البتہ نیک فالی! و نیک شگونى جائز ہے، جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے، لیکن بد شگونى جرم عظیم ہے۔ اس سے بہت دور رہنا چاہیے اور دل میں اس قسم کا وہم پیدا ہو تو اس کو دور کرنا چاہیے اور اس کے سبب کسی کام سے رکتنا نہیں چاہیے۔ عبدالرزاق مرفوعاً روایت کرتے ہیں:

ثلاثة لا یسلم منهن احد الطيرة والظن والحسد فاذا تطيرت فلا ترجع واذا حسدت فلا تبغ واذا ظننت فلا تتحقق.

”بد شگونى و بدگمانى اور حسد یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جن سے بچنا مشکل ہے لہذا جب کسی کام میں کوئی بد شگونى تمہیں تردد میں ڈالے تو بد شگونى کے سبب اس کام سے باز نہ آؤ، اور جب کسی سے حسد پیدا ہوا تو دل سے اسے دور کرو جب بدگمانى پیدا ہو تو اس پر یقین نہ کرو۔“

(۳) ہامہ آلو کو کہتے ہیں۔ اس کے معنی دو ہیں ایک یہ کہ جو عام لوگ رات کو الو کے بولنے پر برے برے اعتقاد رکھتے ہیں اور جس جگہ بولے اسے ویران ہونے والا بتاتے ہیں، اور اسی قسم کے خیالات جو الو کی بابت مشہور ہیں۔ دوم وہ جو عرب دور جاہلیت میں

۱۔ فال کوئی عمدہ لفظ سن کر خوش ہونا یہ انسانی فطرت ہے۔ اس لئے بھلائی کو مستحسن اور برائی کو حرام قرار دیا مگر عام جاہلوں اور بعض مدعیان علم میں عام طور پر جو دیوان حافظ اور قرآن مجید وغیرہ سے فال لینے کا چرچا ہے وہ قطعاً حرام اور کہانت ہے۔ ۱۰۔ اخل ہے۔

خیال کرتے تھے کہ جب کسی مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے تو اس کی کھوپڑی میں سے ایک الو نکل کر پکارتا ہے۔ اسقونی اسقونی۔ مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ، جب بدلہ لے لیا جاتا تو وہ چپ ہو جاتا تھا۔ اس حدیث میں بدلہ لینے کا عقیدہ باطل ٹھہرایا گیا۔

(۴) صفر، ہجری سن کا دوسرا مہینہ ہے جو ماہ محرم الحرام کے بعد آتا ہے۔ بد عقیدہ مسلم خواتین میں یہ مہینہ ”تیرہ تیری“ کے نام سے بھی مشہور ہے۔ وہ اس مہینے کو منحوس خیال کرتی ہوئی چنے ابال کر اس مہینہ میں صدقہ کرتی ہیں، تاکہ اس کی نحوست سے محفوظ رہیں۔ ”ولا صفر“ کا ایک معنی تو یہ ہے کہ عرب کبھی ماہ صفر کو ماہ محرم سے بدل لیتے تھے۔ یعنی ماہ محرم کے بجائے ماہ صفر کو حرمت والا مہینہ مان لیتے تھے اور اس کے بدلے محرم میں لڑائی اور لوٹ مار قتل و غارت گری و خون ریزی کو حلال کر لیتے اور کبھی ایسا نہ کرتے اور محرم ہی کو حرمت والا مہینہ مانتے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے عمل کو باطل قرار دیا اور ولا صفر سے اس کی تردید کی۔

اس کا دوسرا معنی علماء کرام نے یہ بتایا ہے کہ صفر ایک بیماری ہے جس میں آدمی کھاتا چلا جاتا ہے مگر اس کی بھوک ختم نہیں ہوتی، جسے جوع البقر کہا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کا عقیدہ تھا کہ صفر پیٹ میں ایک کیڑہ یا سانپ ہوتا ہے، یا ایک خطرناک بیماری ہوتی ہے اور جس کو یہ بیماری لاحق ہو جاتی ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے، اور یہ بیماری خارش سے بھی زیادہ متعدی ہوتی ہے۔ اس عقیدہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تردید کی اور فرمایا: ”ولا صفر“ صفر کی کوئی حقیقت نہیں اور یہ بیماری بھی اللہ کے حکم کے بغیر متعدی نہیں ہوتی۔

اس کا تیسرا معنی یہ بتایا گیا ہے کہ عرب دور جاہلیت میں ماہ صفر کو منحوس سمجھتے تھے، کیونکہ ذی الحجہ اور محرم حرمت والے مہینے تھے جس میں وہ جھگڑا اور لڑائی حرام سمجھتے تھے، لیکن صفر کا مہینہ شروع ہوتے ہی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تردید فرمائی اور بتایا کہ ماہ صفر بذات خود منحوس نہیں ہے۔ اس

میں جو کچھ بھی لوگوں کے لیے مصیبت اور پریشانی ہے، وہ ان کے اعمال قتل و خون ریزی اور لوٹ مار کی وجہ سے ہے۔ (فتح المجید، ص ۳۰۸)

اسی طرح عرب بعض ایام کو منحوس سمجھتے اور برا بھلا کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور صرف منع ہی نہیں فرمایا بلکہ ایام اور مہینوں اور زمانے کو برا بھلا کہنے کو اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کے مترادف قرار دیا۔ حدیث قدسی ہے:

يقول الله عزوجل يوذني ابن آدم يسب الدهر وانا الدهر بيدى الامر اقلب الليل والنهار. (صحيح بخارى، كتاب التفسير، سورة الجاثية ۸/۷۳۸، رقم الحديث ۴۸۲۶)

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ میں خود ہوں میرے ہی ہاتھ میں تمام امر ہے میں ہی رات اور دن کو پلٹتا ہوں۔“

کتاب و سنت کی روشنی میں کچھ مہینے، ایام اور راتیں ایسی ہیں جن کو دوسرے مہینوں ایام اور راتوں کے مقابلے میں زیادہ فضیلت ہے۔ جیسے یوم عرفہ، شب قدر اور ماہ رمضان وغیرہ کی فضیلت ہے مگر کسی ماہ یا دن یا رات کے بارے میں صحیح احادیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ وہ منحوس ہے اور اس سے بدشگوننی لینی چاہیے۔

افسوس کہ بہت سے مسلمان ماہ صفر کے بارے میں بڑی بد عقیدگی کا شکار ہیں۔ وہ اس مہینہ کو منحوس سمجھتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ اس ماہ میں مصائب و آلام کی ہوا میں پوری تیزی کے ساتھ چلنے لگتی ہیں اور غم و تکلیف کے دریا تندی و روانی کے ساتھ بہنے لگتے ہیں۔ یعنی سال میں دس لاکھ اتسی ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں ان میں صرف ایک مہینہ ”صفر“ میں نو لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی صفر کا مہینہ گزرنے کی خوش خبری سنائے۔ میں اس کو جنت میں داخل ہونے کی خوش خبری سناتا ہوں غرضیکہ اس مہینہ یا آخری بدھ کی نحوست کے سلسلہ میں جتنی بھی

روایتیں ہیں سب موضوع، ضعیف اور ناقابل استدلال ہیں۔

(کتاب الموضوعات لابن الجوزی، ۳/۴۳-۴۴)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صفر کے معنی خالی ہونا ہے اور چونکہ یہ مہینہ رحمتوں اور برکتوں سے خالی ہوتا ہے، اس واسطے اسے صفر کہتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط توجیہ ہے۔ صفر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس ماہ میں عموماً عربوں کے گھر خالی رہتے تھے۔ مسلسل تین حرمت والے مہینوں کے بعد یہ مہینہ آتا تو جنگ و جدال کے یہ عادی عرب لڑائی اور لوٹ مار کے لیے نکل پڑتے، اور اس طرح ان کے مکان خالی ہو جاتے اور جب مکان خالی ہو جائے تو کہا جاتا ہے کہ ”صفر المکان“ مکان خالی ہو گیا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وصفر سمی بذلك لخلو بيوتهم منهم حين يخرجون للقتال والاسفار

يقال صفر المکان اذا خلا ويجمع على اصفار كجمل واجمال.

(تفسیر ابن کثیر ۲/۳۵۴)

”صفر کا نام صفر اس واسطے رکھا گیا ہے کہ عربوں کے گھر اس ماہ میں ان کے قتال اور سفر کے لیے نکلنے کی وجہ سے خالی ہو جاتے تھے، اور جب مکان خالی ہو جائے تو کہا جاتا ہے صفر المکان اور صفر کی جمع اصفار ہے جیسے جمل کی جمع اجمال ہے۔“

بعض لوگ نئے شادی شدہ جوڑوں کو اس ماہ کے ابتدائی تیرہ دنوں میں ایک دوسرے سے الگ رہنے کی تاکید کرتے ہیں، انہیں ایک دوسرے کی صورت تک نہیں دیکھنے دی جاتی ہے، اس کے علاوہ ہر شوہر اور بیوی کو بھی تین دن تک ایک دوسرے سے الگ رکھا جاتا ہے، تاکہ وہ نحوست کا شکار نہ ہو جائیں۔

بعض مسلمان ماہ محرم اور صفر میں اس بنا پر شادی اور کوئی خوشی کا کام نہیں کرتے کہ محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے اور صفر میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا

انتقال ہوا۔ ان دونوں واقعات کی بنا پر دونوں مہینوں کو شادی اور خوشی کے لیے غیر مناسب بلکہ منحوس سمجھتے ہیں، حالانکہ کسی کی وفات اور شہادت کا دنوں اور مہینوں پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ورنہ ماہ ربیع الاول اس بنا پر منحوس کہا جاتا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی۔ جمادی الاولیٰ کو اس بنا پر منحوس سمجھا جاتا کہ اس میں خلیفہ اول، یار غار رسول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، اور ذی الحجہ کو اس واسطے منحوس کہا جاتا ہے کہ اس میں خلیفہ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، اور ماہ رمضان اس واسطے منحوس ہوتا کہ اس میں خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ اس طرح تمام انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرام اور ائمہ اسلام کی وفات اور شہادت کے ایام و مہینوں کو منحوس قرار دیں، تو کوئی مہینہ بلکہ کوئی دن نحوست سے خالی نہ رہے۔ اس واسطے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی وجہ سے محرم کو اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے انتقال کی وجہ سے صفر کو منحوس سمجھنا اور ان میں شادی بیاہ نہ کرنا سراسر باطل اور غلط ہے۔ کوئی مہینہ اور دن منحوس نہیں ہوتا، منحوس آدمی کا اپنا ناجائز عمل اور غلط عقیدہ ہوتا ہے۔

ماہ صفر کی بدعات میں سے ایک بدعت یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ اس ماہ کے آخر میں مغرب و عشاء کے درمیان مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں، اور ایک ایسے کاتب کے پاس حلقہ بنا کر بیٹھتے ہیں جو انہیں کاغذ پر انبیاء علیہم السلام کے اوپر سلام والی آیتوں کو لکھ کر دیتا ہے۔ وہ آیات یہ ہیں:

(۱) سلامٌ قولاً من رب الرحیم.

(۲) سلامٌ علیٰ نوح فی العالمین.

(۳) سلامٌ علیٰ ابراہیم.

(۴) سلامٌ علیٰ موسیٰ و ہارون.

(۵) سلام علیٰ العالمین.

(۶) سلام علیکم طبتم فادخلوها خالدین.

(۷) سلام ہی حتی مطلع الفجر.

پھر یہ لوگ یہ کاغذ پانی کے برتنوں میں ڈال دیتے ہیں، اور ان برتنوں کا پانی اس عقیدہ کے ساتھ پیتے ہیں کہ اس سے وہ تمام آفات و مصائب سے محفوظ رہیں گے، کیونکہ اس وقت ان آیات کے لکھنے میں کوئی خوشگوار قسم کا راز پوشیدہ ہے، نیز یہ لوگ کاغذ کو بطور ہدیہ و تحفہ لے کر اپنے گھر جاتے ہیں۔ پتہ نہیں لوگوں میں یہ عادت کہاں سے آگئی۔ اسلاف میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا اور ایسی باتیں صرف تعویذ گندہ کرنے والے پیروں فقیروں کے یہاں پائی جاتی ہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنا خلاف شرع اور موجب گناہ ہے۔

(۵) نو۷۔ دور جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے کہ فلاں پختھر کے سبب بارش ہوئی۔ لوگ بارش ہو کر ستاروں اور پختھروں کی طرف منسوب کرتے تھے، اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ پختھر اور ستاروں میں تاثیر ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی نفی کر دی اور فرمایا کہ ولا نو۷۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ اِنْكُمْ تَكْفُرُونَ. (الواقعة: ۸۲) یعنی تم کہتے ہو کہ فلاں فلاں ستاروں کے ذریعہ ہم پر بارش ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ بارش سے خوش ہو کر تم اللہ کا شکر یہ ادا کرنے کے بجائے ستاروں کا شکر یہ ادا کرتے ہو جو بالکل جھوٹی بات ہے، یعنی ستارے بارش نہیں کرتے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال اربع فی امتی من امر الجاہلیة لا یترونها الفخر بالاحساب والطعن فی الانساب والاستسقاء بالنجوم والنیاحۃ وقال الناحۃ اذا لم تتب قبل موتها تقام یوم القیامۃ وعلیہا سر بال من قطران ودرع من جرب. (صحیح

مسلم کتاب الجنائز باب التشدید فی النیاحۃ ۳/۵۰۷، رقم الحدیث: ۲۹)

”حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں چار جاہلیت کی باتیں ایسی ہیں کہ انھیں نہ چھوڑیں گے۔ (۱) اپنے حسب و نسب پر فخر کرنا۔ (۲) دوسروں کے نسب پر طعنہ کرنا۔ (۳) تاروں سے بارش کا اعتقاد رکھنا۔ (۴) مردوں پر نوحہ کرنا۔ پھر فرمایا جو عورت نوحہ کرے اور موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو اسے روز قیامت تار کول کا کرتا اور خارش کی کرتی پہنائی جائے گی۔“

ستاروں سے طلب بارش کا مطلب یہ ہے کہ بارش کا انتساب ستاروں کی طرف کیا جائے یعنی اس بات کا عقیدہ رکھا جائے کہ بارش نازل کرنے میں پختروں کا اثر و دخل ہے تو یہ چیز شرک و کفر ہے۔

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن زید بن خالد قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ بالحدییة علی اثر سماہ کانت من اللیل فلما انصرف اقبل علی الناس فقال هل تدرن ماذا قال ربکم؟ قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال قال اصبح من عبادی مومن بی و کافر فاما من قال مطرنا بفضل اللہ ورحمته فذلک مومن بی و کافر بالکوکب واما من قال مطرنا بنوء کذا وکذا فذلک کافر بی و مومن بالکوکب. (صحیح بخاری، کتاب الآذان، باب یستقبل الامام الناس ۲/۴۲۴، رقم الحدیث ۸۳۶، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کفر من قال مطرنا بنوء ۱/۳۳۶، رقم الحدیث ۱۲۵)

”حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز حدیبیہ میں ایسی رات میں پڑھائی جس میں بارش ہوئی تھی۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟ بولے اللہ اور اس کے رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے آج صبح بہت

سے میرے بندے مومن ہو گئے اور بہت سے کافر پس جس نے کہا ہم پر اللہ کے فضل و رحمت سے بارش ہوئی وہ مجھ پر ایمان لایا اور تاروں سے کافر ہوا اور جس نے کہا ہمیں فلاں فلاں پختہ سے بارش ہوئی وہ مجھ سے کافر ہوا اور تاروں پر ایمان لایا۔“

دمشق میں بعض لوگ بدھ کے روز مریض کی عیادت کو منحوس اور بدفالی سمجھتے ہیں، چنانچہ بدھ کے دن عوام اور خواص اور رشتہ داروں کے لیے عیادت مریض ممکن نہیں۔ بظاہر ان لوگوں کی دلیل یہ حدیث ہے کہ:

يوم الاربعاء يوم نحس مستمر .

”بدھ کا دن باقی و برقرار رکھنے والا منحوس دن ہے۔“

اس روایت کے بارے میں امام صفحانی اور امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ امام سخاوی فرماتے ہیں: کہ بدھ کے دن کی فضیلت میں متعدد احادیث مروی ہیں مگر سب کی سب ضعیف اور ساقط الاعتبار ہیں۔

لوگوں میں رائج خرافات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جس نے بدھ کے روز کسی مریض کی عیادت کی تو جمعرات کو وہ اس مریض کی عیادت کرے گا۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ بدھ کے روز جس مریض کی عیادت کی جائے گی وہ مریض اس کے بعد دوسرے دن جمعرات کو مر جائے گا جس کی زیارت جمعرات کو قبرستان میں ہوگی۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ اَنْ نَّكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ. ”یا اللہ ہم تیری پناہ چاہتے ہیں کہ ہم جاہلوں میں سے بن جائیں۔“

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ بدھ، جمعرات یا سنپڑ کے روز سفر کرنا مکروہ ہے؟ یا ان ایام میں کپڑوں کی کاٹ چھانٹ اور کپڑوں کی سلوائی سوت کی کتائی یا اس قسم کے کاموں کا کرنا مکروہ ہے یا فلاں فلاں تاریخوں کی راتوں میں وطی اور جماع کرنا مکروہ ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے پیدا ہونے والے بچوں کے لیے خوف و خطرہ

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

لگا رہتا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: سوال میں مذکورہ عقائد و خیالات باطل اور بے اصل ہیں اور آدمی جب استخارہ کر کے کوئی مباح عمل کرے جس وقت بھی کرنا آسان ہو، قطعی طور پر وہ کام کر سکتا ہے۔ کسی دن بھی کپڑے کی کاٹ چھانٹ یا سلائی یا سوت کی کٹائی مکروہ نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بدفالی سے منع فرمایا ہے:

عن معاوية بن الحكم السلمي قال قلت يا رسول الله ﷺ ان مناقوما يأتون الكهان؟ فلا تاتوهم قال مناقوم يتطيرون؟ قال وذلك شيء يجده احدكم من نفسه فلا يصدنكم. (صحيح بخاری کتاب الاستسقاء باب قول الله تعالى وتجعلون رزقكم انكم تكذبون ۵۲۲/۲، صحيح مسلم کتاب السلام باب تحريم الكهانة واتبان الكهان ۷/۴۸۱، رقم الحديث ۱۲۱)

”حضرت معاویہ بن حکم سلمی سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ؟ ہم میں سے کچھ لوگ کاہنوں کے پاس آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ کاہنوں کے پاس مت

۱۔ علم نجوم سے مراد وہ علم یا طریقہ ہے جس میں ستاروں کی چال، مدارج اور برجوں کے ذریعے غیب یا مستقبل یا قسمت کا حال معلوم کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ کہانت بھی اس کی ایک مثل ہے جس میں کچھ دوسرے ذریعوں جیسے ہاتھ کی لکیروں یا کچھ ظاہری علامتوں وغیرہ سے یہی مقصد حاصل کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ علم رمل علم اجد وغیرہ بھی نجوم و کہانت کی مثل ہیں اور انہیں علماء نے سحر و جادو کی اقسام میں شمار کیا ہے۔ ان سب کے ذرائع اور طریقے الگ الگ ہیں۔ مقصد و نتیجہ یکساں ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث ہے: جو شخص عراف کے پاس آئے اور اس کی بات کی تصدیق کرے اس کی چالیس دنوں کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ سنن وغیرہ میں عراف یا کاہن کے پاس آنے والے اور ان کی تصدیق کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ عراف وہ شخص ہے جو کچھ مقدمات کے ذریعے واقعات و معاملات کی جانکاری کا دعویٰ کرتا ہے ان کے ذریعے مسروقہ اشیاء اور گمشدگی کی جگہ کا پتہ لگاتا ہے اور کہا گیا ہے کہ عراف دراصل کاہن ہے اور کاہن وہ ہے جو مستقبل کے امور غیب کی خبر دیتا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ شخص ہے جو دل و ضمیر کی بات بتائے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

جاؤ۔ انھوں نے عرض کیا ہم میں سے کچھ لوگ بدفالی لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایسی چیز ہے جس کو تم میں سے بعض لوگ اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ مگر اس کی وجہ سے کوئی کام کرنے سے تمہیں باز نہیں رہنا چاہیے۔“

آگے چل کر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جس کام کا آدمی نے عزم کیا اس کام کو بدفالی کے سبب کرنے سے باز نہیں آنا چاہیے۔ تورات اور دن میں سے کسی کو منحوس سمجھنا کیا معنی رکھتا ہے؟ بلکہ جمعرات اور سنپچر اور دو شنبہ کو سفر کرنا مستحب ہے اور تمام ایام میں کسی دن سفر کرنے یا کسی کام کے کرنے سے روکا نہیں گیا ہے۔ البتہ جمعہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ اگر سفر کے سبب نماز جمعہ فوت ہو جانے کا خطرہ ہو تو اس دن جمعہ سے پہلے سفر کرنے سے بعض علماء منع کرتے ہیں، اور بعض علماء کرام جائز بتاتے ہیں لیکن کاروبار اور جماع و وطی تو کبھی اور کسی دن مکروہ و ممنوع نہیں۔ واللہ اعلم۔ (مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ)

ماہ صفر کے آخری بدھ کی تاریخی حیثیت

ماہ صفر کے آخری بدھ کے بارے میں عام تصور یہ پایا جاتا ہے کہ اس روز رسول اللہ ﷺ نے بیماری سے شفا پائی اور آپ ﷺ نے غسلِ صحت فرمایا۔ اسی لیے بعض لوگ ماہ صفر کے آخری بدھ کو کاروبار بند کر کے عید کی طرح خوشیاں مناتے ہیں، اور سیر و تفریح کے لیے

(گزشتہ سے پیوستہ) نجومی، کاہن، رمال و جفار و راصل اپنے دعوے سے علم الہی میں شریک کے دعویدار ہوتے ہیں۔ غیب صرف اللہ جانتا ہے اس کے برگزیدہ پیغمبر بھی اس میں اللہ کے شریک نہیں تھے، لہذا نجومیوں اور کاہنوں کا مستقبل اور غیب معلوم کر لینے اور بتانے کا دعویٰ سراسر جھوٹ اور ڈھونگ اور صریح کفر و شرک ہے۔ اللہ کی تقدیر صرف اللہ جانتا ہے۔ اس لئے شریعت اسلامیہ نے نہ صرف ان علوم کے سیکھنے سکھانے کو حرام قرار دیا ہے بلکہ ان کا استعمال کرنے والے، کروانے والے اور کاہن و نجوم کی تصدیق کرنے والے کو بھی کافر قرار دیا ہے۔

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

شہر سے باہر نکلتے ہیں اور آپ کی صحت یابی کی خوشی میں جلوس نکالتے ہیں۔ حالانکہ اس کا ثبوت نہ احادیث کی کتابوں سے اور نہ تاریخ و سیر کی کتابوں سے ملتا ہے۔ بلکہ تاریخ و سیر کی کتابوں سے اس کے خلاف ثبوت ملتا ہے، چنانچہ اسد الغابۃ (۴۱/۱) میں ہے:

”بدأ برسول اللہ ﷺ مرضه الذى مات منه يوم الاربعاء ليلتين بقيتا من صفر سنة احدى عشرة فى بيت ميمونة ثم انتقل حين اشتد مرضه الى بيت عائشة وقبض يوم الاثنين ضحى فى الوقت الذى دخل فيه المدينة لاثنتى عشرة من ربيع الاول.“

”رسول اللہ ﷺ کی اس بیماری کا آغاز جس میں آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ ۱۱ھ میں صفر کے مہینے کی جب دو راتیں باقی رہ گئی تھیں بدھ کے روز حضرت میمونہ کے گھر میں ہوا۔ پھر جب آپ کی بیماری نے شدت اختیار کی تو آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہو گئے اور ۱۲ ربیع الاول پیر کے دن چاشت کے وقت جس وقت آپ مدینہ میں داخل ہوئے تھے، آپ کی روح اقدس کو قبض کر لیا گیا۔“

یہی عبارت الاستیعاب فی معرفة الاصحاب (۲۰/۱) میں بھی ہے اور تاریخ خمیس (۱۶۱/۲) میں ہے۔

ابتداء به صدا ع فى أواخر صفر ليلتين بقيتا منه يوم الاربعاء فى بيت ميمونة.

”رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی ابتدا بدھ کے روز حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں صفر کے آخر میں ہوئی۔“

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی شرح فتح الباری (۱۶۳/۸) ترجمۃ الباب باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته کی شرح میں لکھا ہے: ”بیماری کا آغاز صفر کے آخر میں ہوا۔“

اور طبقات ابن سعد (۲/۳۷۷) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۲۹ صفر ۱ھ یوم چہار شنبہ کو بیمار ہوئے اور ۱۲ ربیع الاول ۱ھ بروز دوشنبہ آپ ﷺ نے وفات پائی۔

البداية والنهاية (۲۲۳/۵) میں ہے:

ابتداء رسول الله ﷺ بشكواه الذي قبضه الله فيه الى ارادة الله من رحمته وكرامته في ليال بقين من صفر وفي اول شهر ربيع الاول.

”رسول اللہ ﷺ کی اس بیماری کا آغاز جس میں اللہ نے ان کی روح مبارک کو قبض فرمایا تاکہ ان کو اپنی رحمت و کرامت سے نوازے، صفر کی چند راتیں باقی رہ گئی تھیں یا ربیع الاول کی ابتدا میں ہوا۔“

تاریخ الكامل (۲/۲۱۵) میں ہے:

ابتداء برسول الله ﷺ مرضه أو اخر صفر.

”رسول اللہ ﷺ کی اس بیماری کا آغاز صفر کے آخر میں ہوا۔“

سیرت ابن ہشام (۵/۲۲۳) میں ہے:

ابتداء شكوى رسول الله ﷺ بشكواه الذي قبضه الله فيه الى ارادة

الله من رحمته و كرامته في ليال بقين من صفر أو في شهر ربيع الاول.

”رسول اللہ ﷺ کی اس بیماری کا آغاز جس میں اللہ تعالیٰ نے ان کی روح مبارک کو قبض فرمایا تاکہ ان کو اپنی رحمت و کرامت سے نوازے صفر کی چند راتیں باقی رہ گئیں یا ربیع الاول کی ابتدا ہو چکی تھی، اس وقت ہوا۔“

تاریخ ابن خلدون (۲/۶۱) میں ہے:

بدأه الوجد ليلتين بقتان من صفر وتحاوى به وجمعه.

”صفر کی جب دو راتیں باقی رہ گئیں تھی آپ ﷺ کی بیماری شروع ہوئی پھر آپ ﷺ

بیمار ہی رہے۔“

تاریخ طبری (۱۶۱/۲) میں ہے:

بدأ برسول اللہ ﷺ وجعه ليلتين بقيتا من صفر.

”رسول اللہ ﷺ کی بیماری کا آغاز اس وقت ہوا جب صفر کی دو راتیں باقی رہ گئی تھیں۔“

علامہ سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

”زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کل تیرہ دن بیمار رہے۔ اس

بنا پر اگر یہ تحقیقی طور پر متعین ہو جائے کہ آپ نے کس تاریخ کو وفات پائی تو تاریخ

آغاز مرض بھی متعین کی جاسکتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بروایت

صحیح آٹھ روز (دوشنبہ تک) بیمار رہے یہیں وفات پائی اس لیے ایام علالت کی

مدت آٹھ روز یقینی ہے۔ عام روایات کے رو سے پانچ دن اور چاہئیں اور یہ قرآن

سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لیے مدت علالت ۱۳ دن صحیح ہے۔ علالت کے پانچ دن

آپ ﷺ نے ازواج مطہرات کے حجروں میں بسر فرمائے۔ اس حساب سے

علالت کا آغاز چہار شنبہ سے ہوتا ہے۔“ (سیرت النبی، ۱۷۲/۲)

بہر حال محققین کے نزدیک آپ ﷺ کی بیماری کا آغاز صفر میں آخری بدھ کو ہوا کچھ

لوگوں نے دن اور تاریخ میں تھوڑا اختلاف کیا ہے۔ مگر یہ بات تقریباً متفق علیہ ہے کہ

آپ ﷺ کی مرض الموت کی ابتدا صفر کی آخری تاریخوں میں ہوئی۔ پھر بتائیے کہ

مسلمانوں کو یہ کہاں زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے نبی فداہ ابی وامی کی بیماری کے دن خوشیاں

منائیں۔ زیب و زینت کر کے باغوں، پارکوں اور سیرگاہوں میں تفریح کے لیے جائیں،

قسم قسم کے کھانے مٹھائیاں اور میوے وغیرہ کھائیں اور کھلائیں، خصوصاً عورتیں عیدین

سے بڑھ کر خوشیاں منائیں، اور خوب بن سنور کر سیر کے لیے نکلیں۔ ذرا غور کیجئے کیا آپ

میں کوئی اپنے ماں باپ بھائی بہن یا رشتہ دار یا عزیز دوست کے مرض میں مبتلا ہونے کی

تاریخ کو خوشی منائے گا؟ اچھے اچھے اور لذیذ کھانوں کا اہتمام کرے گا؟ گھر میں آپ کا کوئی عزیز جاں کنی کی حالت میں ہو تو آپ سیر و تفریح کو جائیں گے؟ جب آپ اپنے ایک عزیز دوست اور رشتہ دار کی بیماری کے دن ایسا نہیں کر سکتے، تو حضرت محمد ﷺ کی عیال کے آغاز کے دن کیسے کر سکتے ہیں جن کے بارے میں فرمان نبوی ﷺ ہے:

لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين .

(فتح الباری کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان ۸۰/۱)

”تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب کہ میں اس کے نزدیک اس کے

باپ سے بیٹے سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔“

یہ کام نہ قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، نہ تاریخ و سیرت سے، نہ اسے آپ کے اہل بیت نے کیا ہے، نہ خلفائے راشدین نے، نہ آپ کے صحابہ کرام نے کیا ہے، نہ تابعین اور تبع تابعین نے، نہ امام ابوحنیفہ نے کیا ہے، نہ امام مالک نے، نہ امام شافعی نے کیا، نہ امام احمد بن حنبل نے کیا، نہ کسی اور امام بزرگ اور ولی نے یہ تو ان دشمنان اسلام کی سازش ہے جو مذہب اسلام اور رسول انام کی بے حرمتی مسلمانوں کے ہاتھوں کرانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو ہوشیار رہنا چاہیے اور اعدائے اسلام کی ان سازشوں کا ہرگز شکار نہ ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح سمجھ عطا فرمائے دشمنوں کے مکر و فریب سے محفوظ رکھے اور آپ ﷺ کا سچا محب اور فدائی بنائے۔ اتباع سنت کی توفیق دے اور تمام بدعات و خرافات سے دور رکھے، آمین۔

ماہ ربیع الاول کی بدعات

ربیع الاول ہجری سال کا تیسرا مہینہ ہے۔ عربی زبان میں لفظ ربیع کا مطلب بہار یا موسم بہار کی بارش کے ہیں۔ ربیع الاول کا مطلب ہوا موسم بہار کا پہلا مہینہ۔ عربی میں کہتے ہیں: ان الربیع فصل فیہ الحیاة تحلو۔ ”ربیع ایسا موسم ہے جس میں زندگی شیریں ہو جاتی ہے۔“

اسی فرحت بخش اور پُرمسرت موسم بہار میں ہمارے محمد ﷺ کی پیدائش ہوئی تھی، اور آپ ﷺ کی وفات بھی اسی ماہ میں ہوئی۔ ہر سال یہ مہینہ ہمیں جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے عظیم واقعہ کو یاد دلاتا ہے وہیں آپ ﷺ کے اس دنیائے فانی سے رحلت فرمانے کے غم کو بھی تازہ کرتا ہے۔ سید المرسلین خاتم المرسلین محمد عربی ﷺ کی ولادت و وفات کا واقعہ ایک ہی ماہ بلکہ ایک ہی دن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک پہلو کو سامنے رکھ کر بدعت و گمراہی میں نہ پڑ جائے، نہ اس دن کو خوشی و عید کے طور پر منائے اور نہ ہی غم و سوگ کے طور پر، اسلام میں ان دونوں کی قطعی اجازت نہیں۔ بلاشک و شبہ ماہ ربیع الاول عالم انسانیت کے لیے نہایت خیر و برکت کا مہینہ ہے۔ جس کی نوویں تاریخ نہایت سعید و مسرت آمیز اور فیوض و برکات سے لبریز ہے۔ اس لیے کہ اسی تاریخ میں خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

حضرت محمد ﷺ کی پیدائش صحیح روایت کے مطابق تقویم کے حساب سے ۹ ربیع

الاول کو دو شنبہ کے دن صبح کے سہانے وقت میں ہوئی اور انگریزی کلنڈر کے حساب سے آپ کی تاریخ پیدائش ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۵۷۱ھ تھی۔ آپ ﷺ کی جائے پیدائش ابو یوسف کا وہ گھر ہے جہاں پر آج مکہ مکرمہ میں لائبریری بن گئی ہے۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ آپ کے کوئی بہن بھائی نہ تھا۔ آپ کی پیدائش سے چند ماہ قبل آپ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور چھ سال کی عمر میں آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اسی لیے آپ کو دُرّ یتیم بھی کہتے ہیں۔

ملا ہے آمنہ کو فضل باری سے یتیم ایسا
نہیں ہے بحر ہستی میں کوئی دُرّ یتیم ایسا

تاریخ ولادت میں اختلاف اور رائج اقوال

رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں تقریباً دس اقوال ہیں مگر زیادہ مشہور دو قول ہیں۔ ایک نور ربیع الاول کا دوسرا بارہ ربیع الاول کا اور ان دونوں اقوال میں محققین کے نزدیک ۹ ربیع الاول کا قول زیادہ قوی اور رائج ہے۔ علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری صاحب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”ہمارے نبی ﷺ موسم بہار میں دو شنبہ کے دن ۹ ربیع الاول عام الفیل مطابق

۲۲/۱ اپریل ۵۷۱ھ مطابق یکم جنوری ۶۲۷ء بمکرمہ معظمہ میں بعد از صبح صادق و قبل

از طلوع غیر عالم تاب پیدا ہوئے۔“ (رحمۃ للعالمین، ص ۴۰)

اور علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں:

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت داں عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ

لکھا ہے، جس میں انھوں نے ریاضی کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت

۹ ربیع الاول بروز دو شنبہ بمطابق ۲۰/۱ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ محمود پاشا فلکی نے جو

استدلال کیا ہے وہ کئی صفحات میں آیا ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

- (۱) صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم (آنحضرت ﷺ کے کم عمر صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا اور اس وقت آپ کی عمر ۶۳ واں سال تھا۔
- (۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دس ہجری کا گہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بج کر ۳۱ منٹ پر لگا تھا۔

- (۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری برس ۶۳ برس پیچھے ہٹے تو آپ کی پیدائش کا سال ۱۷۵ء ہے جس میں (از روئے قواعد ہیئت) ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۱۷۵ء تھی۔

- (۴) تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا اور تاریخ ۸ سے لے کر ۱۲ تک منحصر ہے۔

- (۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ کو پڑتا ہے ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۱۷۵ء تھی۔
مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی فرماتے ہیں:

”۹ ربیع الاول عام الفیل ۴۰ جلوس کسریٰ نوشیرواں مطابق ۲۲ اپریل ۱۷۵ء بروز

دوشنبہ بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع آفتاب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے۔“

(تاریخ اسلام، ۱/۷۶)

- مولانا صافی الرحمن مبارکپوری اپنی مشہور کتاب ”الریحیق المختوم“ جس پر انھیں سیرت نبوی کا پہلا انعام مل چکا ہے، فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ مکہ میں شعب بنی ہاشم کے اندر ۹ ربیع الاول ۱ھ عام الفیل یوم

دوشنبہ صبح کے وقت پیدا ہوئے اس وقت نوشیرواں کی تخت نشینی کا چالیسواں سال

تھا اور ۲۰ یا ۲۲ اپریل ۱۷۵ء کی تاریخ تھی۔“ (الریحیق المختوم، ص ۸۳)

تمام روایتیں پیش نظر رکھ کر ارباب تحقیق اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ کی ولادت باسعادت ۹ ربیع الاول عام الفیل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۰ء بعد از صبح صادق اور قبل از طلوع غیر عالم تاب ہوئی، غرضیکہ محققین کے نزدیک آپ کی ولادت کی صحیح تاریخ ۹ ربیع الاول ہے۔

تاریخ وفات میں اختلاف اور راجح اقوال

تاریخ ولادت کی طرح آپ کی تاریخ وفات میں بھی کئی اقوال ہیں۔ ابن کثیر نے البدایة والنہایة (۲۲۳/۵) میں چار اقوال ذکر کیے ہیں لیکن عام مورخین کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ آپ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو ہوئی۔

علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ وقت چاشت تھا کہ جسم اطہر سے روح انور نے پرواز کیا۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک ۶۳ سال قمری چار دن تھی۔“

(رحمۃ للعالمین، ص ۲۹۳)

مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی فرماتے ہیں:

”دوپہر کے قریب یوم دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو اس دار فانی سے آنحضرت ﷺ نے انتقال فرمایا۔ اگلے روز دوپہر کے قریب مدفون ہوئے۔“

(تاریخ اسلام، ۱/۲۳۷)

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”وفات کے دن یوم دوشنبہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو اتنا سکون ہوا کہ حجرہ مبارک سے جو مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا، پردہ اٹھا کر دیکھا لوگ نماز فجر میں مشغول تھے۔ یہ منظر دیکھ کر تبسم فرمایا اور پھر پردہ گرا دیا لیکن جیسے جیسے دن چڑھتا جاتا تھا دنیا پر تاریکی

چھانے کا وقت قریب ہوتا جاتا تھا۔ بار بار غشی ہونے لگی..... پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر چہرے پر ملتے تھے۔ اسی دوران میں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا: ”بل الرفیق الاعلیٰ“ اب کوئی اور نہیں رفیق اعلیٰ درکار ہے، یہ کہتے کہتے روح عالم قدس میں پہنچ گئی۔“

(تاریخ اسلام شاہ معین الدین احمد ندوی، ۱/۱۱۸)

مولانا صفی الرحمن مبارکپوری فرماتے ہیں:

”آخری فقرہ (یعنی اے اللہ! رفیق اعلیٰ) تین بار دہرایا اور اسی وقت ہاتھ جھک گیا اور آپ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جالاحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ یوم دوشنبہ کو چاشت کی شدت کے وقت پیش آیا۔ اس وقت نبی ﷺ کی عمر ترسٹھ سال چار دن ہو چکی تھی۔ (الرحیق المختوم، ص ۴۳۳-۴۳۴)

برصغیر ہندو پاک میں ۱۲ ربیع الاول کو بارہ وفات کہا جاتا ہے اور بریلوی عقائد رکھنے والے پہلے اسی دن ختم شریف دلایا کرتے تھے۔ مولوی احمد رضا خاں بریلوی کو بھی اعتراف ہے کہ نبی ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کو ہے اور اسی میں وفات شریف ہے۔ (ملفوظات بحوالہ جشن و جلوس عید میلاد النبی غلوفی الدین، ص ۴۹)

چند قابل غور باتیں

ان حقائق کی روشنی میں یہاں چند قابل غور باتیں یہ ہیں:

- (۱) اگر رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول ہے جیسا کہ اکثر و بیشتر علماء اور محققین کی رائے ہے تو ایسی صورت میں ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد النبی منانا کیسے درست ہوگا؟ آخر اس کو جشن ولادت یا عید میلاد النبی ﷺ کیسے کہا جاسکتا ہے جب کہ اس دن آپ کی ولادت ہی نہیں ہوئی۔

(۲) خاص طور پر اس صورت میں جب کہ ۱۲ ربیع الاول رسول اللہ ﷺ کی تاریخ وفات ہو۔ جیسا کہ بہت سے علماء و مورخین اور خود احمد رضا خاں بریلوی صاحب کا بھی قول ہے۔ اس دن اس طرح جشن اور عید منانا کیسے جائز ہوگا؟ آپ کی وفات کے دن جلوس نکالنے، جھنڈیاں لگانے، محرابیں بنانے، اسٹیج سجانے، چراغاں کرنے، قسم قسم کے کھانے پکانے، اور دعوتیں کرنے کا کیا تک ہے؟ کیا آپ کی وفات پر مدینہ منورہ میں جشن منایا گیا تھا؟ یا اس روز وہاں قیامت صغریٰ برپا تھی؟ بتائیے کہ اگر آپ میں سے کسی کے باپ بیٹے بھائی یا کسی بھی عزیز کا کسی دن انتقال ہو جائے تو اس دن وہ جشن منائے گا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کسی مسلمان کے لیے سرکارِ دو عالم تاجدارِ مدینہ احمد مجتبیٰ محمد ﷺ جن کا ارشادِ گرامی ہے: ”تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں“، کی وفات کے دن جشن اور عید منانا کیسے درست ہوگا؟

(۳) اگر ۱۲ ربیع الاول کو رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت اور تاریخ وفات دونوں مان لیں تو کس بنا پر ہم اس دن کے غم پر خوشی کو ترجیح دیں گے؟ کیا ہم نے کبھی غور کیا ہے کہ آپ کی ولادت اور وفات کے دن اور مہینے اور بعض مورخین کے بقول تاریخ میں بھی اتحاد و موافقت میں کیا حکمت ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ولد نبیکم یوم الاثنین ونسی یوم الاثنین وخرج مکة مهاجرا یوم الاثنین ودخل المدينة یوم الاثنین ومات یوم الاثنین.

(رواہ احمد والبیہقی البدایة والنہایة، ۲۲۳/۵)

”نبی ﷺ کی ولادت پیر کو ہوئی۔ پیر کے دن آپ نبی بنائے گئے، پیر ہی کو مکہ سے ہجرت کے لیے نکلے، پیر کو ہی مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، اور پیر کو ہی آپ کی وفات بھی ہوئی۔“

آخر اللہ تعالیٰ نے ان تمام واقعات کے لیے ایک ہی دن کیوں مقرر فرمایا؟ کیا اس میں یہ مصلحت نہیں کہ اس طرح لوگ اس دن کو نہ نوحہ و ماتم کا دن بنائیں اور نہ اسے بارہ وفات سے موسوم کریں اور نہ اس دن جشن اور عید منائیں اس طرح وہ افراط و تفریط سے دور اور اعتدال پر قائم رہیں یقیناً اس میں یہ حکمت ہے۔

علامہ تاج الدین فاکہانی فرماتے ہیں:

”میلاد اور وفات کی تاریخوں کے متحد ہونے کی وجہ سے نہ بارہ وفات کا غم اور نہ عید میلاد کی خوشی ہے، یہ سب جاہلوں کی باتیں ہیں۔“

بدعت میلاد:

شیخ علی محفوظ ازہری تحریر فرماتے ہیں:

”چوتھی صدی ہجری میں میلاد کی بدعت فاطمی خلفاء نے قاہرہ میں ایجاد کی انھوں نے چھ میلادیں رائج کیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کا جشن میلاد۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا جشن میلاد۔

(۳) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جشن میلاد۔

(۴) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا جشن میلاد۔

(۵) حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جشن میلاد۔

(۶) خلیفہ وقت کا جشن میلاد۔

یہ تمام جشن میلادیں رائج رہیں اور تک جاری رہے یہاں تک کہ افضل بن امیر الجیوش نے اس رسم کو ختم کیا، اور کافی دنوں تک یہ بدعت موقوف رہی اور لوگوں کے لیے بھولی بسری چیز ہو گئی تھی، لیکن ۵۵۳ھ میں خلیفہ امر باحکام اللہ نے اپنے دور خلافت

میں پھر سے اس رسم کو جاری کر دیا، اور شہر اربل میں سب سے پہلے ملک مظفر ابو سعید نے ساتویں ہجری میں جشن میلاد النبی کو رائج کیا۔ پھر تب سے آج تک یہ بدعت جاری ہے اور لوگوں نے وقتاً فوقتاً اس میں مزید بدعتیں شامل کیں جن کا مطالبہ ان کے نفس نے کیا جو شیاطین انس و جن نے انھیں سمجھایا۔“

(المفکر ات فی العقائد والاعمال، ص ۵۰)

مجلس میلاد کی ابتدا

جشن میلاد النبی کا چھ صدی تک وجود نہ تھا پھر خلافت راشدہ اسلامیہ کے اختتام اور ممالک اسلامیہ کی تقسیم اور عقائد و سلوک میں ضعف، انحراف اور حکومت و انتظامیہ میں فساد و بگاڑ کے ظہور کے بعد جشن عید میلاد النبی ﷺ کی بدعت دین و شریعت میں انحراف کا مظہر بن کر ظاہر ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ آغاز اسلام سے چھ صدی پہلے تک جشن میلاد کا وجود نہ تھا، فریقین کا اس کے جواز و عدم جواز میں گواختلاف ہے تاہم اس پر مکمل اتفاق ہے کہ چھ صدی تک مجلس کا وجود امت میں نہیں تھا۔ جیسا کہ مجوزین میں حافظ ابوالخیر سخاوی تحریر فرماتے ہیں:

عمل المولد الشریف لم ينقل عن احد من السلف في القرون الثلاثة
الفاصلة انما حدث بعدهم.

”یعنی مولد شریف کا ذکر کرنا ایک شخص سے بھی اگلوں سے قرون ثلاثہ میں ثابت نہیں یہ بعد کی ایجاد ہے۔“

عید میلاد النبی کا موجد

تاریخی کتب اور مجوزین مولد کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ۶۰۴ھ میں مولود کی بدعت ایجاد ہوئی اور شہر موصل میں ایک مجہول الاحوال شخص شیخ عمر بن محمد الملانے اسے

ایجاد کیا۔

قال الشامی فی سیرتہ وکان اول من فعل ذلك بالموصل الشيخ
عمر بن محمد الملا احد الصالحين المشهورين وبه اقتدى صاحب اربل.
(سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، مشہور بہ سیرت شامی بحوالہ تاریخ میلاد، ص ۱۵)
مولود پہلے پہل موصل میں شیخ عمر بن محمد الملا نے کیا ہے جو مشہور صلحاء میں سے تھا اور
اس کی پیروی کی۔ صاحب اربل نے شاید قارئین کو یہ خیال پیدا ہو کہ عمر بن محمد موصل کوئی
بہت بڑا بزرگ تھا، مگر نہیں دور سلف میں بہت لوگ ایسے تھے جو عوام الناس میں بزرگ
تھے مگر دراصل کاذب اور بے علم تھے۔

ابن حبان نے عبد اللہ بن محرر کے بارے میں لکھا ہے:

کان من خيار عباد الله الا انه كان يكذب ولا يعلم ويقلب الاخبار
ولا يفهم.

”عبد اللہ کو لوگ اللہ کے نیک بندوں میں شمار کرتے ہیں، مگر درحقیقت وہ بہت جھوٹ
بولتا تھا، احادیث کو الٹ پلٹ دیتا تھا اور اسے اس کا نہ علم ہوتا تھا اور نہ اس کو سمجھ پاتا تھا۔“
شامی میں لکھا ہے کہ صاحب اربل سے مراد سلطان مظفر ابو سعید کو کوری ہے اور اربل
موصل کے قریب ایک شہر ہے، ابو سعید اربل کا بادشاہ تھا۔ قاموس میں ہے:

اربل کا محمد موضع قریب الموصل انتھی و صاحب اربل هو الملك
المظفر ابو سعید کو کوری بن زین الدین بن علی بن نکتگین عمر جامع
المظفری يقع فی قاسیون.

”اربل بوزن اشم موصل کے قریب ایک مقام ہے اور صاحب اربل کہتے ہیں سلطان
مظفر ابو سعید کو کوری بن زین الدین بن علی بن نکتگین کو اس نے مقام قاسیون میں مسجد جامع مظفر
بنوائی ہے۔“

شامی کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اربل نے عمر بن محمد کی اقتدا کی تھی اور اصل موجد عمر بن محمد موصلی تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ عمر بن محمد ایک غریب آدمی تھا۔ اس کا فعل زیادہ مشہور نہ ہوا، اور شاہ اربل سے اس کی از حد شہرت ہوئی اور اس کی شہرت دور دور ملکوں میں پھیل گئی۔ اسی وجہ سے بعضوں نے شاہ اربل ہی کو موجد قرار دیا۔ شاہ اربل کے محفل میلاد کی کیفیت تاریخ ابن خلکان میں تفصیل سے درج ہے۔

سبط ابن جوزی نے تاریخ مرآة الجنان میں لکھا ہے:

حکى بعض من حضر سماط المظفر فى بعض المواليد انه فى ذلك السماط خمسة الاف راس الغنم مشوية وعشر آلاف دجاجة ومائة فرس وثلاثين الف صحن حلوى وكان يحضر عنده فى ايام المواليد اعيان العلماء والصوفية فيخلع عليهم ويطلبهم ويحمل للصوفية سماعاً من الظهر الى العصر ويرقص بنفسه معهم وكان يصرف على المولد فى كل سنة ثلاث مائة الف ديناراً.

”جو لوگ شاہ اربل کے دسترخوان پر محفل میلاد میں شریک ہوئے ان کا بیان ہے کہ اس دسترخوان پر پانچ ہزار (بھنے) بکرے اور دس ہزار مرغ اور سو گھوڑے اور تیس ہزار رقاب حلوہ کی ہوتی تھیں اور بہت سے مولوی اور صوفی بلائے جاتے تھے۔ (اور وہ انھیں خلعتوں سے نوازتا) اور صوفیوں کے واسطے ظہر سے عصر تک راگ ہوتا تھا جس میں شاہ اربل خود بھی سب کے ساتھ ناچتا تھا اور ہر سال اس محفل میں تین لاکھ دینار خرچ کرتا تھا۔“

تاریخ ابن خلکان میں ہے: ولم يكن له لذة سوى السماع. (تاریخ ابن خلکان بحوالہ فتح الموحد از عبدالحق رائے بریلوی، مطبع انوری پریس لکھنؤ، سال اشاعت ستمبر ۱۹۰۲ء)

”شاہ اربل کو بجز راگ کے کسی اور چیز میں مزہ نہیں آتا تھا۔“

اس موقع پر ہم کو حرمت سماع پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس مسئلہ میں

اکثر فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے ملاحظہ ہو: محیط جواہر الفقہ جامع الفتاویٰ، شرح السیر الکبیر للسرخسی، جامع الجامع الصغیر، شمس الاثمه السرخسی ذخیرہ بزازی، حاشیہ طحطاوی، دُرّ المختار، فتاویٰ ہندیہ، ہدایہ اور مجالس الأبرار وغیرہ وغیرہ۔

ابن خلکان اربلی شافعی متوفی ۶۸۱ھ نے وفیات الاعیان (ص ۲۸) میں اپنے وطن اور اپنے ہم عصر سلطان اربل اور اس کی مجلس مولد کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور مولد کے ذکر میں تصریح کی ہے کہ قبوں کے ہر طبقہ میں ایک گروہ گانے والوں کا، ایک گروہ خیال کرنے والوں کا اور ایک ملاہی والوں کا بیٹھتا تھا۔ مولود کے دودن رہ جاتے تو سلطان طلبوں اور گویوں ملاہی وغیرہ راگ باجے کی قسم سے بے شمار سامان نکلاتا۔ شب میلاد میں قلعہ میں بعد مغرب گانا کراتا اور اس کو گانے کے سوا دوسری چیز میں مزہ نہیں آتا تھا، چنانچہ مورخ موصوف کی طویل عبارت کے چند مخصوص جملے یہ ہیں:

(۱) قعد فی طبقۃ جوق من المغانی من ارباب الخیال و جوق من اصحاب الملاہی.

”شاہ اربل محفل مولد کے طبقہ میں بیٹھتا تھا جس میں ایک گروہ خیال گانے والوں کا اور ایک گروہ ملاہی والوں کا رہتا تھا۔“

(۲) من الطبول و المغانی و الملاہی و غیرہ من اقسام الغناء و المزامیر.

”طبلوں اور گویوں اور ملاہی وغیرہ راگ اور باجے کی قسم سے۔“

(۳) عمل السماع بعد ان یصلی المغرب فی القلعة.

”قلعہ میں بعد مغرب گانا کراتا۔“

(۴) ولم یکن له لذة فی سوی السماع.

”اس کو گانے کے سوا دوسری چیز میں مزہ نہیں ملتا تھا۔“

مولد کے موضوع پر پہلی کتاب

مولد کے موضوع پر سب سے پہلی کتاب جس شخص نے لکھی اس کا نام ابو الخطاب عمر بن حسن دحیہ کلبی اندلسی بلنسی ہے۔ وہ ۵۳۳ھ میں پیدا ہوا اور مولد کے موضوع پر اس نے پہلی کتاب (التنوير في مولد البشير والنذير) لکھی جس میں مولد کی فضیلت میں بہت سے اقوال و روایات موضوعہ اور اشعار درج کیے۔ ابن دحیہ نے امراء و وزراء کے ذریعہ سے دربار شاہی تک رسائی پیدا کر کے ایک موقع سے یہ کتاب شاہ اربل کے سامنے پیش کی۔ بادشاہ نے اس کی بہت عزت کی اور ایک ہزار دینار اس کے صلہ میں دیے پھر بہت مدت تک ابن دحیہ اربل میں رہا۔ بعدہ شہر عکاسہ میں ۶۳۰ھ میں انتقال کیا جس کی مفصل کیفیت تاریخ ابن خلکان میں ہے۔ جلال الدین لکھتے ہیں:

قد صنف الشيخ ابو الخطاب بن دحية مجلدا في مولد رسول الله ﷺ سماه التنوير في مولد البشير والنذير فجازاه علي ذلك بالف دينار وقد طالت مدته في الملك الي ان مات وهو حاصر الفرنج بمدينة عكاسة عام ثلاثين وست مائة. (حسن المقصد بحوالہ تاریخ میلاد، ص ۳۰)

”مظفر کے واسطے ابن دحیہ نے ایک کتاب مولد کی تصنیف کی اس کا نام تنویر فی مولد البشير والنذير رکھا۔ ابن مظفر نے اس کے صلہ میں ہزار دینار دیا، اور وہ مدت تک اس کے ملک میں رہا یہاں تک کہ ۶۳۰ھ میں شہر عکاسہ میں انتقال کیا جب کہ بادشاہ فرنگیوں کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔“

مصنف کا حال

ابن دحیہ اعلیٰ درجہ کا دروغ گو تھا۔ جھوٹی حدیثیں وضع کرنا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اس کا نام سداً پیش کرنا جہالت کی قوی دلیل ہے۔ ابن نجار ابن دحیہ کے

بارے میں لکھتے ہیں:

رأيت الناس مجتمعين على كذبه ووضعه وادعائه بسماع مالهم
يسمعه ولقاء من لم يلقه و كانت امارات ذلك عليه لائحة.

(تاریخ میلاد، ص ۳۴)

”میں نے لوگوں کو اس پر متفق پایا کہ ابن دجیہ جھوٹا ہے اور حدیثیں گڑھتا ہے، اور ایسے شخص سے سننے کا دعویٰ کرتا ہے جس سے ہرگز نہیں سنتا اور اس شخص سے ملاقات کرنا بیان کرتا ہے جس کو دیکھا نہیں اور اس کی نشانیاں اس پر ظاہر تھیں۔“

ابن نجار پھر آگے لکھتے ہیں:

”مجھ سے بعض علماء مصر نے اور ان سے حافظ ابو الحسن بن المفضل نے جو ائمہ دین سے تھے، بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ دربار عام میں بادشاہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ایک حدیث سننے کی فرمائش کی میں نے سنا دی۔ پھر پوچھا یہ حدیث کس نے روایت کی ہے؟ مجھے اس وقت سند یاد نہ تھی اس لیے لاعلمی ظاہر کی۔ جب وہاں سے واپس چلا تو راستہ میں ابن دجیہ ملا کہنے لگا تم نے اپنی طرف سے حدیث کی کوئی سند بنا کر کیوں نہ بیان کر دی۔ بادشاہ اور حاضرین مجلس کیا جانیں کہ سند صحیح ہے یا نہیں؟ بادشاہ تم کو بڑا عالم سمجھتا اور اس سے تمہیں نفع حاصل ہوتا یہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ ابن دجیہ بڑا جھوٹا اور دین کے کاموں کو نہایت ہلکا جاننے والا ہے۔ (ملخصاً)

قال الحافظ ابن حجر في لسان الميزان نقلاً عن الحافظ ابى الحسين
ابن المفضل كان ظاهري المذهب كثير الوقعة في الائمة وفي السلف من
العلماء خيبث اللسان احمق شديد الكبر قليل النظر في امور الدين.

”حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) حافظ ابو الحسن بن المفضل سے ناقل ہیں کہ ابن

دجیہ کا مذہب ظاہری تھا، اور ائمہ دین اور علماء سلف کو بہت برا کہتا تھا، اس کی زبان بہت خبیث

تھی، وہ اہمق اعلیٰ درجہ مغرور اور اموردین میں کوتاہ نظر تھا اموردین کو کم جانتا تھا۔“

جلال الدین سیوطی جو مجوزین مولد سے ہیں، تدریب الراوی شرح تقریب النووی میں در بیان اقسام واضعین احادیث فرماتے ہیں:

”بعض لوگ ایسے ہیں کہ اپنی عقل سے فتویٰ دیتے ہیں اور جب ان سے دلیل مانگی جاتی ہے تو پریشان ہو کر حدیث گڑھتے ہیں، اور مشہور ہے کہ ابن وحیہ بھی یہی کرتا تھا کہ جب اس کو کوئی دلیل نہ ملتی تو ایک حدیث اپنے مطلب کے موافق بنا لیتا جیسا کہ مغرب کی نماز قصر پڑھنے کی اس نے بنائی ہے۔“

(تدریب الراوی شرح تقریب النووی بحوالہ تاریخ میلاد، ص ۳۵)

قیام کی ابتدا

عہد نبوت، عہد صحابہ تابعین و تبع تابعین اور ائمہ کرام بلکہ اخیر ساتویں صدی ہجری تک مروجہ قیام مولد کا وجود نہیں ملتا۔ قیام اتنے بعد کی ایجاد ہے کہ خود مولود کے ایجاد کے وقت اس کا وجود نہ تھا یعنی موصل میں عمر بن محمد موجد میلاد نے جب مولود کیا تو بلا قیام کیا۔

اربل میں ملک مظفر الدین نے ۶۰۴ھ میں جب مولود کو رواج دیا اور آخری سانس تک ہر سال نہایت دھوم دھام سے مولود کو کرتا رہا جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں، تو اس میں سب کچھ تھا مگر قیام نہ کرتا تھا غالباً پہلے میلاد کے لیے قیام ضروری بھی نہ تھا لیکن اب میلاد کے لیے قیام ضروری ہو گیا ہے۔ دور حاضر میں تو قیام ذکر ولادت کا جزو لاینفک ہو گیا ہے۔ اگر کوئی میلاد بلا قیام پڑھے تو اس کو میلاد ہی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ قیام کے متعلق سیرو تاریخ میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ تقریباً آٹھویں صدی میں مولود کے ساتھ قیام کا وجود ہوا، لیکن یہ کہ مولود اور قیام کو جمع یا مولود میں قیام کو داخل کس نے کیا؟ اس کا کچھ پتہ نہیں۔ میرے خیال میں جس طرح بے شمار بدعات و خرافات کو رواج دے ڈالا گیا ہے۔ اسی

طرح مولود کے ساتھ قیام بھی اسلام سے نابلد مسلمانوں نے شامل کر لیا ہے۔
 مولانا عبدالسلام ندوی رحمۃ اللہ اپنے ایک مطبوعہ مضمون (بدعت) میں بحوالہ
 مدخل (۲۳۲/۱) لکھتے ہیں:

”قیام کی ابتدا درحقیقت اس طرح ہوئی کہ ایک صوفی منس بزرگ کو اثنائے مولود
 میں وجد آ گیا اور وہ وجد کی حالت میں اٹھ کھڑے ہوئے چونکہ وہ نہایت موثر اور
 صاحب اثر تھے۔ اس بنا پر ان کے ساتھ ساری مجلس کھڑی ہو گئی۔“
 پھر آگے مولانا ندوی نے اپنی رائے لکھی ہے:
 ”پہلا دن تھا کہ قیام مولود کا جزو ہو گیا۔“

میلا د میں قیام تعظیمی

قیام صرف اللہ ہی کے لیے جائز ہے۔ مجلس میلاد چونکہ بدعت ہے، لہذا میلاد میں
 قیام تعظیمی جو اس کے ضمن میں کیا جاتا ہے وہ بھی بدعت اور ممنوع ہوا۔ میلاد کی مجلسوں
 میں لوگ یہ عقیدہ رکھ کر قیام کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایسی مجلسوں میں بذات خود
 تشریف لاتے اور حاضر ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ عقیدہ بالکل باطل اور نصوص شرعیہ کے
 خلاف ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر آپ کی وفات کے بعد آپ کے روضہ مبارکہ
 میں ہے اور قیامت تک اس میں رہے گا۔ ارشاد باری ہے:

ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ۝ (المومنون: ۱۶)

”پھر تم لوگ اس کے بعد مرنے والے ہو اور پھر قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انا سید ولد آدم یوم القیامة واول من ینشق عنه القبر وانا اول شافع
 واول مشفع. (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب تفضیل نبینا ﷺ علی جمیع

(الخلق ۴۲/۸، رقم الحدیث ۳)

”میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے میری قبر شق ہوگی اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی۔“

پھر یہ بھی غور فرمائیے کہ میلاد کرنے والے بیک وقت دنیا میں بے شمار مقامات پر میلاد کی مجلسیں منعقد کرتے ہیں۔ اب اگر رسول اللہ ﷺ ہر مجلس میلاد میں تشریف لے جائیں تو بتائیے کہ رسول اللہ ﷺ کی کتنی روحوں اور اجسام ہیں کہ آپ ﷺ ہر مجلس میلاد میں بیک وقت شرکت فرما لیتے ہیں۔ بہر حال اس عقیدہ سے رسول اللہ ﷺ کے لیے تعدد ارواح و اجسام کا وجود لازم آتا ہے جو بدیہی طور سے باطل ہے اور اس کا بطلان ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی تعظیم کے لیے قیام کرنا جائز نہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿البقرة: ۲۳۸﴾

”صرف اللہ کے لیے ہی قیام باادب کیا کرو۔“

حضرت محمد ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں صحابہ کرام کو اپنی تعظیم کے لیے قیام سے روک دیا تھا چنانچہ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھ میں چھڑی لیے ہوئے ہمارے بیچ میں تشریف لائے۔ ہم آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا:

لا تقوموا کما تقوم الا عاجم يعظم بعضهم بعضا.

(سنن الترمذی، أبواب الأدب ماجاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل، ۱۰۰/۲)

”جیسے غجی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوا کرتے ہیں اس طرح مجھے دیکھ

کر تم لوگ کھڑے نہ ہوا کرو۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم کو رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ

محبت تھی لیکن چونکہ ہمیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑا ہونا سخت ناپسند ہے اور آپ نے ہمیں اس سے منع فرمایا تھا، اس لیے ہم آپ ﷺ کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

(جامع ترمذی ۹۰/۵، رقم الحدیث: ۲۷۵۴)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایک مجلس میں تشریف لائے، ان کو دیکھ کر ایک شخص تعظیم میں کھڑا ہو گیا تو آپ اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا:

ان النبی ﷺ نہی عن ذلک.

”رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔“

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ وہاں ابن زبیر اور ابن عامر تھے۔ آپ کو دیکھ کر ابن عامر کھڑے ہو گئے اور ابن زبیر بیٹھے رہے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت معاویہ نے ابن عامر سے فرمایا:

اجلس فانی سمعت رسول الله ﷺ يقول من احب ان يمثل له الرجال قياما فليتبوا مقعده من النار. (سنن ابی داؤد ۳۹۸/۵، رقم الحدیث: ۵۲۲۹، والترمذی ۹۰/۵، رقم الحدیث ۲۷۰۰، وقال حدیث حسن)

”بیٹھ جاؤ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، جسے یہ بات پسند ہو کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں یا اس کے سامنے کھڑے ہوں اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔“

بعض لوگ آپ کی ولادت کا ذکر سن کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس وقت آپ ﷺ کی روح تشریف لاتی ہے اور آپ حاضر ہوتے ہیں، حالانکہ ان کا یہ خیال باطل ہے بلکہ یہ عقیدہ شرک ہے۔

اس عقیدہ کے بارے میں ایک دوسرے ناجیہ سے بھی غور فرمائیے۔ رسول اللہ ﷺ

فرماتے ہیں:

ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغونى من امتى السلام.

(مسند احمد ۱/ ۳۸۷، ۳۳۱، ۳۵۲، سنن النسائی ۱/ ۱۵۰، باب التسليم على النبى رقم الحديث

۱۲۸۳، وسنن الدارمی ۲/ ۳۱۷، كتاب الرفائق باب فضل الصلاة على النبى ﷺ)

”اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں اور میری امت کے درود و سلام کو مجھ تک پہنچایا کرتے ہیں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی عزت افزائی فرماتے ہوئے ایسے فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے جو پوری دنیا سے درود و سلام کا تحفہ آپ کے پاس پہنچاتے رہتے ہیں، مگر لوگوں نے آپ ﷺ کی اس طرح کی اہانت کی کہ یہ عقیدہ رکھنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ ہی ہر جگہ تشریف لے جاتے ہیں۔ اس طرح انھوں نے آپ ﷺ کو مخدوم کے بجائے خادم بنا دیا اور پھر یہ خیال کرنے لگے کہ چند نکوں کے بتائے منگا کر کچھ ملاؤں کو جمع کر لیں، اور ایک مجلس میلاد منعقد کر کے ہم رسول اللہ ﷺ کو بلا لیں گے، اور چاہے جیسی بدعت و خرافات کی مجلس ہو اور اس میں جیسے بھی مردوزن کا اختلاط اور خلاف شرع باتیں ہوں، آپ ضرور تشریف لائیں گے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور احادیث شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر تمام وفات یافتہ لوگ اپنی قبروں سے قیامت کے دن نکلیں گے۔ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اب رہا یہ مسئلہ کہ رسول اللہ ﷺ پر درود و سلام پڑھنا تمام اوقات میں جائز ہے۔ نماز کے بعد انفرادی طور پر پڑھنے کی بالخصوص تلقین کی گئی ہے۔ نماز کے آخری تشہد میں درود پڑھنا واجب ہے۔ جمعہ کے دن اور رات کو درود پڑھنا اور نماز جنازہ میں درود پڑھنا سنت موکدہ ہے۔ اجتماعی طور پر درود و سلام پڑھنا احادیث سے ثابت نہیں ہے۔

کتب میلادِ نبویہ اور روایات موضوعہ

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک گروہ واعظوں کا ہے اور سب سے بڑی مصیبت انہیں سے پیش آتی ہے کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام اور موثر ہو سکیں، اور صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کے لیے مشکل ہے۔ اس کے ساتھ ان میں دینداری نہیں ہوتی، اور ان کی محفلوں میں جاہلوں کا مجمع ہوتا ہے۔ چنانچہ فضائل و مناقب، عذاب و ثواب، بہشت و دوزخ، وقائع میلاد، اور معجزات و لاکھوں کا جو جعلی دفتر پیدا ہو گیا ہے وہ زیادہ تر انہیں جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے۔“ (کتاب الموضوعات ۱/۱۴۴)

ان جعلی روایات کے مراجع عموماً دلائل النبوة للحربی، دلائل النبوة لابن قتیبہ، دلائل النبوة للمستغفری، دلائل النبوة لابی نعیم اصفہانی وغیرہ اور شرف المصطفیٰ لابی سعید اصفہانی و طبقات ابن سعد و سیرت ابن اسحاق و مواہب لدنیہ و معارج النبوة وغیرہ وغیرہ قسم کی کتابیں ہیں۔

علامہ شبلی رحمہ اللہ نے سیرت کی کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سیرت پر سیکڑوں تصانیف موجود ہیں لیکن سب کا سلسلہ جا کر تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے۔ سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری۔ ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں زیادہ تر انہیں کتابوں سے لیے گئے ہیں۔

ان میں سے واقدی بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں: واقدی خود اپنی طرف سے روایتیں گڑھتا تھا۔ سیرت نبوی سے متعلق واقدی کی دو کتابیں ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں۔ کتب

سیرت کی اکثر بے ہودہ روایتوں کا سرچشمہ واقدی ہی کی تصانیف ہیں۔ ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں، اور اگر جھوٹا ہے تو بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں ہے۔

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں۔ اس لیے ان روایتوں کا وہی رتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتوں کا ہے۔ باقی رواۃ میں سے بعض ثقہ ہیں بعض غیر ثقہ ہیں۔

طبری کے بڑے بڑے شیوخ روایت مثلاً سلمہ ابرش و ابن سلمہ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہیں۔ ابن اسحاق پر امام مالک و بعض محدثین نے جرح کی ہے تاہم ان کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ ”جزء القراءۃ“ میں ان کی سند سے روایتیں نقل کرتے ہیں۔

حافظ زین الدین عراقی جو بڑے پایہ کے محدث ہیں سیرت منظوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

”طالب کو جاننا چاہیے کہ سیرت میں سبھی طرح کی روایتیں ہوتی ہیں، صحیح بھی اور غلط بھی۔“

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتاب التوسل میں لکھا ہے ”ابن السنی والبنوعیم اور اس طرح کے لوگوں کی کتابوں میں کثرت سے چھوٹی حدیثیں موجود ہیں جن پر اعتماد کرنا ناجائز ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔“
مواہب لدنیہ کی بابت علامہ شبلی لکھتے ہیں:

”یہ مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی مآخذ ہے۔ اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے ہم رتبہ تھے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی اس کے اندر موجود ہیں۔“ (ضعیف موضوع روایات، ص ۱۲۳)

سیرت نبوی ﷺ کے موضوع پر بعض مشہور روایتیں

(۱) رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کر دی گئی کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

”اول ما خلق الله نوری۔“ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا۔“

اس روایت کی بابت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ روایت مجھے حدیث کے دفتر میں نہیں ملی۔“ (سیرت النبی، ۳/۷۳۷)

مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا: اے جابر!

سب سے پہلے اللہ نے تیرے نبی کا نور پیدا کیا پھر اس نور کے چار حصے ہوئے اور انہی سے لوح و قلم عرش و کرسی آسمان و زمین اور جن و انس کی پیدائش ہوئی۔

محدث عصر علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بہت کوشش کے باوجود میں اس حدیث کی سند سے واقف نہ ہو سکا، نیز اس کے

برخلاف صحیح روایت میں آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

”اول من خلق الله القلم۔“ (الحدیث) ”سب سے پہلے اللہ نے قلم کو پیدا کیا۔“

رواہ الترمذی فی القدر و فی التفسیر وقال حدیث حسن غریب وله

طریق آخر عن عبادة بن الصامت رواه ابوداؤد قال الالبانی الحدیث

صحیح بلا ریب (مشکوٰۃ بتحقیق الالبانی، ۱/۳۳)

(۲) اس نور محمدی کے بارے میں غیر مقبول روایات کی مدد سے بڑی تفصیلات ذکر

کی گئی ہیں مثلاً یہ کہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا۔ پھر حضرت آدم کے تیرہ وتار

جسم کا چراغ بنا پھر آدم نے مرتے وقت حضرت شیث کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد

کر دیا۔ اسی طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا ہوا حضرت عبد اللہ کو سپرد

ہوا اور حضرت عبد اللہ سے حضرت آمنہ کو منتقل ہوا۔

(۳) یہ بھی روایت بیان کی جاتی ہے کہ یہ نور جب بلوغ کے وقت عبدالمطلب کو سپرد ہوا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے۔ سو کر اٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے۔ یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے۔ آخر کار ان کے باپ ان کو ایک کاہن کے پاس لے گئے۔ اس نے کہا آسمان کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے۔ اس نور کے اثر سے عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی تو اس نور کے وسیلے سے وہ دعا مانگتے تھے تو قبول ہوتی تھی۔

نور محمدی اور آپ کی ولادت نیز حلیمہ سعدیہ کے ہاں آپ کے قیام کے دور میں پیش آنے والے واقعات کی بابت اور قبل نبوت آپ کے آثار کے بارے میں بہت سی عجیب و غریب روایات بہت تفصیل کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔ جو سب نہایت درجہ سقیم ہیں۔ اسی طرح یہ ثابت کرنے کے لیے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کے محاسن کے جامع ہیں تمام انبیاء کو جو محاسن و معجزات دیے گئے وہ سب آپ سے بھی ظاہر ہوئے، بہت سی ضعیف اور موضوع روایات کا سہارا لینا پڑا ان سب کو اگر میں ذکر کروں تو ایک طویل دفتر تیار ہو جائے گا۔ اسے علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے سیرت النبی جلد سوم میں (غیر مستند روایات) کے ضمن میں ذکر کیا ہے، اور ان پر کسی قدر کلام کیا ہے۔ یہ پوری بحث سیرت النبی جلد سوم کے ۵۷ صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے باوجود سید صاحب فرماتے ہیں کہ دلائل و معجزات کے باب میں موضوع، منکر، ضعیف غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پڑتال کی جائے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے گی۔ اس لیے ہم نے صرف ان روایات کی تنقید پر قناعت کی ہے جو عام طور پر ہمارے ملک میں مشہور ہیں۔ (سیرت النبی، ص ۷۳۷)

قرآن و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاء کے گذشتہ صحیفوں میں آنحضرت ﷺ

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

کے ظہور کی پیشین گوئیاں ہیں اور ان کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا، مگر دروغ گورادویوں کو ان آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ سے تسلی نہ ہوئی اور اس سلسلہ میں بھی طول طویل کہانیاں تصنیف کر ڈالیں، اور پیشین گوئیوں کے دائرہ کو اس قدر وسعت دی کہ یہودیوں کو دن، تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا، چنانچہ ولادت نبوی ﷺ سے قبل علماء یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خدو خال معلوم تھا، بلکہ پرانے گھرانوں اور دیروں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں جن میں آپ کا تمام حلیہ لکھا تھا اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھتے تھے۔ بلکہ دیروں میں تو آپ کی تصویر تک موجود تھی۔ تورات و انجیل میں آپ کے متعلق بعض پیشین گوئیاں یقیناً موجود تھیں اور وہ آج بھی ہیں مگر وہ استعارات و کنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں۔ ان کو ضعیف و موضوع روایتوں میں صاف صاف آپ کے نام و مقام کی تخصیص و تعیین کے ساتھ مشہور و بیان کیا گیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس باب میں بھی بہت کچھ گھڑا گیا مثلاً کہا گیا کہ:

جب آپ کے قرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بت خانوں اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ کاہن مقفی مسیح فقروں میں اور جنات شعروں میں یہ چیزیں سنایا کرتے تھے کہ محمد ﷺ کی پیدائش کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپ ﷺ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا۔ ملوک یمن، شاہان فارس اور قریش کے اکابر نے آپ کو خواب میں دیکھا، پتھروں پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا۔ قریش کے مورث اعلیٰ کعب بن لویٰ ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ والوں کو آپ ﷺ کی پیدائش و نبوت کی بشارت دیا کرتے تھے۔ مکہ کے لوگ احبار و رہبان کی زبان سے محمد کا نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہو جائے۔ مدینہ کے یہودیوں کے ذریعہ مشہور تھا کہ یثرب آپ کا دارالہجرت ہوگا، اس لیے وہ آپ کے منتظر تھے اور جب آپ کی

پیدائش ہوئی تو ان جھوٹے بیبوں کے بیبان کے مطابق بے شمار عجائب و غرائب کے ظہور کے ساتھ کعبہ کے تمام ہت سرگلوں ہو گئے۔ سرئی کے محل کے چودہ کنگورے گر گئے، بحر طبریہ خشک ہو گیا، آتش فارس بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے بجھی نہ تھی اور ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے۔ (سیرت النبی، ص ۲۳۴)

غرض کہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے قبل و بعد اور پیدائش کے وقت جھوٹے راویوں نے اس طرح کی کہانیوں کے جس قدر بھی انبار لگا دیے ہیں، وہ روایت درایت دونوں لحاظ سے بے حد کمزور ہیں۔ اسی بنا پر کتب صحاح ستہ اور معتبر و مستند کتب احادیث کے مصنفین و محدثین نے ان روایات کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔

(۴) نور محمدی اور آپ کی ولادت سے متعلق خاص طور پر کہانیاں سب سے زیادہ گھڑی گئی ہیں ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے:

ان نور محمد خلق من نور اللہ. (الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة للشیخ عبدالحیء فرنگی محلی لکھنوی، ص ۲۷۲)

”نور محمدی اللہ کے نور سے پیدا کیا گیا ہے۔“

(۵) نیز مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ سے کہا:

”میں محمد کا واسطہ دے کر اپنے گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اللہ نے پوچھا تم نے محمد کو کیسے جانا؟ آدم علیہ السلام نے کہا جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی تو میں نے سر اٹھایا اور عرش پر یہ لکھا ہوا پایا:

لا اله الا الله محمد رسول الله.

تب میں نے جانا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ محبوب ترین مخلوق کا نام جوڑا ہے۔ اللہ نے کہا تو نے سچ کہا۔ اے آدم! اگر محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔

(الآثار المرفوعة، ص ۲۷۲)

یہ آخری بات ”موضوعات کبیر اور الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ“ وغیرہ میں بھی ہے کہ اللہ نے فرمایا: لولاک لما خلقت الافلاک۔
 ”اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔“

یہ انتہائی مشہور مکذوبہ حدیث ہے۔ یہ من گھڑت حدیث ہے جو کہ حدیث کی کسی بھی مستند کتاب میں نہیں پائی جاتی اور نہ ہی اس روایت کی کوئی معتبر صحیح سند ہے۔ علامہ صنعانی (الاحادیث الموضوعۃ ص ۷)، علامہ سیوطی (اللائئ المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، ۲۷۲/۱)، علامہ شوکانی (الفوائد المجموعۃ ص ۳۲۶) اور علامہ ابن جوزی (الموضوعات ۱/۲۸۹-۲۹۰) نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

نیز یہ حدیث آیت کریمہ ”وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ“ کے خلاف بھی ہے جس میں جن و انس کی پیدائش کا مقصد خالص عبادت بتایا گیا ہے۔
 (۶) ایک روایت ہے کہ كُنْتُ نَبِيًّا وَآدَمَ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّينِ.
 ”میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدم پانی اور مٹی کے مرحلہ میں تھے۔“

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نہ تو اس کی کوئی بنیاد ہے اور نہ کسی صاحب علم نے ان الفاظ کے ساتھ اس کی روایت کی ہے اور یہ روایت من گھڑت ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ، ۲/۲۳۸-۱۳۷)

علامہ شوکانی نے ابو عبد اللہ الحاکم کے حوالہ سے بلفظ ”كنت نبيا و آدم بين الروح والجسد“ نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ حاکم نے اسے صحیح کہا ہے مگر علامہ صنعانی اور امام ابن تیمیہ نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

(الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، ص ۳۲۶)

(۷) حافظ جورقانی نے محمد بن سعید المصلوب عن حمید عن انس کے طریق سے یہ

حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی الا ان یشاء اللہ.

”میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا مگر یہ کہ اللہ چاہے۔“

حافظ جورقانی فرماتے ہیں کہ یہ استثناء الا ان یشاء اللہ موضوع اور باطل ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ یہ محمد بن سعید شامی کی موضوعات سے ہے زندیق ہو جانے کے بعد جسے سولی دے دیا گیا تھا۔ اللہ کی اس پر لعنت ہو۔ یہ بڑا وضاع و کذاب تھا۔ اس نے حدیث صحیح میں ”الا ان یشاء اللہ“ کا جملہ اپنی طرف سے بڑھا کر لوگوں میں بیان کرنا شروع کر دیا تاکہ لوگوں کے دلوں میں ختم نبوت کے تعلق سے شبہ پیدا ہو جائے۔ یہ استثناء مسلمانوں کے نزدیک کفر والحاد زندقہ ہے۔ (الاباطیل و المناکیر، ۱/۱۲۰)

(۸) تو سلوا بجاہی فان جاہی عند اللہ عظیم.

(المقاصد الحسنۃ للشیخ سخاوی، ص ۱۶۷)

”اپنی حاجت روائی کے لیے میرے جاہ و مقام کو وسیلہ بناؤ کیونکہ اللہ کے نزدیک میرا جاہ

و مقام بہت بلند ہے۔“

بے شک اللہ کے رسول ﷺ کا مقام اللہ کی نظر میں بہت بلند ہے مگر یہ حدیث بے بنیاد ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت بطریق صحیح ثابت نہیں کہ آپ نے یہ بات فرمائی ہے۔

عبدالرحمن شیبانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت موضوع من گھڑت ہے۔

(تمیز الطیب من الخبیث، ص ۱۵۳)

(۹) ملا علی قاری نے الموضوعات الکبریٰ (ص ۲۳۲) میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

من زارنی وزار ابی ابراہیم فی عام واحد دخل الجنة.

”جس نے ایک ہی سال میں میری بھی زیارت کی اور میرے باپ ابراہیم کی بھی

زیارت کی وہ دخول جنت کا مستحق ہو گیا۔“

اس روایت کو ذکر کر کے ملا علی قاری لکھتے ہیں:

قال ابن تیمیہ انہ موضوع و کذا قال النووی فی آخر الحج من شرح المہذب انہ موضوع باطل لا اصل له.

”امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور امام نووی نے بھی شرح مہذب کے باب ’الحج‘ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث موضوع اور باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔“
اس حدیث کو علامہ البانی نے بھی اپنی ضعیفہ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ زرکشی نے اللآئی المشورۃ میں اسے موضوع قرار دیا ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعۃ ۱/۳۶)

(۱۰) یہ بھی حدیث بیان کی جاتی ہے کہ میری امت میں سب سے پہلے میرے اہل بیت کو میری شفاعت نصیب ہوگی۔ پھر اقرب فالاقرب کو پھر انصار کو پھر ان کو جو مجھ پر ایمان لائے اور میری اتباع کیا۔ پھر یمن والوں کو پھر تمام عرب کو پھر عجمیوں کو لیکن سب سے پہلے جس کے لیے شفاعت کروں گا وہی سب سے افضل ہوگا۔

علامہ البانی نے اس حدیث کو موضوع قرار دے کر اس کی سند پر مفصل کلام کیا ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ و الموضوعۃ ۲/۴۳۲)

(۱۱) علامہ شوکانی نے الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ (ص ۳۲۲)

میں مندرجہ ذیل حدیث ذکر کی ہے اور اسے موضوع قرار دیا ہے:

ذہبت بقبر امی فسالت اللہ ان یحییہا فاحیایا فامنت بی وردھا

اللہ تعالیٰ!

”رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں اپنی ماں کے قبر کے پاس گیا اور اللہ تعالیٰ سے سوال کیا

کہ میری ماں کو زندہ کر دے تو اللہ نے انھیں زندہ کر دیا۔ پھر وہ مجھ پر ایمان لائیں اس کے بعد

اللہ تعالیٰ نے انھیں واپس بلا لیا۔“

یہ روایت موضوع ہے۔ اس کی سند میں بعض مجہول راوی ہیں اور ایک راوی محمد بن زیاد النقاش کذاب راوی ہے۔ یہ کسی بھی معتبر حدیث کی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ امام جورقانی فرماتے ہیں:

یہ روایت موضوع ہے اور اس طرح کی ساری روایات موضوع ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی والدہ کے دوبارہ زندہ کیے جانے اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کا تذکرہ ہے۔

(الاباطیل والمناکیر، ۱/۱۲۰)

(۱۲) خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں یہ حدیث ذکر کی ہے:

فضلت علی الناس بأربع بالسخاء والشجاعة و كثرة الجماع وشدة

البطش.

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے چار امور میں لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے: سخاوت میں، شجاعت میں اور کثرت جماع میں اور شدت گرفت میں۔“
علامہ البانی فرماتے ہیں:

یہ حدیث باطل ہے اور اس کی سند پر کلام کیا ہے اور یہ بات مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو چالیس آدمی کے برابر قوت جماع دی گئی تھی۔

(سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة، حدیث: ۱۵۹۷، جلد چہارم)

علامہ البانی نے اس سلسلہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اتانی جبرئیل بقدر فاکلت منها فاعطیت قوة اربعین رجلا فی

الجماع. (سلسلة الاحادیث الضعیفه والموضوعة، حدیث نمبر: ۱۶۸۵، جلد چہارم)

”حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک ہانڈی لے کر آئے تو میں نے اس میں

سے کھایا۔ اس کے کھانے سے مجھے چالیس مردوں کی قوت جماع عطا کی گئی۔“

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس کی سند پر کلام کیا ہے پھر اس

کے بعد اسی مفہوم کی ایک حدیث نقل کی ہے: کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس جنت سے ایک جلوہ (ہریرہ) لے کر آئے، میں نے کھایا تو مجھے چالیس مردوں کی قوت جماع عطا کی گئی۔ (سلسلہ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، حدیث نمبر ۱۶۸۶، جلد چہارم) علامہ البانی نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے اور اس پر طویل بحث کی ہے اور امام ابن القیم نے بھی غیر صحیح روایات کے ضمن میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

(المنار المنیف، حدیث نمبر ۱۱۱، ص ۶۴)

(۱۳) امام ابن القیم نے باطل احادیث ہی کے ضمن میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے:

من ولد له مولود فسماه محمداً تبرکاً به كان هو والولد في الجنة.

(المنار المنیف، حدیث نمبر ۹۴، ص: ۶۱، سیرت نبوی کے موضوع پر احادیث کتاب ”ضعیف

وموضوع روایات“ سے ماخوذ ہیں)

”جس نے اپنے بچہ کا نام بطور تبرک محمد رکھا تو اس کی برکت سے وہ اور اس کا لڑکا جنت

میں داخل ہوں گے۔“

غرضیکہ وہ تمام روایتیں جن میں حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے وہ سب جھوٹی اور گڑھی ہوئی ہیں۔

○ وہ معجزے جن میں گدھے، بکری، اونٹ، ہرن، گوہ، بھیڑیے، شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے بروایت صحیحہ ثابت نہیں ہیں۔

○ ایسی روایتیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے لیے آسمان سے خوان نعمت یا جنت سے میووں کے آنے کا ذکر ہے، موضوع ہیں یا ضعیف ہیں۔

○ وہ روایتیں جن میں حضرت خضر یا الیاس سے ملنے یا ان کے سلام و پیام بھیجنے کا بیان ہے، صحت سے خالی ہیں۔

○ عوام میں مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سایہ نہ تھا لیکن یہ کسی روایت سے ثابت

نہیں ہے۔ ۱۔

- روایت ہے کہ آپ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہ رہتی تھی، یہ سر تا پا موضوع ہے۔ ۲۔
- واعظوں میں مشہور ہے کہ ابو جہل کی فرمائش سے اس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت ﷺ کے معجزہ سے کلمہ پڑھنے لگیں لیکن یہ ثابت نہیں ہے۔
- وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان میں کتب معارج النبوة، اعجاز موسوی، مولود سعدی، مولود شہیدی، شمع لاہوت، بزم ملکوت، تفسیر سورہ یوسف، وفات نامہ اور ہرنی

۱۔ علامہ سیوطی نے تخریج احادیث الشفاء، ص: ۷۰ پر لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمن بن قیس ہے وھو وضاع کذاب اور اس کا دوسرا راوی عبدالملک بن عبدالولید ہے وھو معجھول یعنی وہ مجھول ہے۔ ملا علی قاری نے بھی شرح شفا میں اس روایت پر جرح کی ہے غرضیکہ تمام محدثین نے ان راویوں کے کذاب و وضاع ہونے کی بنیاد پر اس روایت کو من گھڑت اور جعلی قرار دیا ہے، جبکہ اس کے مقابلہ میں کئی صحیح سندوں سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کا سایہ تھا۔ اس کے ثبوت پر مختلف حدیثیں دلالت کرتی ہیں، مثلاً روایت ہے: رأیت ظلّی وظلک اپنا سایہ تمہارا سایہ دیکھا۔ اسی طرح دوسری روایت ہے اذا انا بظل رسول اللہ مقبل. اچانک ایک دن دوپہر کو رسول کا سایہ نظر آیا اور دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف لارہے ہیں۔

۲۔ امام بیہقی نے فرمایا کہ یہ حدیث ابن علوان کی موضوعات میں سے ہے۔ الحسین بن علوان بن قدام ابوعلی کوفی کے بارے میں یحییٰ ابن قیس کا کہنا ہے کہ وہ کذاب ہے۔ امام نسائی، ابو حاتم الرازی اور امام دارقطنی نے متروک الحدیث کہا ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ یہ حدیث گڑھتا تھا اور امام احمد نے اس کی تکذیب کی ہے۔ امام سیوطی نے اس واقعہ کو کم از کم چھ سندوں سے بیان کیا ہے، لیکن ساری سندیں مشکلم فیہ ہیں اور ان کی مجموعی تعداد حسن بغیرہ کے درجہ تک نہیں پہنچتی، کیونکہ بعض سند یا تو مرسل ہے یا اس کا کوئی راوی کذاب و وضاع ہے، لہذا اس واقعہ کے ذریعہ آپ ﷺ کے پاخانہ و پیشاب کا اعجاز ثابت کرنا درست نہیں۔

نامہ وغیرہ تمام کتابیں قصص مکذوبہ و روایات موضوعہ اور الم غلم سے بھری پڑی ہیں۔
○ ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپ جب جاتے تھے تو اجالا ہو جاتا تھا۔

○ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے سوئی گر گئی تلاش کی نہیں ملی دفعتاً آپ تشریف لے آئے تو چہرہ مبارک کی روشنی میں سوئی چمک اٹھی اور مل گئی یہ بالکل جھوٹ ہے۔

○ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے سورج ڈوب رہا تھا اور نماز عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا، لیکن حضرت علیؑ نے ادباً آپ کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ جب سورج ڈوب گیا تو دفعتاً آپ ﷺ بیدار ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے دعا کی فوراً آفتاب نکل آیا۔ یہ روایت بھی صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے۔!

○ اور وہ روایتیں بھی صحیح طریق سے ثابت نہیں ہیں جس میں بیان ہے کہ جب آپ ﷺ نے ہجرت میں غار ثور میں پناہ لی تو اللہ کے حکم سے فوراً غار کے منہ پر بول کا درخت اگ گیا اور کبوتر کے ایک جوڑے نے وہاں انڈے دے دیے اور کبوتری نے جالے تن دیے تاکہ مشرکین کو اس غار کے اندر آپ ﷺ کے ہونے کا گمان نہ ہو۔ دوسری طرف شیخ علی ابراہیم حشیش فرماتے ہیں:

لا یصح حدیث فی عنکبوت الغار و الحمامین .

۱۔ اس واقعہ کو امام ابن جوزی نے لکھا ہے کہ یہ بلا شک و شبہ موضوع ہے اور اس کی علت فضیل بن مرزوق کو بتایا ہے۔ الموضوعات / ۳۵۶۔ امام ابن تیمیہ نے اس حدیث کے متن پر وضع کا حکم لگایا ہے۔ علامہ سیوطی نے فضیل کو ضعیف کہنے پر تعاقب کیا ہے۔

”غار پر مکڑی کے جالا تنے اور کبوتروں کے انڈا دینے کی بابت کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔“

نیز آگے لکھتے ہیں:

يقول الله تبارك و تعالیٰ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا (التوبة: ۴۰)

فہی صریحہ بان النصر والتائید انما کان بجنود لا تری والعنکبوت والحمامتان والشجرة مما یری.

”اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں فرمایا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کی مدد ایسے لشکر سے کی جسے تم نے نہیں دیکھا۔ یہ آیت صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ آپ کی نصرت و تائید اللہ تعالیٰ نے اس طرح پردہ غیب سے کی تھی جو دیکھی نہ جاسکتی تھی، اور مکڑی و کبوتر درخت تو دیکھی جانے والی چیزیں ہیں۔“

نیز شیخ علی ابراہیم نے ان سب روایتوں پر مفصل بحث کی ہے اور انھیں غیر صحیح روایات قرار دیا ہے۔ (مجلۃ التوحید، قاہرہ، شعبان ۱۴۲۱ھ)

○ اور ہجرت کے راستہ میں ام معبد کی خشک تھن والی بکری دوہنے اور ام معبد کا ابو معبد سے رسول اللہ ﷺ کا اوصاف بیان کرنے کی جو روایت ہے وہ بھی کلام سے خالی نہیں ہے امام ذہبی اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ان میں سے کوئی طریق صحیح سند سے شرائط کے مطابق نہیں۔“ (سیرت النبی، ۳/۷۷۱)

○ اُمّ الفضل بنت الحارث بیان کرتی ہیں کہ ایک دن میں حضرت حسین کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کی آغوش میں دے دیا۔ کچھ دیر بعد میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ ﷺ کی چشم مبارک آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میرے پاس حضرت جبرئیل آئے اور انھوں نے مجھے خبر دی کہ میری امت

میرے اس فرزند کو شہید کر دے گی اور میرے پاس ان کے قتل کی سرخ مٹی لائے تھے۔ ۱۔

سیرت نبوی کے موضوع غیر صحیح روایات کی اشاعت کا مسلمانوں کے معاشرے پر بہت برا اثر پڑا اور ایک ایسا طبقہ وجود میں آ گیا جس نے امت کو خرافات کے دلدل میں ڈال دیا۔

ملا علی قاری نے موضوعات میں اور علامہ سیوطی نے تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص میں ایک عجیب واقعہ ذکر کیا ہے کہ بغداد میں ایک واعظ نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۹ عَسَىٰ اَنْ يَّيْعَنَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا. (عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا) سے یہ مفہوم نکالا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عرش الہی پر جلوہ فرما ہوں گے۔ جب اس کا علم محمد بن جریر طبری کو ہوا تو انھیں اس پر بڑا غصہ آیا اور انھوں نے اپنے گھر کے دروازہ پر لکھ دیا:

سبحان من ليس له انيس ولا له على عرشه جليس.

”پاک ہے وہ ذات جس کا ایسا کوئی دوست نہیں جو اس کے عرش پہ اس کا ہم مجلس ہو۔“

جب بغداد کے عوام نے جنہوں نے واعظین سے یہ سن رکھا تھا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرش الہی پر جلوہ فرما ہوں گے اور اس کے خلاف امام طبری کے گھر پر یہ عبارت دیکھی تو پھر اٹھے اور ان کے گھر پر پتھر اڈ شروع کر دیے ان کا دروازہ توڑ دیا اور ان پر پل پڑے۔

۱۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ امام ذہبی نے کہا یہ منقطع ہے اور ضعیف ہے، کیونکہ شداد بن عبد اللہ نے ام الفضل بنت الحارث کو نہیں پایا ہے۔ اس لئے یہ روایت منقطع ہوئی اور دوسری علت محمد بن مصعب ہے جو کہ ضعیف ہے۔ محمد بن مصعب القرظی کے بارے میں یحییٰ بن معین نے کہا کہ لیس شیء وہ کچھ نہیں ہے۔ مزید معلومات کے لئے ملاحظہ ہو: التاريخ الكبير ۱/۲۳۹۔

یہ ہوتا ہے اس جماعت کا انداز جو آج تک جاری ہے جو اپنے خلاف کوئی لفظ سننا گوارا نہیں کرتی اور جو کوئی ان خرافات کے خلاف کچھ لکھتا بولتا ہے اس پر سخت برہم ہو جاتی ہے۔

یہ تو نثر کا حال ہے اور نظم کا یہ عالم ہے کہ ایک مسلمان کے لیے نعوذ باللہ پڑھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ صوفی میری کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

حاشا ان يحرم الراجی مكارمه او يرجع الحار منه غير محترم
 ”ایسا نہیں ہو سکتا کہ اپنی ضرورتوں کا متلاشی آپ کی کرم نوازی سے نامراد لوٹے۔“

فان من جودك الدنيا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم
 ”بے شک دنیا اور اس کی دھن د دولت تیری ہی سخاوت ہے اور لوح و قلم کا علم تیرے ہی علم کا ایک حصہ ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے متعلق یہ شاعر کہتا ہے کہ آپ ہی مالدار کرتے ہیں، آپ ہی محتاج کرتے ہیں، آپ ہی گناہوں کی بخشش کرتے ہیں، دنیا و آخرت میں آپ ہی ملجا و ماویٰ ہیں یہی نہیں بلکہ پوری دنیا کا تصرف آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس شاعر اور اس کے ہم مشرب و ہم نوا سے میرا سوال ہے کہ جب لوح و قلم، تخلیق بشر اہلیت نفع و ضرر وغیرہ سب کچھ محمد ﷺ کو دے دیا تو اللہ تعالیٰ کے پاس کیا بچا؟

دوسرا شاعر کہتا ہے:

محمد بہ شکل عرب آمدہ بمعنی دیگر عین رب آمدہ

”محمد ﷺ عرب کی شکل میں آئے ہیں دوسرے معنی میں عین رب آئے ہوئے ہیں۔

عرب کے عین کو رب سے الگ کر کے پڑھیے تو رب ہی ہوگا۔“

آج میلاد اور معراج کی مجلسوں میں جس مولود خواں کو دیکھئے، مولود سعیدی گل دستہ کا

یہ شعر پڑھتا نظر آتا ہے:

خدا رخ سے پردہ اٹھاتا ہے آج محمد ﷺ کو جلوہ دکھاتا ہے آج
 دکھاتا ہے کہ مرتبہ قرب کا کہ زانو سے زانو ملاتا ہے آج
 یہ اشعار خدا کا ہم نشین بنانے کا شعر تھا، اب حضور ﷺ کو خدا بنانے کا شعر سن لیجئے۔
 وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
 اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفیٰ ہو کر
 اسی طرح ایک شعر یہ بھی ہے:

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
 جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے

بریلوی فرقہ کے امام مولوی احمد رضا خاں کے درج ذیل چند اشعار پڑھئے:

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر و مفر
 جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں
 کرے مصطفیٰ کی اہانتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں
 کہ میں کیا نہیں ہوں محمدی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں
 وہی لا مکاں کے مکیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
 وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

اطراء و غلو میں ڈوبے ہوئے ان اشعار کا جواب مولانا عبدالمبین منظر صاحب
 رحمہ اللہ نے یوں دیا ہے:

بخدا خدا کا نہیں یہ در وہ خدا ہے یہ ہیں پیامبر
 جو وہاں سے ہو وہی ہو یہاں جو وہاں نہیں تو یہاں نہیں
 شب و روز کرتے ہو بدعتیں کھلے بندوں اس پہ یہ جراتیں
 کہ میں کیا نہیں سستی ہوں جی ارے ہاں نہیں ارے ہاں نہیں

سر عرش تخت نشین نہ کہہ انھیں لا مکاں کا مکیں نہ کہہ
وہ خدا نہیں ہیں نبی ہیں وہ وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

چودھویں صدی ہجری میں مولود کی برکت سے نعت گوئی کا یہ مختصر نمونہ ہے جس میں خدا کی توہین اور انبیاء کرام کی توہین صاف صاف موجود ہے۔ ان بے بنیاد روایتوں کے پیدا ہونے کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ان بے بنیاد روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبول عام کی بنا پر یہ کام واعظوں اور میلاد خوانوں کے حصے میں آیا۔ چونکہ یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی، اور ادھر گرمی محفل اور شورا حسنت کے لیے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی اس لیے لامحالہ ان کو اپنی اختراع پر زور دینا پڑا ان میں جو کسی قدر محتاط تھے، ان کو لاطائف صوفیانہ اور مضامین شاعرانہ میں ادا کیا۔ سننے والوں میں ان کو روایت کی حیثیت اختیار کر لی اور جو نڈراور بے احتیاط تھے، انھوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا، بلکہ ایک سند جوڑ کر انھوں نے براہ راست اس کو حدیث و خبر کا مرتبہ دے دیا۔“ (سیرت النبی، طبع سوم، ص ۷۲۹)

سید صاحب ان بے بنیاد روایتوں کے پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کے نزدیک آنحضور ﷺ افضل الانبیاء ہیں۔ آپ کامل ترین شریعت لے کر مبعوث ہوئے آپ تمام محاسن کے جامع ہیں۔ یقیناً یہ سب بالکل صحیح لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر وسعت دی ہے اور انبیاء سابقین کے تمام معجزات کو آنحضور ﷺ کی ذات میں جمع کر دیا ہے اور وہ اس اعتقاد کی بدولت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔ بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل میں اور سیوطی نے خصائص میں، علانیہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں انہی کے مثل آپ کے معجزات بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے ہیں اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپ ﷺ کی تعلیم تمام انبیاء کی تعلیمات کا عطر، خلاصہ اور مجموعہ ہے اسی

طرح آپ ﷺ کے معجزات بھی دیگر انبیاء کے معجزات کا مجموعہ ہیں اور جو کچھ تمام انبیاء سے متفرق طور پر صادر ہوا وہ تمام کا تمام مجموعاً آپ ﷺ سے صادر ہوا۔ ظاہر ہے اس مماثلت اور مقابلہ کے لیے تمام صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتیں، اس لیے لوگوں نے انھیں ضعیف و موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی۔ کہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا مثلاً حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسماء کی تعلیم دی۔ حضرت ادریس کے متعلق قرآن میں ہے کہ خدا نے ان کو بلند جگہ میں اٹھایا لیکن رسول اللہ ﷺ کی بلندی اس سے بھی آگے قاب تو سین تک ہوئی۔ حضرت نوح کی طوفان کی دعا اگر قبول ہوئی تو آپ کی قبط کی دعا قبول ہوئی۔ حضرت صالح کے لیے اونٹنی معجزہ تھی تو آپ ﷺ سے اونٹ نے باتیں کیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں نہ جلے، آپ ﷺ سے بھی آتشیں معجزے صادر ہوئے، حضرت اسماعیل کے گلے پر چھری رکھی گئی تو آپ کا سینہ بھی چاک کیا گیا، حضرت یعقوب سے بھیڑیے نے گفتگو کی تو یہ روایت بیان کی گئی کہ آپ سے بھی بھیڑیا ہم کلام ہوا۔‘ (سیرت النبی، طبع سوم، ص ۷۳۲)

ابو نعیم میں یہ حکایت ہے کہ حضرت یوسف کو حسن کا آدھا حصہ عطا ہوا لیکن آپ ﷺ کو پورا حصہ دیا گیا۔ حضرت موسیٰ کے لیے پتھر سے نہریں جاری ہوئیں، تو آپ کی انگلیوں سے پانی بہا۔ حضرت موسیٰ کی لکڑی معجزہ دکھاتی تھی تو آپ ﷺ کے فراق میں بھی چھوہارے کا درخت رویا اور چھوہارے کی خشک ٹہنی تلوار بن گئی۔ حضرت موسیٰ کے لیے بحر احمر شق ہوا تو آپ ﷺ کے لیے معراج میں آسمان وزمین کے درمیان کا دریائے فضا بیچ سے پھٹ گیا۔ یوشع کے لیے آفتاب ٹھہرا دیا گیا تو آپ کے اشارہ سے آفتاب ڈوب کر نکلا۔ حضرت عیسیٰ نے گہوارہ میں کلام کیا اور آپ کی زبان سے پہلے تکبیر و تسبیح کی آواز بلند ہوئی۔ حضرت عیسیٰ کا سب سے بڑا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا ہے اور صرف انھیں کے ساتھ مخصوص ہے لیکن آنحضرت ﷺ کی طرف یہ معجزہ منسوب کیا گیا کہ آپ ﷺ نے ایک

شخص کو اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہا جب تک میری لڑکی کو زندہ نہ کر دیں گے میں ایمان نہ لاؤں گا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی قبر پر جا کر آواز دی اور وہ نکل کر باہر آئی اور پھر چلی گئی، اسی طرح یہ روایت بھی گڑھی گئی کہ آپ کی والدہ بھی آپ کی دعا سے زندہ ہوئیں اور آپ پر ایمان لائیں۔

اسی طرح اور بھی متعدد اسباب علامہ سید سلیمان ندوی نے ذکر کیے ہیں اور اس ضمن میں بعض روایتیں بیان کی ہیں جو مشہور ہیں مگر غیر مستند اور بے بنیاد ہیں۔

عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت

ہم ہر سال ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو جو عید میلاد النبی ﷺ کے جلوس اور جشن مناتے ہیں ان میں ڈھول تاشے، قوالیاں، اور فلمی گانوں کی ریکارڈنگ سے ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ کیا جو امام الانبیاء ہو اس کی وفات کے دن ایسا کرنا درست ہے؟ خیر القرون میں اس نام سے کسی تقریب کا اہتمام نہیں ہوتا تھا، چنانچہ آپ ﷺ کی زندگی میں قبل از بعثت چالیس دفعہ یہ دن جلوہ افروز ہوا، اور در نبوت میں تینیس دفعہ، وفات تک تریسٹھ دفعہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دو دفعہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں دس گیارہ مرتبہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بارہ دفعہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پانچ چھ دفعہ، خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بیس دفعہ، آخری صحابی ابو الطفیل عامر بن واثلہ لیش کی وفات تک یہ یوم میلاد ایک سو تریسٹھ بار آیا۔ انھوں نے اس طرح محبت کا اظہار نہیں کیا جس طرح ہم کرتے ہیں۔ کیا ان کو آپ ﷺ سے محبت نہیں تھی؟ پھر یہ یوم میلاد النبی ﷺ تابعین عظام کے دور میں جن کا دور ۱۱۰ھ سے شروع ہو کر ۱۸۰ھ تک رہا ہے پھر تبع تابعین کے دور میں جن کا دور ۱۸۰ھ سے شروع ہو کر ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔ پھر کیا ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ نے اپنی ستر سالہ

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

زندگی میں، امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی ننانوے سالہ زندگی میں، امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی چون سالہ زندگی میں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی پوری زندگی میں یہ کام کیا۔ اسی طرح محدثین عظام اور شیخ عبدالقادر جیلانی کی اکانوے سالہ زندگی میں یہ دن آیا، لیکن انھوں نے نہیں منایا۔ جب صحابہ کرام سے لے کر محدثین کرام تک کسی نے جلوس نکالنے اور جشن منانے کا مظاہرہ نہیں کیا تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اگر یہ کام نیکی کا ہوتا تو ایسا ضرور کرتے جب انھوں نے نہیں کیا تو پھر اسے نیکی اور عبادت کہنا کہاں تک درست ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے لیے صرف دو عیدوں کو منانے کا حکم فرمایا ہے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ، یہی دونوں عیدیں مسلمانوں کی حقیقی عیدیں ہیں۔ خلفائے راشدین، صحابہ کرام، تابعین عظام، وتبع تابعین اور ائمہ اسلام نے صرف انہیں دو عیدوں کو منایا ہے۔ اس کے علاوہ کسی تیسری کو نہیں منایا، صحابہ کرام اور سلف صالحین کا دور اس بات پر شاہد عدل ہے کہ وہ دین محمدی میں کسی بھی طرح کی کمی و بیشی قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے مجالس و محافل منعقد کرنا شرعاً ناجائز ہے، اس رسم کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ ایک قبیح بدعت ہے تو پھر ہمارے لیے کہاں گنجائش رہ جاتی ہے کہ ہم اس قسم کی بدعات و منکرات کو کارثواب سمجھ کر انجام دیں اور ہر سال کروڑوں روپے ضائع اور برباد کریں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”عمل مولد بعض لوگوں نے نصاریٰ کی اتباع میں ایجاد کیا ہے یا نبی کریم ﷺ کی تعظیم و محبت میں ایجاد کیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تعظیم و محبت کا حکم آپ کی اتباع کے ذریعہ دیا ہے نہ کہ ان بدعتوں کے ذریعہ جو آپ کے یوم ولادت کے موقع پر عید میلاد النبی اور دوسری شکلوں میں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ ولادت کی تاریخ میں لوگوں کا اتفاق بھی

نہیں پس یہ عمل مولد سلف صالحین نے نہیں کیا جب کہ اسے منانے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور اسے منانے کا اقتضاء موجود تھا، لہذا یہ چیز اگر خالص خیر و بھلائی ہوتی یا خیر کا پہلو کسی اعتبار سے غالب ہوتا تو سلف صالحین اسے منانے کے ہم سے زیادہ حق دار تھے۔ کیونکہ وہ رسول پاک کی ہم سے کہیں زیادہ محبت اور تعظیم کرتے تھے، اور یہ لوگ حصول خیر کے بہت ہی حریص تھے رسول پاک سے محبت اور تعظیم کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی اطاعت اور اتباع کی جائے، آپ کے احکام کو بجالایا جائے، نظاہری اور باطنی طور پر آپ کی سنت کو زندہ کیا جائے، ان کے لیے دل اور زبان سے جہاد کیا جائے، کیونکہ یہی پہلے گزرے ہوئے مہاجرین و انصار اور ان کے تابعین کا طریقہ رہا ہے۔“ (اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفة اصحاب الجحیم، ص ۲۹۵، مطبعة الحكومة مكة المكرمة ۱۳۸۹ھ)

سید علی فکری تحریر فرماتے ہیں:

”کسی کی میلادی محفلیں رچانا اور جشن منانا اہل عرب کا طریقہ نہیں تھا اور نہ ہی پوری اسلامی تاریخ میں یہ چیز ثابت ہے۔ کتب تواریخ تو اس بات پر شاہد ہیں کہ عید میلاد النبی منانا ان عادات میں سے ہے جو دین میں نئی ایجاد کی گئی ہیں۔“

(المحاضرات الفکری (علی فکری)، ص ۱۲۸)

شیخ محمد عبدالسلام خضر القشیری فرماتے ہیں:

”اس مہینہ میں رسول اللہ ﷺ کی ولادت بھی ہوئی اور وفات بھی لیکن کیا وجہ ہے کہ لوگ آپ کی ولادت پر خوشیاں تو مناتے ہیں، مگر آپ کی وفات پر غم نہیں کرتے۔ آپ کی یوم ولادت کو عید منانا اور اس دن محفلیں رچانا بدعت اور کھلی گمراہی ہے۔ نہ تو شریعت اسلام نے اس کی اجازت دی ہے اور نہ ہی عقل اس بات کو قبول کرتی ہے۔ اگر اس میں خیر و بھلائی کا کوئی پہلو ہوتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور بقیہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ جمعین کیسے اس سے غافل رہتے۔ درحقیقت یہ تو

صوفیوں، پیٹ پجاریوں اور جھوٹے بدعتیوں کی ایجاد ہے لوگوں نے بس یوں ہی دیکھا دیکھی اسے منانا شروع کر دیا اس سے وہی بچ سکتا ہے جسے اللہ بچائے اور اسے دین اسلام سمجھنے کی توفیق دے۔“ (السنن والابتدعات المتعلقة بالاذکار والصلوة، ص ۱۳۸-۱۳۹)

مجدد ملت، فقیہ عصر، مفتی اعظم علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ سعودی عربیہ فرماتے ہیں:

”عید میلاد النبی ﷺ کے نام پر محفلیں منعقد کرنا شرعاً ناجائز ہے، ان کا اہتمام سراسر بدعت ہے، اور دین میں نئی اختراع ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو خود ایسا کیا اور نہ ہی خلفائے راشدین نے ایسی محفلیں منعقد کیں اور نہ ہی ان کے علاوہ دیگر صحابہ کرام نے ایسا کیا اور نہ ہی قرون اولیٰ میں تابعین اور تبع تابعین میں سے ایسا کوئی واقعہ ثابت ہے جس سے اس کا ثبوت ملتا ہو، حالانکہ وہ سب سے زیادہ عالم اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کامل محبت رکھنے والے اور شریعت کے تابع تھے۔ اگر محفل میلاد منعقد کرنا دین الہی کا حصہ ہوتا تو یقیناً رسول اللہ ﷺ اس کے انعقاد کا امت کو حکم دیتے، یا اپنی زندگی میں خود ایسی محفلیں منعقد کرتے یا صحابہ کرام محفل میلاد کا اہتمام کرتے، جب ان میں سے کسی سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہے، تو معلوم ہوا کہ محفل میلاد یا عید میلاد النبی ﷺ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (رسالہ عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت، اردو ایڈیشن مطبع جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت)

اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے جب دو عیدیں مشروع قرار دیں تو کسی کو کیا حق ہے کہ اس پر تیسری عید کا اضافہ کرے۔ یہ کھلی شریعت سازی نہیں تو اور کیا ہے؟ محبت رسول کے لیے شرط ہے کہ عقائد و عبادات، معاملات، اخلاق و عادات، لباس، شکل و صورت، کھانے پینے اور وضع قطع، وغیرہ تمام امور میں آپ کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ ہر وقت آپ کی عظمت و محبت دل میں رہے، اور آپ کی لائے ہوئی شریعت کی حفاظت کے لیے

سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار رہیں۔ وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ پر اس طرح عمل ہو کہ کسی بھی معاملے میں بدعت پر عمل اور سنت سے اعراض نہ پایا جائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے اعراض کرنے والوں کے لیے بڑی سخت وعید ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں:

كل امتي يدخلون الجنة الا من ابى قالوا من ابى؟ قال من اطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد ابى. (صحيح بخارى ۲۳۹/۱۳، رقم الحديث ۷۲۸۰)

”میری تمام امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو انکار کرے۔ لوگوں نے پوچھا: انکاری کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کر دیا۔“

رسول اللہ ﷺ کی حقیقی محبت آپ کی اتباع ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں۔ آپ کی حیات طیبہ کو اسوہ بنا لیں اور محفل میلاد اور عید میلاد النبی ﷺ کی آرائش و زیبائش کے بجائے اپنے دلوں کی خبر لیں اور اس کی آرائش کریں۔ چراغاں اور روشنی کرنے کے بجائے اپنے قلوب کو نور ایمان سے منور کرنے کی فکر کریں۔

واضح رہے قوموں کا عروج اور ترقی انبیاء و اولیاء کی ولادت اور وفات کی یادگار منانے پر منحصر نہیں ہے، بلکہ ان کی عملی زندگی کو اپنانے اور ان کے کردار کو اسوہ حسنہ ٹھہرانے میں قوم کی ترقی کا راز مضمر ہے، جب کہ بے عمل یادگار نمائشی ہے، اسلام اور قوم کے لیے قطعی سود مند نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کتاب و سنت پر زندگی گزارنے کی توفیق دے اور ہر قسم کی شرک و بدعت سے محفوظ رکھے۔



کیا اللہ کافی نہیں؟

غوث اعظم، داتا، غریب نواز، مشکل کشا، گنج بخش، دست گیر، سب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ بعض لوگ ان صفات کو مخلوق میں تلاش کرتے ہیں۔ اس حقیقت پر قرآن مجید کی گواہی سنئے، پڑھئے، سمجھئے، ٹھنڈے دل سے غور و فکر کیجئے اور اپنے عقائد کی اصلاح کیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءَ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ. (يوسف: ۳۰)

”اس اللہ کو چھوڑ کر جن جن کی تم بندگی کرتے ہو تو بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے۔ اللہ نے تو ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری۔“

غوث اعظم (سب سے بڑا فریاد سننے والا)

أَمَنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ (النمل: ۶۲)

”کون ہے وہ جو بے قراری کی پکار سنتا ہے، جب وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور کون ہے جو تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے۔“

داتا (سب کچھ دینے والا)

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ط يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّا نَأْتِيهِ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَّا نَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ

عَقِيمًا (الشوریٰ ۴۹-۵۰)

”آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے یا انھیں لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔“

غریب نواز (غریبوں کو نوازنے والا)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ (فاطر: ۱۵)

”اے لوگو! تم سب اللہ کے در کے فقیر ہو، اللہ تو غنی حمید ہے۔“

مشکل کشا (تمام مشکلیں حل کرنے والا)

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ

فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الانعام: ۱۷)

”اور اگر اللہ تمھیں کسی مشکل میں ڈال دے تو اس کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں

اور اگر وہ تمھیں کسی بھلائی سے نوازنا چاہے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

گنج بخش (خزانے دینے والا)

وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ. (المنافقون: ۷)

”اور زمین و آسمان کے خزانے اللہ ہی کے ہیں۔“

وست گیر (مصیبت کے وقت ہاتھ تھامنے والا)

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا

عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرِّ مَسَّهُ. (يونس: ۱۲)

”انسان کا یہ حال ہے کہ جب اس پر کوئی سخت وقت آتا ہے تو وہ لیٹے یا بیٹھے یا کھڑے ہم

کو پکارنے لگ جاتا ہے، لیکن جب ہم اس کی تکلیف اس سے دور کر دیتے ہیں تو وہ اس طرح

چل دیتا ہے گویا کبھی اپنے اوپر تکلیف آنے پر اس نے ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔“

قرآن مجید کی آیات سے معلوم ہوا کہ غوثِ اعظم، داتا، گنج بخش، مشکل کشا، دست گیر، غریب نواز، صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے، لہذا جب بھی دعا مانگو یا مدد کے لیے پکارو تو صرف اللہ ہی کی طرف رجوع کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ. (المؤمن: ۶۰)

”مجھے پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔“

تاریخ شاہد ہے کہ جب جب بندوں نے اپنے خالق کی بندگی ترک کی تو انھیں بے شمار آقاؤں کی بندگی کرنی پڑی۔ ساتویں صدی عیسوی میں فارس و روم نے خود ساختہ آقاؤں اور خداؤں کی یہی غلامی اختیار کی تو جانوروں سے خراب زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ اسلام کے داعی ربیع بن عامر نے رستم کے پُرسطوت اور بارعب دربار میں صاف صاف اعلان کیا تھا:

جننا لنخرج الناس من عبادة العباد الى عبادة رب العباد.

”یعنی ہمارے آنے کا مقصد مال غنیمت اور کشور کشائی نہیں بلکہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر بندوں کے پروردگار کی بندگی میں لائیں۔“

اسلام میں نہ پاپائیت ہے نہ عبدیت سے بے نیاز روحانی پیشوائیت، لہذا جو کچھ مانگنا ہو اللہ تعالیٰ سے براہ راست مانگو۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری مصنف رحمۃ اللعالمین نے کیا خوب کہا ہے:

سب اپنے اپنے حال میں ہیں احتیاج مند
دل میں کسی کو جان کے حاجت روانہ مانگ
مانگ اور مانگ سدا مانگ حق سے مانگ
مت مانگ کچھ نہ مانگ بشر سے ذرا نہ مانگ
خالق سے مانگ تمہ بھی ہو خواہ کفش کا
سلک گہر اود شہ دریا عطا نہ مانگ
ہے دینے والا سب کو غنی الحمید ہی
خلقت سے دے کے واسطہ کبریٰ نہ مانگ

سلمان ایک بات تجھے راز کی کہوں

تو حق سے حق کو مانگ کبھی ماسوا نہ مانگ

ماہ ربیع الثانی کی بدعات

اسلامی سال کے چوتھے مہینہ کا نام ربیع الثانی ہے۔ یہ مہینہ مسلمانوں میں خصوصی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ اہمیت اس اعتبار سے نہیں کہ اس مہینہ کی فضیلت قرآن و حدیث میں آئی ہے یا کوئی مخصوص عمل حضور ﷺ نے اس مہینہ میں کرنے کا حکم یا ترغیب دی ہے چونکہ ایسی کوئی بات احادیث کے ذخیرہ میں نہیں ملتی، اس لیے مہینوں کے تعلق سے جو کتابیں شائع شدہ ملتی ہیں ان میں ربیع الثانی کا تذکرہ یا تو باکل نہیں ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

گیارہویں

برصغیر میں یہ مہینہ بہت مشہور ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بعض حلقوں میں محرم الحرام کے بعد اگر دوسرے نمبر پر شہرت کے اعتبار سے کوئی مہینہ ہے تو وہ ربیع الثانی کا مہینہ ہے جسے عُرف عام میں گیارہویں کا مہینہ کہا جاتا ہے، اور ۱۱ ربیع الثانی کو شیخ عبدالقادر جیلانی کی تاریخ پیدائش بتائی جاتی ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں بدعتوں میں مبتلا مسلمانوں کے ایک طبقہ کا عقیدہ ہے کہ آپ پیر، دست گیر اور غوث الاعظم ہیں۔ یعنی ان سے فریاد کی جائے تو وہ نہ صرف فریاد کو سنتے ہیں بلکہ دستگیری بھی فرماتے ہیں اور حاجت روائی بھی کرتے ہیں۔ اس باطل عقیدہ کو اسلامی عقیدہ ثابت کرنے کے

لیے آڑ و سیلہ کی لی گئی ہے۔ یعنی حاجت روائی اور فریاد رسی کے یہ کام اپنی ذاتی صفت کی بنا پر انجام نہیں دیتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے اختیار کی بنا پر انجام دیتے ہیں اس لیے ہم ان کا وسیلہ لیتے ہیں، لیکن یہ سراسر اللہ پر افترا پر دازی ہے انھیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ نے یہ اختیار شیخ عبدالقادر جیلانی کو بخشا ہے، کیا نازل شدہ وحی الہی میں اس کی کوئی نشاندہی کی جاسکتی ہے؟ حاجت روائی فریاد رسی اور مشکل کشائی تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اس کی اس صفت میں کسی کو شریک ٹھہرانا کھلا شرک ہے۔ غوث تو اللہ وحدہ لا شریک ہی ہے پھر انھوں نے غوث الاعظم کا لقب ایک بزرگ کے لیے کیسے تجویز کیا؟ یہ لوگ بڑے زور سے نعرہ لگاتے ہیں غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ مگر قیامت کے دن جب حضرت عبدالقادر جیلانی اپنے پرستاروں سے بیزار ی کا اظہار کریں گے تو انھیں احساس ہوگا کہ ان کے ہاتھ بالکل خالی ہیں، غوث کا دامن ان سے گم ہو گیا ہے اور اپنے اس کروت کی وجہ سے اللہ کا دامن بھی چھوٹ گیا ہے۔ اس وقت وہ حواس باختہ ہوں گے اور اپنے ان خود ساختہ اور مشرکانہ نعروں پر پچھتائیں گے۔ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرا رکھے ہیں، ان سے ان کے ٹھہرائے ہوئے شریک قیامت کے دن بیزار ی کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ ہمیں اس کا علم نہیں تھا کہ یہ لوگ ہمارے نام سے کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ گیارہویں کو حضرت عبدالقادر جیلانی کی شان میں جلوس بھی نکالا جاتا ہے جس میں اس گروہ کے علماء پیش پیش رہتے ہیں۔ خوب نعرہ بازی ہوتی ہے۔ ممتاز نعرہ وہی ”غوث کا دامن“ نہیں چھوڑیں گے۔ یا اللہ کی جگہ یا غوث پکارا جاتا ہے اور کوئی نعرہ لگاتا ہے ”یا علی کل بلائلی“ انھیں ایسے نعروں ہی میں مزہ آتا ہے یا اللہ پکارنے کا مزہ تو اسی شخص کو محسوس ہوگا جو اللہ کے لیے تو حید خالص کا عقیدہ رکھتا ہو اور اسی کا ہو کر رہے۔

شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ کے نام پر ندور نیاز کی جاتی ہے اور عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ

گیارہویں کرنے سے محبت کا اظہار ہوتا ہے اور سال بھر مال اور کاروبار میں برکت ہوتی ہے۔ گیارہویں کی فضیلت کے سلسلے میں پیروں نے اپنے مریدوں میں اس قسم کی خرافات مشہور کر رکھی ہیں کہ گیارہویں کی ایک ہڈی ایک، اڑالے گیا۔ اتفاقاً اس کے پتھوں سے نکل کر کسی قبرستان پر جا پڑی بس اس ہڈی کے طفیل سارے قبرستان والے مردے بخش دیے گئے۔ گیارہویں کرنے والا اور یا غوث کے نعرے لگانے والا جب مرتا ہے تو قبر میں پیر صاحب اس کو عذاب نہیں ہونے دیتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان خرافات اور من گھڑت فضائل سے یہ رسم اس قدر رواج پا چکی ہے کہ فرائض اسلام اور سنن خیر الا نام کی پابندی نہ ہو، مگر گیارہویں ضرور کی جاتی ہے۔ نماز روزہ کا تارک اتنا گنہگار نہیں سمجھا جاتا جس قدر گیارہویں نہ کرنے والا موجب ملامت ٹھہرتا ہے۔ پھر شامت یہ ہے کہ کوئی موحد اہل سنت ان کی اصلاح کرنا چاہتا ہے تو اسی کو اپنا بدخواہ سمجھتے ہیں، شکم پرور اور دنیا دار مولوی اس رسم و رواج کی تقلید کرتے ہوئے اپنے خیر خواہوں کو پیروں کا منکر، اولیاء کا دشمن، گستاخ رسول و ہابی مشہور کر کے بدنام کرتے ہیں اور ان کے دشمن بن جاتے ہیں۔

افسوس ناک بات اور لرزہ خیز بھیانک منظر وہ ہوتا ہے جب ایک اللہ کے سامنے سر جھکانے والا مسلمان شیخ عبدالقادر جیلانی کے نام پر بنے ہوئے درگاہ کے آگے سر جھکاتا ہے، ان کی دہائی دیتا، ان سے مدد مانگتا، روتا گڑگڑاتا ہے، اور آپ کی قبر پر سجدے اور طواف کرتا ہے، شیرینی اور چادریں چڑھاتا ہے، عرس اور میلے کرتا ہے، اور ان کے نام پر ہزاروں مرغ ذبح کر دیے جاتے ہیں، غرض ہر وہ چیز کرتا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ یہ معاملہ صرف شیخ عبدالقادر جیلانی کی ذات تک محدود نہیں بلکہ دیگر اولیاء کرام و بزرگان دین کی قبروں کو بھی کعبہ کی طرح مقدس بنا لیتے ہیں اور ان کے ساتھ بالکل وہی کرتے ہیں جو اللہ کے گھر کے ساتھ کیا جانا چاہیے۔

تاریخ پیدائش

شیخ عبدالقادر جیلانی پانچویں صدی ہجری کے مشہور و معروف ولی گزرے ہیں۔ آپ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ کو گیلان (جسے دیلم بھی کہتے ہیں) میں ہوئی۔ آپ بہت بڑے متقی، خدا ترس بزرگ تھے، شرک و بدعت سے متنفر مؤحد اور سچا پاک مسلمان تھے۔ قرآن و حدیث سے والہانہ لگاؤ تھا۔ آپ پوری زندگی شرک و بدعت سے بیزار اور ان سے برسر پیکار رہے۔ آپ کا نعرہ تھا:

لا معین الا اللہ ولا دلیل الا رسول اللہ.

(غنیۃ الطالبین از شیخ عبدالقادر جیلانی، ص ۱۷۶)

”یعنی اللہ کے علاوہ کوئی مددگار نہیں، محمد ﷺ کے سوا کوئی حجت نہیں۔“

تاریخ وفات

گیارہویں تاریخ کو گیارہویں اس لیے کی جاتی ہے کہ یہ بڑے پیر صاحب کی وفات کا دن ہے، حالانکہ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا۔ مختصر حالات میں ہے کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی وفات کے مہینہ اور تاریخ میں بڑا اختلاف ہے۔ کوئی مورخ صفر کا مہینہ لکھتا ہے، کوئی ربیع الثانی کا، کوئی ۱۷ ربیع الثانی کی تاریخ بتلاتا ہے، کوئی ۸، کوئی ۹، کوئی صفر کی ۱۱، کوئی ۱۴ پھر لطف یہ کہ ہندو پاک بنگلہ دیش اور نیپال میں گیارہویں ۱۱ ربیع الثانی کو منائی جاتی ہے، جب کہ خود بغداد میں ۱۷ ربیع الثانی کو منائی جاتی ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادات

آئیے گیارہویں کو کار ثواب جاننے والے اور یاغوث کا نعرہ لگانے والے شیخ عبدالقادر جیلانی کا فیصلہ سن لیں۔ آپ اپنی مشہور کتاب ”غنیۃ الطالبین“ میں یوم

کر بلا کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ثم لو جاز أن يتخذ هذا اليوم مصيبة لأتخذها الصحابة والتابعون
لأنهم أقرب إليه منا وأخص به.

”اگر روز شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ کو غم و ماتم کا دن بنا لینا درست ہوتا تو چاہیے تھا کہ
پیر (سوموار) کا دن بہت بڑے ماتم کا اور مصیبت اور آہ و زاری کا مقرر کیا جاتا، کیونکہ اسی دن
وفات رسول اللہ ﷺ ہے اور اسی دن وفات ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے مگر جائز نہ یہ ہے نہ وہ اور اگر
دوسری چیز جائز ہوتی تو صحابہ و تابعین ایسے نہ تھے کہ اس سے غافل رہتے۔“

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنے اس فرمان میں کسی کی وفات کے دن کو
یادگار منانا ہر سال اس کا ماتم کرنا ناجائز قرار دیا ہے اور ان کی یہی دلیل گیا رہوئس کی
حرمت بتلا رہی ہے۔ آگے فرماتے ہیں:

”سچا مومن اپنے نفس، اپنے شیطان اور اپنی خواہش کی اطاعت نہیں کیا کرتا ہے وہ
شیطان کو جانتا ہی نہیں تو اس کی اطاعت کیا کرے گا؟ وہ دنیا کی پرواہ نہیں کرتا
آخرت کا طالب بنتا ہے اور اپنے تمام اوقات میں خالص اسی کی عبادت کرتا ہے
وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سن چکا ہے۔ لوگوں کو اسی کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت
کریں۔ اسی کے لیے عبادت کو خالص بنا کر یکسو ہو کر مخلوق کو اللہ کے ساتھ شریک
چھوڑ دے، اور اللہ کو یکتا سمجھ وہی تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے اور اس کے
قبضہ قدرت میں تمام اشیاء ہیں۔ اے غیر اللہ سے کسی چیز کے مانگنے والے تو نادان
اور بے وقوف ہے۔ کیا کوئی ایسی چیز ہے جو اللہ کے خزانوں میں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے: کوئی چیز بھی نہیں مگر ہمارے پاس ہیں اس کے خزانے (یعنی ہر چیز کے
خزانے اس کے پاس ہیں)۔“ (فیوض یزدانی ملفوظات از شیخ عبدالقادر جیلانی،
مجلس ۱، ص ۲۵، ترجمہ مولانا محمد عاشق الہی میرٹھی)

نیز آگے مزید فرماتے ہیں:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ بدعتیوں کے اعمال نیک قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ بدعت سے توبہ نہ کر لیں اور باز نہ آجائیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی پر لعنت کی ہے نہ اس کا فرض قبول ہوگا نہ نفل۔“

(غنیۃ الطالبین، ص ۱۷۶)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ارشادات کا مطالعہ فرمائیں اور ٹھنڈے دل سے سوچیں، جو سڑکوں سے گزرتے ہوئے ”غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے“ کا نعرہ لگانے والے اور پیران پیر کے نام پر ہزاروں بکرے اور مرغ ذبح کرنے والوں کا طرز عمل شیخ جیلانی کی تعلیمات سے جداگانہ تو نہیں ہے اگر ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ عمل ہرگز اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوگا۔

جھوٹی روایتیں

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ جن کی پوری زندگی تبلیغ حق میں گزری اور شرک و بدعت کے خلاف سینہ سپر رہے، مگر یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ بعض حضرات کذب و افتراء سے کام لیتے ہوئے آپ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ شیخ جیلانی نے فرمایا:

”جو کوئی مجھ سے رنج و غم میں مدد مانگے اس کا رنج و غم دور ہوگا اور مصیبت و پریشانی کے وقت میرا نام لے کر پکارے تو وہ پریشانی دور ہوگی، اور کسی حاجت میں رب کی طرف میرا وسیلہ بنائے اس کی حاجت پوری ہوگی۔“

(برکات الاستمداد از بریلوی درج در رسائل رضویہ ۱/۱۸۱)

قضائے حاجت کے لیے نماز غوثیہ ہے، جس کی ترکیب یوں لکھتے ہیں:

ہر رکعت میں گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھے، گیارہ بار صلاۃ و سلام پڑھے، پھر بغداد

کی طرف گیارہ قدم چلے، ہر قدم پر میرا نام (شیخ عبدالقادر جیلانی) لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور یہ اشعار پڑھے:

أیدرکنی خیم أنت ذخیرتی

وأظلم فی الدنیا وأنت نصیری

”کیا مجھے کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے جبکہ آپ میرے لیے باعث حوصلہ ہوں اور کیا مجھ پر

دنیا میں ظلم ہو سکتا ہے جب کہ میرے مددگار ہوں۔“ (جاء الحق از مفتی یار محمد، ص ۲۰۰)

اسے بیان کرنے کے بعد جناب احمد یار گجراتی لکھتے ہیں:

”معلوم ہوا بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔“

جناب مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے ایک پیروکار کا عقیدہ ملاحظہ کیجئے:

لوح محفوظ میں تثبیت کا حق ہے حاصل

مرد عورت سے بنا دیتے ہیں غوث الاغواث

أستغفر اللہ! اس شعر کی تشریح بھی بریلوی حضرات کی زبان سے سنئے:

”شیخ شہاب الدین سہروردی جو سلسلہ سہروردیہ کے امام ہیں، آپ کی والدہ ماجدہ

حضور غوث الثقلین کے والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: حضور دعا

فرمائیں کہ میرے لڑکا ہو۔ آپ نے لوح محفوظ میں دیکھا اس میں لڑکی مرقوم تھی۔

آپ نے فرمایا کہ تیری تقدیر میں لڑکی ہے۔ وہ بی بی سن کرواپس ہوئیں، راستہ میں

حضور غوث اعظم ملے۔ آپ کے پوچھنے پر انھوں نے سارا ماجرا بیان کیا۔ ارشاد

فرمایا: جاتیرے لڑکا پیدا ہوگا مگر وضع حمل کے وقت لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ بی بی بارگاہ

غوثیت میں اس کو لے کر آئیں اور کہنے لگیں: حضور لڑکا مانگوں اور لڑکی ملے۔ فرمایا:

یہاں تو لاؤ اور کپڑا ہٹا کر ارشاد فرمایا: دیکھو یہ تو لڑکا ہے یا لڑکی؟ دیکھا تو لڑکا۔“

(باغ فردوس از ایوب علی رضوی للبریلوی، ص ۲۷، طبع بریلی الہند)

یہی صاحب ایک اور واقعہ لکھتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کی تقدیر میں موت تھی شیخ جیلانی نے اس کی تقدیر کو بدل کر مقررہ وقت پر مرنے سے بچالیا۔

(باغ فردوس، ص ۲۷)

نیز آگے لکھتے ہیں:

”اولیاء کا تصرف و اختیار مرنے کے بعد اور زیادہ ہو جاتا ہے۔“ (فتاویٰ نعیمیہ، ص ۲۴۹)

یہ تو ہیں غیر اللہ کے بارے میں ان کے عقائد، اس سے آگے بڑھ کر انھوں نے اپنی دعاؤں اور طلب گاریوں میں دوسری ہستیوں کو بھی شریک کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے تصرفات و اختیارات اس کی مخلوق میں تقسیم کر دیے ہیں، حالانکہ کارساز یوں اور بے نیاز یوں کا تصور صرف اللہ تک ہی محدود ہے۔ بریلوی علماء نے اپنے اولیاء کو وہ تمام اختیارات سونپ دیے ہیں جو عیسائی حضرت عیسیٰ، یہودی حضرت عزیز اور مشرکین مکہ ہبل و عزی منات وغیرہ میں سمجھتے تھے، حالانکہ حضور ﷺ جو امام الانبیاء خاتم النبیین ہیں ان کو خدائی اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ اگر رحمت عالم ﷺ کو خدائی اختیارات حاصل ہوتے اور مختار کل ہوتے تو ان کی رحمت و شفقت تو شاید کسی کو جہنم میں جانے نہ دیتی۔ حضور ﷺ تو پوری انسانیت کو جنت میں بھیج دیتے کیونکہ وہ پیکر رحمت ہیں، ان کی شفقتوں کا یہ عالم ہے کہ صحابہ کرام نے پوچھا: ہم پر ظلم کرنے والا ہمارا جانی دشمن جب ہمارے قابو میں آجائے تو ہم اس سے کیسے انتقام لیں جس نے ہمارے بچوں کو تڑپایا ہو۔ ہماری عزت و آبرو لوٹی ہو، ہماری آبادیوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ہو، ہمارا سب کچھ چھین لیا ہو، ہم اسے کیا سزا دیں؟ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: سب سے اچھا انتقام یہ ہے کہ تم اسے معاف کر دو۔ رحمت عالم ﷺ اپنے چچا کی نجات کے لیے بے قرار ہیں، دست بہ دعا ہیں، خود جا کے انھیں ایمان کی تلقین کرتے ہیں کہ میرے سامنے اللہ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کر لو میں آپ کا گواہ بن جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”انک لا تَهْدِي مَنْ أَحَبَّتْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ. (قصص: ۵۶)
 ”اے میرے محبوب! کسی کو ہدایت عطا کرنا تمہارا نہیں اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے
 پسند کرتا ہے ہدایت کے لیے چن لیتا ہے۔“
 اس نے چاہا تو حبشہ کے سیاہ فام کو ہدایت یافتہ بنا دیا نہیں چاہا تو رسول اللہ ﷺ کے
 چچا کو ہدایت نہ ملی۔ سچ ہے:

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
 ز خاک مکہ بو جہل این چہ بو الجحی است

قرآن نے صاف بتایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جہنم رسید ہوا۔ حضرت
 ابراہیم علیہ السلام کا باپ جہنم رسید ہوا اور رحمت عالم ﷺ کے چچا جہنم رسید ہوئے۔ اس
 لیے کہ مختار گل انبیاء و اولیاء نہیں بلکہ مختار گل صرف اور صرف اللہ ہے۔
 رحمت عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ (یونس: ۴۹)
 ”اے محمد ﷺ اپنی امت سے کہہ دیں کہ میں اپنی ذات کے لیے نفع و نقصان کا مالک
 نہیں ہوں۔“

قرآن تو یہ بتلا رہا ہے کہ رحمت عالم ﷺ کو اپنی ذات کے لیے بھی نفع و نقصان کا
 اختیار نہیں ہے تو باقی مخلوق میں سے کسی کو حاجت روا، مشکل کشا اور مختار گل کیسے مانا جا سکتا
 ہے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں برصغیر کے نامور مفسر و محدث علامہ نواب صدیق حسن
 خاں قنوجی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے لیے سخت وعید ہے جنہوں نے مصائب کے
 وقت رسول اللہ ﷺ کو پکارنا اپنا عقیدہ بنا لیا ہے کیونکہ قرآن مجید نے بڑی
 فصاحت و وضاحت سے یہ بیان فرمایا ہے کہ تکالیف و مصائب میں مدد کرنا اللہ

کے اختیار میں ہے۔ انبیاء و صالحین کا بھی وہی مددگار ہے۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنی امت سے صاف الفاظ میں کہہ دیں کہ میں اپنی ذات کے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں۔“

(فتح البیان، از نواب صدیق حسن خاں قنوجی ثم بھوپالی ۴/۲۵۵)

تجب ہے ان لوگوں پر جو ان بندوں کے سامنے اپنا دامن پھیلاتے ہیں اور اپنی حاجتیں مانگتے ہیں۔ جو منوں مٹی تلے دفن ہیں وہ اس شرک سے باز کیوں نہیں آتے؟ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تعلیمات پر کیوں دھیان نہیں دیتے۔ یہ لوگ کب لا الہ الا اللہ کے صحیح مفہوم سے آشنا ہوں گے؟ کب انھیں قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ کی صحیح تفسیر کا علم ہوگا؟ اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ علم و فضل کے دعویداروں کے واعظین و علماء جنہیں عوام نے سچا رہنما سمجھ رکھا ہے وہ انھیں مشرکانہ اور دور جاہلیت کے تصورات اور اعمال سے کیوں نہیں روکتے؟ انھوں نے اپنی زبانوں پر مہر کیوں لگا رکھی ہے، ان کے عقائد تو دور جاہلیت کے مشرکوں سے بھی بدتر ہیں۔ وہ لوگ صرف اپنے معبودوں کو اللہ کے دربار میں فقط سفارشی سمجھتے تھے مگر انھوں نے تمام خدائی اختیارات اپنے بزرگوں کو عطا کر دیے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بجائے براہ راست اپنے اولیاء سے مدد و معاونت مانگتے ہوئے ذرا سا بھی خوف محسوس نہیں کرتے۔ شیطان ان کے اذہان میں اپنے افکار اتار دیتے ہیں، وہ شیطان کی پیروی کرتے چلے جا رہے ہیں اور انھیں اس کی خبر بھی نہیں۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نیکی کے راستے پر گامزن ہیں حالانکہ وہ شیطان کی آنکھوں کو ٹھنڈی کر رہے ہیں اور اس کی خوشی کا سامان مہیا کر رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

آستانہ پرستی کا آغاز

یہ بیماری سب سے پہلے قوم نوح کو لاحق ہوئی جب اللہ کے پانچ برگزیدہ بندوں کی

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

قبروں کو سجدہ گاہ بنا کر انھیں مشکلات و مصائب میں پکارا جانے لگا، انھیں دست گیر و کار ساز سمجھا جانے لگا:

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ
وَنَسْرًا (نوح: ۲۳)

”انھوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو چھوڑنا۔“

یہ قوم نوح کے پنجتن پاک تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے اور ان کی شہرت ایسی ہوئی کہ عرب میں بھی ان کی پوجا پاٹ ہوتی رہی، چنانچہ وَدِّ وُومۃ الجندل میں قبیلہ کلب کا، سُوَاع ساحل بحر کے قبیلہ ہذیل کا، یغوث سبا کے قریب جرف جگہ میں مرادا اور بنی غطفان کا، یعوق ہمدان قبیلے کا اور نسر حمیر قوم کے قبیلہ ذوالکلاع کا معبود رہا۔ (ابن کثیر فتح القدر)

یہ پانچوں قوم نوح کے نیک آدمیوں کے نام تھے۔ جب یہ مر گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں سے کہا: کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دوکانوں میں رکھ لو تاکہ یاد تازہ رہے اور ان کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو۔ جب یہ تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمہارے آباء تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمہارے گھروں میں لٹک رہی ہیں چنانچہ انھوں نے ان کی پوجا شروع کر دی۔

حضرت نوح علیہ السلام ایک ہزار برس تک توحید کی دعوت دیتے رہے اور آستانہ پرست کہتے تھے ہرگز ہرگز وُد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کا دامن نہیں چھوڑیں گے کہ یہ اللہ کے پیارے ہیں، یہ اللہ سے بات منوا سکتے ہیں۔ سالانہ میلے لگتے تھے، نذرانوں کی برسات ہوتی تھی، اور مجاوروں کی عیدیں ہوا کرتی تھیں، شرکت و ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں نوح علیہ السلام کی صدائے حق و صداقت گونجی اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

(نوح: ۲) ”میں تمہیں خطرناک انجام سے ڈرانے آیا ہوں“۔ قوم متوجہ ہوئی کہ سنیں کیا کہنا چاہتے ہیں۔ سیدنا نوح علیہ السلام کا پیغام تھا:

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا. (نوح: ۳)

”اللہ کی عبادت کرو اور اس کا ڈر رکھو اور میری اطاعت کرو۔“

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَآ أَنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ. (ہود: ۲۹)

”مجھے نذرانہ نہیں چاہیے میرا اجر تو بس اللہ کے ذمہ ہے۔“

سجدہ میں رکوع میں قیام میں صرف اسی کو پکارو وہ سب کا مشکل کشا حاجت روا اور غوث و دست گیر ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایک واقعہ

شاہ محمد اسحاق دہلوی کے ایک شاگرد رشید مولانا محمد بشیر الدین قنوجی متوفی ۱۲۹۶ھ نے فقہ کی ایک کتاب غرائب فی تحقیق المذاهب کے حوالہ سے لکھا ہے:

رأى الامام ابوحنيفة من يأتى القبور لاهل الصلاح فيسلم ويخاطب ويتكلم ويقول يا اهل القبور هل لكم من خير وهل عندكم من اثر انى اتيتكم من شهور وليس سؤالى الا الدعاء فهل دريتم أم غفلتم فسمع ابوحنيفة بقول يخاطبه بهم فقال هل اجابوا لك قال لا فقال له سحفاً وتربت يداك كيف تكلم اجساداً لا يستطيعون جواباً. ولا يملكون شيئاً ولا يسمعون صوتاً
وقرأ: ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمَعٍ مِّنْ فِي الْقُبُورِ﴾. [فاطر: ۲۲]

(تفہیم المسائل بحوالہ تفسیر أحسن البیان، ص ۸۲)

”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا وہ کچھ لوگوں کی قبروں کے پاس آکر ان سے کہہ رہا تھا: اے قبر والو! کیا تمہیں خبر بھی ہے اور کیا تمہارے پاس کچھ اثر بھی ہے؟ میں تمہارے

پاس کئی مہینوں سے آرہا ہوں اور پکار رہا ہوں تم سے میرا سوال بجز دعا کرنے کے اور کچھ نہیں تم میرے حال کو جانتے ہو، یا میرے حال سے بے خبر ہو؟ امام ابوحنیفہ نے اس کی بات سن کر اس سے پوچھا کیا ان قبر والوں نے تیری بات کا جواب دیا وہ کہنے لگا نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: تجھ پر پھنکار ہو، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو ایسے مردہ (جسموں سے) بات کرتا ہے جو نہ جواب دینے کی طاقت رکھتے ہیں نہ کسی چیز کا اختیار رکھتے ہیں، اور نہ کسی کی آواز (فریاد) سن سکتے ہیں۔ پھر امام ابوحنیفہ نے آیت کریمہ کی تلاوت کی وَمَا أَنْتَ بِمُسْمَعٍ مِّنْ فِي الْقُبُورِ... ”اے پیغمبر تو ان کو نہیں سنا سکتا جو قبروں میں ہیں۔“

علامہ آلوسی کی وضاحت

علامہ آلوسی حنفی بغدادی اپنی تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

ان الاستغاثة بمخلوق وجعله وسيلة بمعنى طلب الدعاء منه لا شك في جوازہ ان كان المطلوب منه حياً..... واما اذا كان المطلوب ميتا او غائبا فلا يستريب عالم انه غير جائز وانه من البدع التي لم يفعلها احد من السلف. (روح المعانی از علامہ آلوسی، ۲/۲۹۷، طبع قدیم ۱۳۰۱ھ)

”کسی شخص سے درخواست کرنا اور اس کو اس معنی میں وسیلہ بنانا کہ وہ اس کے حق میں دعا کرے اس کے جواز میں کوئی شک نہیں بشرطیکہ جس سے درخواست کی جائے وہ زندہ ہو۔ لیکن اگر وہ شخص جس سے درخواست کی جائے مردہ ہو یا غائب تو ایسے استغاثے کے ناجائز ہونے میں کسی عالم کو شک نہیں اور دوسروں سے استغاثہ ان بدعات میں سے ہے جن کو سلف میں کسی نے نہیں کیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ زندہ و نیک لوگوں سے دعا کرانے کا جواز ہے لیکن کسی مردہ کو انھوں نے مدد کے لیے نہیں پکارا اور ان سے استغاثہ نہیں کیا، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ

تک سے استغاثہ نہیں کیا۔ اب آپ ﷺ کے بعد اور کون سی ہستی ایسی ہے جو آپ ﷺ سے زیادہ فضیلت رکھتی ہو کہ اسے مدد کے لیے پکارا جائے اور اس سے استعانت طلب کی جائے۔

قبر پرست مسلمانوں کا شرک — بزرگان دین کی تصریحات

حضرت مجدد الف ثانی تحریر فرماتے ہیں:

”اور یہ لوگ بزرگوں کے لیے جو حیوانات (مرغوں اور بکروں وغیرہ) کی نذر مانتے ہیں، اور پھر ان کی قبروں پر لے جا کر ان کو ذبح کرتے ہیں، تو فقہی روایات میں اس فعل کو بھی شرک میں داخل کیا گیا ہے اور فقہاء نے اس باب میں پوری سختی سے کام لیا ہے اور قربانیوں کو جنوں (دیوتاؤں اور دیویوں) کی قربانی کے قبیل سے ٹھہرایا ہے، جو شرعاً ممنوع اور داخل شرک ہیں۔“ (مکتوب امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۴۱)

حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

”اگر عرب مشرکین کے احوال و اعمال کا صحیح تصور تمہارے لیے مشکل ہو اور اس میں کچھ توقف ہو تو اپنے زمانہ کے پیشہ ور عوام خصوصاً وہ جو دارالاسلام کے اطراف میں رہتے ہیں۔ ان کا حال دیکھ لو وہ قبروں، آستانوں اور درگاہوں پر جاتے ہیں، اور طرح طرح کے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔“ (الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، ص ۱۱)

اور حجة الله البالغة میں شرک کی مختلف شکلیں بیان کر کے لکھتے ہیں:

وهذا مرض جمهور اليهود والنصارى والمشرکین وبعض الغلاة

من منافقى دين محمد ﷺ يومنا هذا.

(حجة الله البالغة باب في حقيقة الشرك، ص ۶۱)

”اور شرک کی یہ بیماری ہے جس میں یہود عیسائی اور مشرکین بالعموم اور ہمارے اس

زمانے میں مسلمانوں میں سے بعض غالی منافقن مبتلا ہیں۔“
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”یہی حال ہے بہت سے مسلمان فرقوں کا مثلاً تعزیہ بنانے والوں اور مجاوروں کا۔“
(فتاویٰ عزیزی ۱/۱۳۳، طبع مجتہائی دہلی)

اور اسی فتاویٰ میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:
”نیک لوگوں کی روحوں سے استعانت (مدد طلب کرنے) کے معاملے میں اس امت کے جہال و عوام جو کچھ کرتے ہیں اور ہر کام میں بزرگان دین کو مستقل مختار سمجھتے ہیں، یہ بلاشبہ شرک جلی ہے۔“ (فتاویٰ عزیزی ۱/۱۲۱، طبع مجتہائی دہلی)

قبروں پر کیے جانے والے ان کاموں کا بیان جو حرام ہیں

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ تمام قبر پرست اپنے آپ کو فقہ حنفی کا پیروکار کہتے ہیں حالانکہ فقہ حنفی میں بھی ان امور کو جن کا ارتکاب قبر پرست کرتے ہیں، حرام و باطل اور کفر و شرک بتلایا گیا ہے۔ اسلام کا یہ بنیادی مسئلہ ہے کہ عبادت خواہ بدنی ہو یا مالی صرف اللہ واحد کے لیے ہونی چاہیے۔

چنانچہ حنفی مذہب کی مشہور و معروف کتاب درالمختار میں لکھا ہے:

واعلم ان النذر الذی للأموات من أكثر العوام وما یؤخذ من الدراهم
والشمع والزیت ونحوها الی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیہم فہو
باطل و حرام. (در المختار ۲/۱۳۶، مطبوعہ دار الکتب مصر)

”معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر عوام مردوں کے نام پہ جو نذریں نیازیں دیتے ہیں، چڑھاوے چڑھاتے ہیں، اولیائے کرام کا تقرب حاصل کرنے کے لیے مالی نذرانہ پیش کرتے ہیں، اور ان

کی قبروں پر چراغ اور تیل جلاتے ہیں، وغیرہ یہ سب چیزیں بالاجماع باطل اور حرام ہیں۔“
در مختار کی مشہور شرح رد المحتار المعروف فتاویٰ شامی میں اس کی تصریح
یوں کی گئی ہے:

قوله باطل و حرام لوجوه منها انه نذر لمخلوق والنذر للمخلوق لا
يجوز لانه عبادة، العبادة لا تكون لمخلوق ومنها ان المنذور له ميت
والميت لا يملك ومنها انه ظن ان الميت يتصرف في الامور دون الله
تعالیٰ واعتقاده ذلك كفر. (در المختار ۲/۴۳۱، طبع مصر ۱۹۶۶ء)

”اس نذر لغیر اللہ کے باطل اور حرام ہونے کے کئی وجوہ ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ:
☆ یہ قبروں کے چڑھاوے وغیرہ مخلوق کے نام کی نذریں ہیں اور مخلوق کے نام کی نذر جائز ہی
نہیں اس لیے کہ نذر بھی عبادت ہے اور عبادت کسی مخلوق کی جائز نہیں۔ ☆ دوسری وجہ یہ ہے کہ
نذر دینے والا شخص مردوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کائنات میں تصرف کرنے
کا اختیار رکھتے ہیں حالانکہ مردوں کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنا بھی کفر ہے۔ ☆ تیسری وجہ یہ ہے کہ
منذور لہ (جس کے نام کی نذر دی جاتی ہے) وہ مردہ ہے اور مردہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔“
اسی طرح فتاویٰ عالمگیری جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے پانچ سو حنفی علماء
نے مرتب کیا ہے اس میں لکھا ہے:

والنذر الذي يقع من اكثر العوام بان ياتي الى قبر بعض الصلحاء
ويرفع ستره قائلاً يا سيدي فلان ان قضيت حاجتي فلك مني من الذهب
مثلاً كذا باطل اجماعاً.

”اکثر عوام میں یہ رواج ہے کہ وہ کسی ولی کے قبر پر جا کر نذر مانتے ہیں کہ اے فلاں
بزرگ اگر میری حاجت پوری ہوگئی تو اتنا سونا یا اور کوئی چیز تمہاری قبر پر چڑھاؤں گا یہ نذر
بالاجماع باطل ہے۔“

پھر لکھا ہے:

فما یؤخذ من الدراهم ونحوها وینقل الیٰ ضرائح الاولیاء الکرام
تقربا الیہم فحرام بالاجماع.

(الفتاویٰ الہندیہ المعروف فتاویٰ عالمگیری ۱/۲۱۶، طبع مصر)

”پس جو دینار و درہم یا اور چیزیں اولیائے کرام کی قبروں پر ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے پیش کی جاتی ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں۔“
فتاویٰ شامی میں ہے:

الاجماع علی حرمة النذر للمخلوق ولا ینعقد ولا یشغل الذمۃ بہ
ولانہ حرام سحت. (فتاویٰ شامی ۲/۴۳۱)

”اللہ کے سوا اوروں کی نذر و نیاز حرام ہونے میں امت کا اجماع ہے نہ یہ نذر ماننی جائز ہے نہ اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ بلکہ حرام اور قطعی حرام ہے۔“
اور آگے اسی صفحہ پر لکھا ہے:

أما لو نذر زیناً لا یقاد قدیل فوق ضریح الشیخ الخ.
”بعض لوگ تیل کسی قبر پر چڑھانے کی نذر مانتے ہیں تو ایسی نذر کا تیل کسی شیخ کی قبر پر
قدیل میں روشن نہیں کیا جاسکتا۔“

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بڑے اللہ والے تھے

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ حامل کتاب و سنت اور بڑے اللہ والے تھے، موحد تھے، آستانہ پرست نہیں تھے، مجاہد تھے، مجاور نہیں تھے، سرفروش تھے، ضمیر فروش نہیں تھے۔
شیخ جیلانی صرف اللہ ہی کو غوث اعظم، داتا، معبود، کارساز، دست گیر، مشکل کشا، حاجت روا، زندگی اور موت کا مالک سمجھتے تھے۔ وہ اللہ کے سوا کسی اور کو الوہیت کے مقام پر کبھی

برداشت نہیں کرتے تھے۔ یہ تھا شیخ جیلانی کا موقف۔ شیخ جیلانی کے ان گنت کردار ہیں جن کی صداقت و جلالت پر تاحیات فخر کیا جاتا رہے گا۔ آپ نے سچائی کا بول بالا رکھا، آپ کا ہر عمل قرآنی حکم کی تعمیل تھا، آپ کی ہر اداسنت نبوی کی اطاعت تھی، آپ نے شرک و بدعت کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا، خدمت خلق ان کا شعار تھا، انھوں نے اسلاف کی قبروں کو جلب منفعت کے لیے استعمال کیا اور نہ کرنے دیا وہ قبر فروش نہیں سرفروش تھے۔ وہ قبر پرست نہیں اللہ پرست تھے مگر آج جو کچھ ہو رہا ہے۔ عقابوں کے نشیمن پر زانگوں کا تصرف ہے، اس اللہ کے برگزیدہ بندہ کے نام کو مفادات کی بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ گیارہویں کے کوئٹے، تیجہ، چالیسواں یہ سب عجی فنکاروں کی معاشی ایجادات و ضروریات ہیں۔ ویسے بھی یہ غیر عربی اصطلاحات ہیں گ، ڈ، ج وغیرہ عربی لغت کے حروف ہی نہیں ہیں، سعودیہ عربیہ میں ان رسوم و بدعات کا کہیں نام و نشان نہیں ملتا۔ یہ تعلیمات نبویؐ کا اعجاز ہے کہ جس دھرتی سے رشد و ہدایت کا وہ سراج منیر طلوع ہوا اللہ تعالیٰ نے اس دھرتی کو آج تک شرک و بدعت کی آلودگیوں سے محفوظ رکھا ہے۔ وہاں آپ کو کوئی آستانہ درگاہ جھنڈیاں نہیں نظر آئیں گی۔

شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے جو صد اوتوں کا مخزن ہیں۔ شیخ جیلانی اپنی کتاب فتوح الغیب کے مقالہ دوم میں تحریر فرماتے ہیں:

اتبعوا ولا تبتدعوا واطیعوا ولا تمزقوا وواحدوا ولا تشرکوا.

”سنت کی پیروی کرتے رہو اور بدعتیں نہ کرو، اللہ اور رسول کا کہا مانو اور نافرمانی نہ کرو، موحد بن جاؤ مشرک نہ بنو۔“

غرضیکہ گیارہویں نہ اللہ کی ضرورت ہے، نہ پیغمبر کی، نہ صحابہ کی، نہ اہل بیت کی، نہ اولیاء و ائمہ کی، نہ شیخ عبدالقادر جیلانی کی، یہ صرف شکم پرور مولوی کی اپنی ضرورت ہے سادہ لوح مسلمانوں کو ڈرایا جاتا ہے کہ گیارہویں کا دودھ تقسیم نہیں کرو گے تو تمہارے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

جانور خشک ہو جائیں گے۔ حقیقت میں جانور خشک نہیں ہوں گے، البتہ شکم پرور مولوی خشک ہو جائیں گے، جو قوم کے نذرانوں کا مال کھا کھا کر سنبھالے نہیں جاتے جن کے لیے جہاز میں دو سیٹیں لینی پڑتی ہیں۔ یہ سب عجیبی ایجادات ہیں جب سے مسلمانوں نے قرآن و حدیث کا سمجھنا چھوڑ دیا لوگوں نے نقلی مال کی منڈیاں کھول لیں۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ساری چیزیں اور نعمتیں انسان کے لیے پیدا فرمائی ہیں، لہذا اسی کے نام پر ہی تقسیم ہونی چاہئیں۔

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
جانور پیدا کیے تیری بقا کے واسطے
چاند سورج اور ستارے ہیں ضیاء کے واسطے
سب جہاں تیرے لیے ہے تو خدا کے واسطے

ضمیر سے پوچھئے

آپ تنہائی میں ضمیر سے پوچھیں مشکل کشا کون ہے؟ تو انشاء اللہ آپ کا ضمیر بھی جواباً یہی کہے گا: مشکل کشا وہ ہوتا ہے جس پر خود کبھی مشکل نہ آئے جو کبھی حاجت مند نہ ہو وہی حاجت روا ہو سکتا ہے اور وہ کون ہے۔ وَاللّٰهُ الْعَنِيُّ وَاَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ. (محمد: ۳۸) انبیاء، رسل، اولیاء، صدیقین، شہداء، صالحین، ابرار و اخیار، عابدین شب زندہ دار، اتقیاء و اصفیاء، یہ سب مانگنے والے، اللہ کے حضور دامن پھیلانے والے، سب اسی در کے بھکاری ہیں۔ ہم روزانہ نماز میں ہر رکعت میں ”إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ.“ کہتے ہیں ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ (مضارع کا صیغہ ہے) اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں اور چاہتے رہیں گے۔ ہر نماز میں وعدہ ہوتا ہے اور مسجد سے باہر آ کر غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔

مولانا حالی رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے:
 کہیں نخل مرقد کی چھاؤں میں سجدہ کہیں مرنے والوں کے پاؤں میں سجدہ
 اشاروں میں سجدہ اداؤں میں سجدہ ادھر اور ادھر خانقاہوں میں سجدہ

تو بھی اسی سے مانگ

حقیقی معبود و مسجود کون؟ اللہ۔ کار ساز دست گیر کون؟ اللہ۔ علام الغیوب کون؟ اللہ۔
 حاجت روا مشکل کشا کون؟ اللہ۔ ارشادِ بانی ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ. (البقرة: ۱۸۶)

”میرے محبوب، میرے بندے آپ سے میرا پتہ پوچھیں تو انھیں بتا دیں کہ میں تو
 تمہارے قریب ہوں۔“

نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق: ۱۶)

”میں تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں۔“

جب اتنا قریب ہوں تو:

أَدْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ. (المومن: ۶۰)

”تم مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔“

یہ وہ در ہے جہاں خالی ہاتھ آؤ گے دامن بھر کے جاؤ گے، کچھ نہ لے کر آؤ، سب
 کچھ لے کر جاؤ۔ اس در پر آنے والوں کی جیبوں کو نہیں قلوب کو دیکھا جاتا ہے۔ کتنے
 پیار سے فرمایا:

نَبِيُّ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (الحجر: ۴۹)

”میرے خطا کار بندوں کو بتا دیجئے، میں بہت بخشنے والا نہایت رحم والا ہوں۔“

محمد عربی ﷺ نے فرمایا: جب ساری دنیا کی عدالتیں بند ہو جاتی ہیں اس وقت اللہ کی
 عدالت کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور رات بھر صبح ہونے تک ندا آتی ہے: هل من مستغفر؟

ہے کوئی گناہوں کا معافی چاہنے والا میں معاف کرنے کو تیار ہوں، ہے کوئی مجبور و پریشان حال اسے شاداب کر دوں، ہے کوئی بیمار اسے صحت دے دوں۔ سچ ہے:

تم کو شکوہ ہے ہمارا مدعا ملتا نہیں
 دینے والے کو گلہ یہ ہے گدا ملتا نہیں
 بے نیازی دیکھ کر بندے کی کہتا ہے کریم
 دینے والا دے کے دست دعا ملتا نہیں

ہمارے محمد عربی ﷺ کے پاؤں مبارک سوج گئے، پنڈلیوں پر روم آ گیا اور آنکھیں رو رو کر سوج گئیں، کبھی قیام میں، کبھی رکوع میں، اور کبھی سجدہ میں عاجزی، رقت اور انکساری و تواضع کا اظہار ہو رہا ہے۔ رفیقہ حیات بڑی درد مندی سے عرض کرتی ہیں۔ اللہ کے محبوب! آپ تو بخشے بخشائے ہیں پھر اس قدر استغفار کیوں؟ جواب فرمایا:

أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا. عائشہ میں اپنے محسن اعظم کا شکر گزار بندہ کیوں نہ بنوں جس نے ایک یتیم کو امام الانبیاء بنا دیا۔ تو وہ کون ہے؟ اللہ ہی ہے رب اکبر کسی کا حاجت مند نہیں۔ سب اس کے در کے محتاج ہیں اس کا کام کسی بن نہیں رکتا، اس پر کوئی مشکل نہیں آتی اور نہ آئے گی انبیاء و رسل تو مشکلات و مصائب سے گزرتے ہیں۔

یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کیوں ناجائز ہے؟

اس تفصیل سے واضح ہے کہ یا رسول اللہ، یا علی مدد، انٹی یا غوث اعظم یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ وغیرہ جیسے الفاظ اور فوت شدگان سے استغاثہ حرام، ناجائز اور مشرکانه فعل ہے، کیونکہ ایسا کرنے والے کا عقیدہ یہی ہوتا ہے کہ جس کو وہ مدد کے لیے پکار رہا ہے، وہ اس کی فریاد سننے پر قادر ہے، عالم الغیب ہے وہ کائنات میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، اور وہ حاجت روا اور مشکل کشا ہے، حالانکہ یہ تمام صفات اللہ کی ہیں جو صرف اس کے ساتھ

خاص ہیں۔ فتاویٰ برازیہ میں ہے:

قال علماءنا من قال ان ارواح المشائخ الخ.

(فتاویٰ برازیہ، ص ۳۳۶، بر حاشیہ فتاویٰ عالمگیری جلد ششم)

”ہمارے (حنفی فقہاء) نے کہا ہے کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روہیں حاضر ہوتی ہیں اور غیب جانتی ہیں وہ کافر ہے۔“

اسی طرح فقہ حنفی میں قبروں کا طواف، قبروں کا چومنا ان کی تعظیم کے لیے جھکتنا اور وہاں دست بستہ قیام وغیرہ یہ تمام چیزیں ناجائز اور حرام لکھی ہیں، اور قبروں پر سجدے کو کفر تک سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ تعظیم نہیں تقسیم ہے

حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کی روح یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی شخصیت کے آگے سر نہ بٹھکاؤ، چاہے وہ مقام و مرتبہ میں کتنی ہی بلند و بالا کیوں نہ ہو، صحابہ کرام کو بھی یہی تعلیم دی گئی کہ میرے حکم پر سر رکھا دو مگر میرے سامنے سر جھکاؤ نہیں کہ یہ اللہ کا حق ہے۔ انسان نے اپنے داتا سے وعدہ کیا ہے: اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ.

تمام انبیاء و رسل حق و صداقت کے علم بردار ہوتے ہیں تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و رسل میں سے ایک نبی و رسول بھی آپ کو ایسا نظر نہیں آئے گا کہ جس نے کسی بزرگ کی قبر کو آڑ بنا کر بنی نوع انسان کا روحانیت کے لبادہ میں ڈھنی و معاشی استحصال کیا ہو، تعویذ و گنڈے کی دوکان کھولی ہو، ساتویں، جمعراتی اور چالیسواں وصول کیے ہوں، عرس میلے لگا کر سالانہ آمدنی کا سدا بہار سلسلہ قائم کیا ہو، ہرگز ہرگز ایسا نہیں۔

جناب محمد ﷺ کی بارگاہ میں تو یہ منظر دکھائی دیتا ہے کہ آپ اپنے سامنے کسی انسان کا سرنگوں ہونا برداشت نہیں کرتے تھے۔ صحابہ کرام ایک موقع پر عرض کرتے ہیں: اللہ کے

رسول رؤسائے عرب کے سامنے ان کے خدام سر جھکاتے ہیں۔ ”وانت احق ان یسجد لک.“ تعظیم و تکریم کے ضمن میں اگر اس کی گنجائش ہے تو آپ ﷺ اس کے زیادہ حق دار ہیں، کہ آپ کے سامنے سر جھکایا جائے، مگر اللہ کے رسول کا جواب تھا: لو كنت امر احداً ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجهن. (ترمذی، حدیث حسن صحیح بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ۹۷۲/۲، رقم الحدیث ۳۲۵۵) میں اگر انسان کو انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دے سکتا تو پھر عورتوں سے کہتا کہ وہ اپنے خاوند کا سجدہ کریں، مگر عورت خاوند کا، شاگرد استاد کا، رعایا حاکم کا، اولاد والدین کا، مرید پیر کا، امتی نبی کا، اور نہ کوئی مخلوق کسی ولی کا، سجدہ و تعظیم اور قیام نہیں کر سکتا، کیوں کہ یہ تعظیم نہیں اللہ کے حق میں تقسیم ہوگی۔

ہو جس میں عبادت کا دھوکہ مخلوق کی تعظیم نہ کر
جو خاص خدا کا حصہ ہے بندوں میں اسے تقسیم نہ کر

جبین نیاز اللہ ہی کی ملکیت ہے اگر اس میں کسی اور کو شریک بنایا گیا تو غیرت حق گوارا نہیں کرے گی۔ قرآن میں واضح اعلان گونج رہا ہے:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ.

(النساء: ۴۸)

اللہ کی رحمت سے بہت کچھ معاف ہو سکتا ہے مگر شرک ہرگز ہرگز نہیں۔ اس معاملے میں نہ اللہ کی رحمت ہوگی نہ پیغمبر کی شفاعت کام آئے گی۔

یہ انداز فکر بھی ملاحظہ ہو

بریلوی طبقہ بڑے جوش و جلال سے استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے:

حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے تعظیمی سجدہ کیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام

کو برادران یوسف نے سجدہ کیا تھا اگر تعظیمی سجدہ حرام ہوتا تو ایسا کیوں ہوتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شریعت محمدی ہے، ہم نہ شریعت آدم کے پابند ہیں نہ شریعت یوسف کے۔ آدم علیہ السلام کے دور میں بہن سے بھائی کا نکاح ہو سکتا تھا کیا آپ شریعت محمدی میں اس پر عمل کر سکتے ہیں، اگر پیش کر سکتے ہو تو حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ میں سے کوئی دلیل پیش کرو کہ صحابہ کرام نے اپنے معلم و قائد اعظم کا تعظیمی سجدہ کیا ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے سجدہ کیا تھا اللہ کے حکم پر اس کی تفصیل قرآن میں موجود ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے برادران یوسف کے سجدہ کرنے کا ذکر بھی قرآن میں موجود ہے۔ اس کے بصر اور عبر اور حکمتیں بھی مذکور ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ صلاۃ و سلام پڑھتے وقت قیام کرنا چاہیے۔ اگر صلاۃ و سلام میں قیام ادب کا فریضہ ہوتا تو نماز کے دوران قیام میں پڑھنے کا حکم ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ قیام، رکوع اور سجدہ سب عاجزی کے انداز ہیں جو اللہ کے لیے مخصوص ہیں۔ حکم ہوا کہ جب قیام میں ہو تو میرا ذکر کرو، رکوع میں اور سجدہ میں صرف میری تسبیح کرو، جب بیٹھو تو محمد ﷺ پر درود بھیجو، کیونکہ اس کے بغیر نماز قبول نہیں۔ لیکن اگر قیام میں یہی صلاۃ و سلام پڑھ لیا جائے تو حکم ہے سجدہ سہو کرو جس کے معنی ہیں غلطی کا ازالہ کرو، صلوٰۃ و سلام پڑھنا غلطی نہیں قیام کی حالت میں پڑھنا غلطی ہوگی۔ اس میں اہل نظر کے لیے کتنا بلیغ کنایہ ہے۔ قرآن مجید کا فیصلہ بھی سن لیجئے پھر آپ کو اختیار ہے کہ خدائی فیصلہ مانیں، یا نہ مانیں۔ نجات اسی میں ہے کہ ہم خدائی فیصلہ کو بلا چون و چرا تسلیم کر لیں۔ قرآن کا ارشاد ہے:

وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِمُغَيِّرِ اللَّهِ (البقرة: ۱۷۳)

”جو چیز اللہ کے سوا اور کسی نام پر پکاری جائے وہ قطعاً حرام ہے۔“

ہلال کے معنی آواز بلند کرنے اور مشہور کرنے کے ہیں۔ یہ بات مشہور ہے اور کھلم کھلا پکارا جاتا ہے کہ یہ پلاؤ بڑے پیر صاحب کی گیارہویں کا ہے، یہ فورمہ غوث کی نیاز کا

ہے، اس کی حرمت میں کیا آپ کو کچھ شبہ ہے؟ فیصلہ کریں۔

غیر اللہ سے استغاثہ و استعانت

اللہ تعالیٰ قریش اور جزیرہ عرب کے مشرکوں کے عقیدہ (استغاثہ باللہ اور استعانت باللہ) کی حکایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَبَ بِهَمُ بَرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَ تَهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِن أَنْجَيْتَنَا مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ (يونس: ۲۲)

”وہ ہی اللہ جو تم کو خشکی اور سمندر میں لیے لیے پھرتا ہے چنانچہ جب تم کشتی میں سوار ہوتے ہو، اور وہ کشتیاں لوگوں کو ہوائے موائق کے ذریعہ سے لے کر چلتی ہیں، اور وہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ (ناگہاں) ایک تھیڑا ہوا کا آتا ہے اور ان کے اوپر ہر طرف سے موجیں اٹھتی چلی آتی ہیں وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ بس ہم گر گئے۔ تو اس وقت اللہ کو اس کے ساتھ اعتقاد کو بالکل خالص کر کے پکارتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا دی تو ہم یقیناً بڑے شکرگزاروں میں ہوں گے۔“

یعنی جاہلیت کے مشرکین جب کشتی میں سوار ہوتے تھے اور ان کی کشتی گرداب میں پھنس جاتی تھی تو وہ خالصتاً اللہ کو پکارتے تھے، اور ان کی اصل فطرت ابھر آتی تھی کہ اللہ کے سوا کوئی بھی صاحب تصرف اور مالک ذی اختیار نہیں ہے۔ مگر ذرا ان لوگوں کی بد اعتقادی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ سمندر میں ہوں یا خشکی کے مقام پر ہر جگہ کبھی بہاء الحق اور معین الدین چشتی کا نام لے کر اور کبھی دوسرے بزرگان کو پکار کر غیر اللہ ہی سے فریاد کرتے نظر آتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مصر کے مشہور عالم دین سید رضا مصری تحریر فرماتے ہیں:

”اس قسم کی آیات میں کس قدر وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے کہ مشرکین دشوار اور کٹھن حالات میں صرف اللہ کو پکارتے تھے، مگر اس دور کے نام نہاد مسلمانوں کی عقل کا ماتم کیجئے کہ وہ مصائب و مشکلات کے وقت اپنے معبود حقیقی کو چھوڑ کر اپنے معبودان بدوی، رفاعی، جیلانی، دسوقی اور ابوسریح وغیرہ سے استغاثہ کرنے میں کسی قسم کی حیا محسوس نہیں کرتے، اور بہت سارے جبہ پوش جو درگا ہوں کے مجاور بنے ہوئے ہیں اور غیر اللہ کے نام پر چڑھائے جانے والے چڑھاؤں اور نذرو نیاز کی بدولت عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں، اور گل چھترے اڑا رہے ہیں، سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کرتے اور دین فروشی کرتے ہوئے انھیں ذرا سی شرم نہیں آتی۔

کہا جاتا ہے کہ کچھ افراد سمندر کے سفر میں کشتی پر سوار ہوئے اور دور جا کر کشتی بھنور میں پھنس گئی۔ اپنی موت اپنے سامنے نظر آنے لگی تو ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے پیر کو پکارتا اے بدوی، اے رفاعی، اے جیلانی، ان کے اندر ایک اللہ کا بندہ تو حید پرست بھی تھا وہ تنگ آ کر کہنے لگا کہ اللہ ان سب کو غرق فرما ان کے اندر تجھے کوئی پہچاننے والا باقی نہیں۔“ (تفسیر المنار ۱۱/۳۳۸-۳۳۹)

احاطہ اجمیری کا شرک

اگر باب اجابت بند ہو جائے تو کیا ڈر ہے

کھلا رہتا ہے دروازہ معین الدین چشتی کا

اللہ تو کہتا ہے کہ مالک الملک میں ہوں، اہل بدعت کہتے ہیں کہ معین الدین اجمیری

ہیں۔ اسی طرح وہاں تو الوں کا شرک ملاحظہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لڑکا لڑکی دینے والا میں ہوں، احاطہ اجمیری سے آواز آتی

ہے کہ اس کے مالک تو معین الدین اجمیری ہیں، چنانچہ معین الدین اجمیری کے احاطہ میں
 قوال ہزاروں کے مجمع میں گاتے ہیں، جس میں مستورات کی زبان اختیار کی جاتی ہے:
 جو لڑکا ملے گا تو گھر جاؤں گی نہیں گود خالی کدھر جاؤں گی
 کہ سکھیوں میں اپنے میں شرمائوں گی تیرے در پہ خواجہ مین مر جاؤں گی
 نہ ہرگز ادھر اور ادھر جاؤں گی

لطیفہ

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ ایک دفعہ اجمیر تشریف لے گئے تو وہاں کا
 رنگ دیکھ کر افسوس کرنے لگے۔ مولانا معین الدین منطقی مدرس مدرسہ اجمیر نے فرمایا:
 یہاں شرک کہاں؟ یہاں تو سب کچھ معین الدین ہیں۔ خواجہ غریب نواز مشکل کشا سب
 کچھ وہی ہیں۔ یا خواجہ یا غریب نواز کے سوا یہاں اللہ کی صدا نہیں پھر شرک کہاں؟
 افسوس کہ قبروں پر عرضیاں اور کارڈ لٹکائے جاتے ہیں، سجدے کیے جاتے ہیں،
 سب کچھ قبر ہی کو سمجھ لیا گیا ہے۔ اکبر الہ آبادی نے زمانہ حال کے مسلمان نما مشرکین کے
 بارے میں کیا خوب کہا ہے۔

مصیبت میں بھی اب یاد خدا آتی نہیں ان کو
 دعا منہ سے نہ نکلی پا کٹوں سے عرضیاں نکلیں
 بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
 مجھے بتا تو سہی اور کافر کی کیا ہے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں سیدھی راہ پر گامزن فرمائے شرک اور بت پرستی سے

محفوظ رکھے، آمین۔



ماہِ رجب کی بدعات

دینِ فطرت کی نمائندگی اور رہنمائی کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات کے طور پر قرآن مجید و احادیث موجود ہیں۔ قرآن مجید صرف نماز، روزہ، حج، اور زکوٰۃ کے فرائض بتانے کے لیے نہیں نازل ہوا، بلکہ انسان کے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک، سماجی اور معاشی طور پر فرد سے لے کر جماعت تک اور گھر سے لے کر خاندان، قوم، قبیلہ، رشتہ دار، پڑوسی، مہمان، پھر ملک اور نظام ملک تک کے سلسلہ میں پوری رہنمائی کرتا ہے۔ کون سے اعمال و افعال ہمیں کرنے چاہئیں اس کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام ایک مکمل دین ہے جس میں کوئی نقص نہیں، لیکن یہ دیکھ کر دکھ و افسوس ہوتا ہے کہ اسلام دشمن سازشیوں نے اسلام کے نام پر اسلامی تعلیمات کے خلاف مسلمانوں میں بہت سے تہوار اور رسمیں رائج کر ڈالی ہیں، دیگر مہینوں کی طرح ماہِ رجب میں بھی شرک و بدعت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کی حرمت مسلم تھی، اور وہ اس مہینہ کو ماہِ حرام قرار دیتے ہوئے اس میں فسق و فجور کی جسارت نہ کرتے تھے، مگر ہزار بار ماتم کیجئے اس امت محمدیہ ﷺ کی گمراہی، بے حسی و جسارت پر کہ ان جاہل عربوں کے برابر بھی ان حرمت والے مہینوں کی حرمت کا احساس اس امت کے اندر نہ رہا۔ اور یہ امت اس ماہ کے آتے ہی فسق و فجور، عصیان و گمراہی کا عجیب و غریب طوفان اٹھاتی ہے۔

ماہ رجب کے روزے

فضائل رجب سے متعلق ایک حدیث پڑھے جو ان باطل اور غیر ثابت روایات میں سے ایک ہے جسے سقیم و مجروح راویوں نے فضائل رجب کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔ حافظ بیہقی نے مجمع الزوائد میں ”باب فی صیام عاشوراء“ کے تحت یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”رجب ایک عظیم الشان مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نیکیاں چند دو چند کرتا ہے پس جو شخص ماہ رجب میں ایک روزہ رکھ لے، اس سے جہنم کے ساتوں دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور جو آٹھ دن روزہ رکھ لے، اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جو دس دن روزہ رکھ لے تو اس کے لیے آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے کہ تیری گزری ہوئی ساری خطائیں معاف کر دی گئیں۔ اب تو اپنے اعمال کے نئے کھاتے پر نظر کرو اور جو شخص اس مہینہ میں پندرہ دن سے زیادہ روزہ رکھے گا، اسے اسی حساب سے مزید صلہ ملے گا اور اسی ماہ میں اللہ تعالیٰ نے نوح کو کشتی پر سوار کیا۔ نوح اور جملہ سواران کشتی نے اس دن روزہ رکھا تھا۔ کشتی سات مہینے تک بہتی رہی۔ ساتویں مہینہ (محرم) عاشوراء کے دن جو دی پہاڑ پر رک گئی اور وہ نیچے اتر آئے اور بطور شکر الہی نوح و جملہ مومنین اور کشتی پر سوار تمام پرند چرند نے اس دن روزہ رکھا۔ یہی عاشوراء ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو پھاڑا اور آدم کی توبہ قبول کی اور اسی مبارک دن میں حضرت یونس علیہ السلام کی بھی توبہ قبول ہوئی اور ابراہیم علیہ السلام بھی اسی مبارک دن میں پیدا ہوئے۔“

حافظ بیہقی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: اس حدیث کو طبرانی نے المعجم الکبیر (۱۸۸/۳) میں روایت کیا ہے، اس کا ایک راوی عبد الغفور ہے جو متروک راوی ہے اور یہ روایت مردود روایات کے خانہ میں آتی ہے اور اس لائق نہیں کہ

اسے قبول کیا جائے۔

علامہ سیوطی نے اسی روایت کو کچھ فرق کے ساتھ شعب الایمان للبیہقی اور ابن عساکر و تفسیر ابن جریر کے حوالہ سے الگ الگ سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر ان میں سے کوئی بھی سند مجہول و متروک راویوں سے محفوظ نہیں ہے، حتیٰ کہ بعض وضاع و کذاب راوی بھی اس میں آگئے ہیں۔ اور ایسے راویوں کی روایت نہ خود مقبول ہوتی ہے نہ کسی روایت کو مقبول بنا سکتی ہے۔ (اللأنی المصنوعة، ص ۳۷۲)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ماہ رجب کے روزے اور اس کی بعض راتوں کی مخصوص نمازوں کے بارے میں جنتی روایات بھی مروی ہیں سب جھوٹی گڑھی ہوئی ہیں۔“ (المنار المنیف لابن قیم، فصل ۲۱۱)

ماہ رجب میں مختلف ناموں سے جو روزے رکھے جاتے ہیں وہ بدعت ہیں۔ آپ ﷺ سے اس روزے کے بارے میں کچھ ثابت نہیں بلکہ صحابہ کی جماعت (جس میں حضرت ابوبکر و عمرؓ بھی شامل ہیں) سے اس روزہ کی کراہت ثابت ہے۔ حضرت عمرؓ تو اس دن کا روزہ رکھنے والے کو ذرہ لگاتے تھے۔ اسے فاکہی نے کتاب مکہ میں نقل کیا ہے اور ابو عثمان سعید بن منصور نے جن کی عدالت و تخریج حدیث پر اتفاق ہے، اس کی سند یوں بیان کی ہے:

حدثنا سفیان عن مسعر عن وبرة عن خرشة ان عمر بن الخطاب كان يضرب ایدی الرجال فی رجب اذا رفعوها عن طعامه حتی یضعوها فیہ ویقول انما هو شهر کان اهل الجاهلیة یعظمونه.

(اصلاح المساجد من البدع والعوائد، ص ۱۰۱)

”حضرت عمر رضی اللہ عنہ رجب میں کھانے سے ہاتھ کھینچ لینے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے تھے اور فرماتے تھے کہ اہل جاہلیت اس مہینہ کا احترام کرتے تھے۔“

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی اس روزہ کو مکروہ سمجھتے تھے۔ قیروان کے فقیہ اور اپنے عہد کے امام ابو محمد ابو زید کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے پورے رجب کے روزے کو اس ڈر سے مکروہ قرار دیا کہ کہیں جاہل اسے فرض نہ سمجھ لیں۔ ان میں سے بعض آثار کو ابو بکر طرطوشی نے اپنی کتاب ”المحادث والبدع“ میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابن وضاح روایت کرتے ہیں: کہ حضرت عمر رضی اللہ ان رجبی لوگوں کو مارتے تھے جو پورے ماہ رجب کا روزہ رکھتے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے گھر کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ رجب کی تیاری میں لگے ہوئے ہیں۔ دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ ہم رجب کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے رجب کو رمضان کی طرح بنا لیا ہے۔ طرطوشی کہتے ہیں کہ رجب کا روزہ ایسی صورت میں مکروہ ہے کہ لوگ ہر سال خاص کر اس کا روزہ رکھیں اور ظاہر ہو کہ یہ رمضان کی طرح فرض یا سننِ راتبہ کی طرح سنت ہے۔ چونکہ نبی ﷺ سے اس مہینہ کے روزہ کی مشروعیت کے متعلق کوئی قول و فعل ثابت نہیں اس لیے اسے فرض، سنت یا فضائل سے نہیں مانا جاسکتا اور ایسی صورت میں اس مہینہ میں مخصوص طور پر روزہ رکھنا مناسب نہ ہوگا۔

معاجن رجب

بعض لوگ ماہ رجب کی ۲۲ تاریخ کو امام جعفر صادق کی نیاز کے طور پر کھیر پوری پکاتے ہیں۔ بند کمرے میں عورتیں ہوتی ہیں اور کھانے سے بچی ہوئی چیزیں مدعوئین کے ہاتھوں کے دھون کے ساتھ دفن کر دی جاتی ہے۔ اس رسم کا نام ”معاجن رجب“ رکھتے ہیں۔ یہ شیعیت کا اثر ہے اور کھلا ہوا شرک ہے۔

صلوٰۃ الرغائب

رجب کے پہلے جمعہ کی رات میں عشاء اور مغرب کے مابین ایک نماز صلوٰۃ الرغائب کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کے نام سے پڑھی جاتی تھی، اس بدعت کو بہت عروج حاصل ہوا تھا۔ اس موقع پر مساجد میں چراغاں ہوتا تھا، لوگوں کی بھیڑ جمع ہوتی تھی، گاؤں والے اس کا اہتمام کرتے تھے، عورتوں اور مردوں کا اختلاط ہوتا تھا، جس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی تھیں۔

ابوشامہ نے اپنی کتاب الباعث میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو احیاء العلوم میں اس نماز کے ذکر سے دھوکہ ہوا ہے، لیکن محدثین کرام نے اس سلسلہ کی مروی حدیثوں کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ ابوالخطاب کہتے ہیں کہ صلوٰۃ الرغائب کی حدیث کو وضع کرنے کی تہمت علی عبداللہ بن جہضم پر ہے۔ اسی طرح حسین بن ابراہیم نے بھی ایک حدیث وضع کی ہے جس میں غیر معمولی کذب و افتراء سے کام لیا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ نمازیں رسول اللہ ﷺ نے پڑھی ہیں، نہ صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ اسلام میں سے کسی نے اس کی فضیلت ذکر کی ہے۔ اس کی فضیلت میں جو حدیث مروی ہے وہ باتفاق علمائے حدیث، جھوٹی، من گھڑت اور موضوع ہے۔“

(الابداع فی مضار الابتداع بحوالہ المنکرات ص: ۷۶)

تاریخ شب معراج

عام طور پر مشہور ہے کہ ۲۷/۲۷ رجب کو معراج ہوئی لیکن تاریخ اسلام کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۷/۲۷ رجب کی تاریخ معراج علماء کے نزدیک متفق علیہ نہیں ہے۔ اولاً تو یہ بات ثابت نہیں کہ اس رات میں معراج ہوئی۔ مولانا عبدالحی فرنگی خلی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

وهو امر مختلف فيه بين المحدثين والمورخين ... الخ.

”معراج کا واقعہ کس ماہ میں ہوا؟ اس مسئلہ میں ہونے کے سلسلہ میں محدثین اور

مورخین متفق علیہ نہیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ معراج ربیع الاول میں ہوئی، بعض کے نزدیک ربیع الثانی میں، بعض کہتے ہیں ذی الحجۃ میں اور بعض کہتے ہیں شوال میں اور بعض کہتے ہیں رمضان المبارک میں۔ پھر تاریخ میں اس سے زیادہ بھی تاریکی ہے۔ حکمت خداوندی اور راز مخفی اس مصلحت ہی میں تھا کہ کہیں مسلمان اس رات کو بڑی چیز سمجھ کر بدعتوں میں نہ مبتلا ہو جائیں۔“ (معراج محمدی، ص ۲۲)

نماز شب معراج

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”اس کے غیر مشروع ہونے پر ائمہ کرام متفق ہیں مستند و معتبر علمائے کرام نے بیان کیا ہے کہ اس طرح کا کام صرف جاہل بدعتی ہی کر سکتا ہے۔“

(الابداع فی مضار الابتداع، بحوالہ المنکرات، ص ۷۷)

حاصل یہ کہ تمام علمائے محققین مثلاً علامہ ابن حجر بیہقی، امام ابن جوزی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور تمام اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ شب معراج، پندرہویں شعبان اور رمضان کے سلسلہ میں لوگوں نے جو مخصوص نمازیں اور اذکار ایجاد کر لیے ہیں وہ اختراعی بدعات ہیں، ان کی دلیل نہ کسی صحیح حدیث میں ہے، نہ صحابہ و تابعین کے فعل سے ان کی کوئی ثبوت ملتا ہے۔

رجبی کوٹے کا بانی

حکیم عبدالغفور آنولوی ثم بریلوی نے اپنے ایک مطبوعہ مضمون بعنوان ”رجب کے کوٹے“ میں تحریر کیا ہے کہ یہ رسم بالکل جدید ہے۔ اس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ نواب حامد علی خاں شیعہ والئی رامپور اپنی کسی منظور نظر داشتہ سے ناراض ہو گیا اور شاہی دربار

سے عتاب و سزا کا صدور ہوا۔ اس چالاک عورت نے نواب صاحب کے مذہبی عقائد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے امام جعفر کے نام سے ایک افسانہ تراشا اور نواب صاحب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ۲۲ رجب کو امام کے نام کو نڈے کے پکوان کیے، اس افسانہ کو لکھنؤ کے ایک مشہور شاعر امیر مینائی کے فرزند خورشید مینائی نے طبع کر کے رام پور میں تقسیم کرایا تھا۔

نیز پیر جماعت کے علی شاہ کے ایک مرید مصطفیٰ علی خاں نے اپنی کتاب ”جوہر المناقب“ کے حاشیہ پر حامد حسن قادری کا یہ بیان درج کیا ہے:

”اس افسانہ کی اشاعت اور ۲۲ رجب کی کھیر و پور یوں کی نیاز کے متعلق یہ علم ہے کہ یہ کہانی اور نیاز سب سے پہلے ۱۹۰۶ء میں ریاست رام پور میں امیر مینائی لکھنوی کے خاندان سے نکلی ہے۔ انھوں نے بطور ثبوت یہ بھی کہا ہے کہ میں اس وقت ان کے مکان کے قریب رہتا تھا اور ان کے خاندان سے میرے گھرے تعلقات تھے گویا اس رسم کا اجراء رام پور میں لکھنوی خاندان کے بدست ہوا۔“

مولوی مظہر علی سندیلوی اپنے روزنامہ نادر یا داشت ۱۹۱۱ء میں لکھتے ہیں:

”آج میرے گھر میں ایک نئی رسم جاری کی گئی ہے جو اس سے پہلے نہ تو میرے گھر میں پائی جاتی تھی نہ ہی میری جماعت میں۔ ۲۲ رجب کی شام کو میوہ، گھی، شکر اور دودھ ملا کر نکلیاں بنائی جاتی ہیں اور اس پر امام جعفر صادق کے نام فاتحہ ہوتی ہے اور پھر صبح خفیہ طور پر عزیز و اقارب کو دعوت دی جاتی ہے اور اسے کھلایا جاتا ہے۔ یہ نکلیاں باہر نہیں دیکھی جاسکتیں یہ ایسی رسم چل پڑی ہے جس کے متعلق اس سے پہلے سنا بھی نہیں گیا تھا۔“

مناظر اسلام مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ:

”ہمارے اطراف میں ایک بدعت ابھی تھوڑے دنوں سے رائج ہوئی ہے اور تین

سال سے روز بروز رواج پذیر ہو رہی ہے، یہ کونڈوں کے نام سے مشہور ہے۔
اس کی تائید میں ایک فتویٰ بہ شکل اشتہار لکھنؤ سے شائع کیا جا رہا ہے اشتہار کی
گنجائش نہیں۔“ (ماہنامہ انجم لکھنؤ اشاعت جمادی الاول ۱۳۴۸ھ)

نذر لغیر اللہ

شیخ عبدالقادر جیلانی کے نزدیک حضرت جعفر یا کسی دوسرے کے نام کی نذر و نیاز
اور فاتحہ دینا یا ان سے مرادیں مانگنا کھلا ہوا شرک و کفر ہے کیونکہ نفع و نقصان اللہ تعالیٰ کے
اختیار میں ہے۔ ہر حالت میں اللہ کی طرف رجوع ہونا چاہیے۔ ارشاد بانی ہے:

وَإِنْ يَمْسُكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسُكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (الانعام: ۱۷)

”اور اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی دور کرنے والا نہیں ہے اور
اگر وہ تمہیں کوئی فائدہ دیتا ہے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

ایک حدیث ہے:

عن ابن عباس قال كنت خلف النبي ﷺ يوماً فقال يا غلام احفظ
الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك وإذا سألت فاسأل الله وإذا
استعنت فاستعن بالله واعلم ان الامة لو اجتمعت على ان ينفعوك بشيء
لم ينفعوك الا بشيء قد كتبه الله لك لو اجتمعوا على ان يضروك الا
بشيء قد كتبه الله عليك رفعت الاقلام وجفت الصحف.

(سنن ترمذی ابواب القيامة ۷۴/۲، مسند احمد ۱/۲۹۳)

”جب تو سوال کرنا چاہے تو اللہ سے کر اور جب مدد چاہے تو اللہ سے مدد مانگ۔ یاد رکھو
ساری مخلوق اگر جمع ہو کر تجھ کو نفع پہنچانا چاہے تو ہرگز تجھ کو نفع نہیں پہنچا سکتے گی۔ مگر جس قدر اللہ

نے تیرے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ اسی طرح اگر ساری مخلوق جمع ہو کر تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو نہ پہنچا سکے گی۔ ہاں اللہ نے تیرے مقدر میں جتنا لکھ دیا وہ پہنچ کر رہے گا۔ قلم اٹھالیے گئے اور صحیفہ خشک ہو گئے ہیں۔“

سچ ہے۔

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر

یہی وہ در ہے جہاں آبرو نہیں جاتی

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن طارق بن شهاب ان رسول الله ﷺ قال دخل الجنة رجل في ذباب ورجل دخل النار قالوا و كيف ذلك يا رسول الله قال مر رجلان على قوم لهم صنم لا يجوز له احد حتى يقرب له شيئا قالوا لأحدهما قرب قال ليس عندي شي اقرب قالوا له ولو ذبابا فقرب ذبابا فخلوا سبيله فدخل النار وقالوا للآخر قرب فقال ما كنت لا قرب لأحد شيئا عند الله عز وجل فضربوا عنقه فدخل الجنة. (مسند احمد في كتاب الزهد، ص ۱۵)

”رسول اللہ ﷺ نے دو شخصوں کا واقعہ بیان کیا کہ ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جنت میں گیا اور ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جہنم میں گیا۔ صحابہ نے کہا وہ کیسے؟ اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو شخص ایک بت کے پاس سے گزرے۔ بت پرستوں نے دونوں کو روک لیا اور کہنے لگے جب تک تم ہمارے بت پر کوئی چڑھاؤ انہیں چڑھاؤ گے اس وقت تک تمہیں جانے نہیں دیا جائے گا۔ انھوں نے کہا ہمارے پاس تو چڑھاؤ کے لیے کوئی چیز نہیں ہے۔ بت پرستوں نے کہا ایک مکھی ہی چڑھاؤ ادا دے دو چنانچہ ان میں سے ایک نے ایک مکھی چڑھاؤ ادا دے دیا۔ بت پرستوں نے اسے چھوڑ دیا لیکن وہ شخص جہنم میں گیا۔ دوسرے نے کہا کہ میں کوئی چیز غیر اللہ کی نذر دینے کے لیے تیار نہیں ان بت پرستوں نے اس شخص کو مار ڈالا مگر یہ شخص جنت میں گیا۔“

لحجہ و فکریہ

نام نہاد مسلمانوں نے اسلام کے نام پر اسلامی تعلیمات کے خلاف مسلمانوں میں بہت سی رسمیں رائج کر دی ہیں۔ جن کو عام مسلمان خوشی کی چیز سمجھتے ہیں، لیکن ان کا مقصد پیغمبر اسلام کی توہین، صحابہ کرام، ائمہ اسلام، اولیاء اللہ، بزرگان دین اور شعائر اسلامی کی توہین تزییل اور تنقیص ہے۔ ماہ محرم کی خرافات ہوں یا ماہ صفر کے آخری بدھ کی جشن عید میلاد النبی ہو یا ربیع الثانی کی گیارہویں، ماہ رجب کے کونڈے ہوں، یا شعبان میں شب برأت یا ذی الحجہ کی عید غدیر، یہ سب انھیں دشمنان اسلام کی ایجاد کردہ رسمیں ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ۲۲ رجب کو حضرت جعفر صادق کے نام پر کونڈے بھرنا مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور ان میں صحابہ کرام کی دشمنی کے جراثیم داخل کرنے کی شاطرانہ چال ہے جو مسلمانوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے شیعہ حضرات کو ہمیشہ سے بغض و عناد رہا ہے، اس لیے شیعہ حضرات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خوشی میں کونڈے بھرتے ہیں۔ جس طرح معز الدولہ شیعہ نے تعز یہ سازی کا رواج دیا اور شاہ اربل مجلس مولود کا موجد بنا، اسی طرح رجبی کونڈا کا بانی نواب حامد علی خان شیعہ نواب رام پور ہے۔ اس کی تقلید میں ۲۲ رجب کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال پر یہ لوگ کونڈوں کے پکوان کر کے مسرتیں حاصل کرتے ہیں۔ ۱۵ شعبان کو شیعوں کے مفروضہ امام کی پیدائش کی شب حلوہ پکوڑی

۱۔ حضرت جعفر صادق کی صحیح روایات کے مطابق تاریخ ولادت ۸ رمضان المبارک ۸۰ھ یا ۸۲ھ میں ہوئی اور تاریخ وفات ۱۵ شوال ۱۴۸ھ میں واقع ہوئی۔ تاریخ طبری البدایة والنهاية ابن کثیر وغیرہ۔

۲۔ کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاریخ وفات بالاتفاق ۲۲ رجب ۶۰ھ ہے۔ تاریخ

طبری، البدایة والنهاية لابن کثیر وغیرہ۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

پکا کر پٹانے چھوڑ کر نیز آتش بازی کر کے پوری رات جشن مناتے ہیں۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر عید غدیر مناتے ہیں۔ دراصل یہ سارے تہوار اور رسمیں شیعیت کی راہ سے مسلمانوں میں داخل ہوئی ہیں۔ حضرت جعفر صادق کے نام کو نڈے بھرنے کا پردہ محض اس لے ڈال رکھا ہے تاکہ مسلمان غیر شعوری طور پر اس خوشی میں شریک ہو کر ان کا ساتھ دیں اور وہ شیعوں کے جھانسنے میں آ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی تاریخ میں شیعہ حضرات کی تقلید کریں۔

اس نوا بجا درسم کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس بدعت سے ہر مسلمان کو دور رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ تقریب صحابی رسول کا تب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی دشمنی میں منائی جاتی ہے۔ اس بدعت کا مٹانا اور دوسرے لوگوں کو اس سے باز رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور دشمنوں کی سازشوں اور شرارتوں سے محفوظ فرمائے، آمین۔

تمدن، تصوف، شریعت، کلام بتان عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی یہ امت روایات میں کھو گئی

☆☆☆

ماہ شعبان کی بدعات

شعبان ہجری سال کا آٹھواں مہینہ ہے۔ لفظ شعب اس وقت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس میں علیحدگی اختیار کی جاتی ہو۔ اہل عرب اس ماہ میں پانی کی تلاش میں دور نکل جاتے تھے اور انہیں ایک دوسرے سے علیحدہ ہونا پڑتا تھا۔ شعبان کو مکرم بھی کہا جاتا ہے۔ شعبان کی پندرہویں شب کو عرف عام میں شب برأت بھی کہا جاتا ہے۔ اسلام سے نابلد بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اس رات میں گناہ بخشے جاتے ہیں، عمریں بڑھائی جاتی ہیں، روزی میں اضافہ کیا جاتا ہے۔ اسی لیے بعض مسلمان رات جاگ کر بلند آواز سے دعائیں کرتے ہیں۔ ان دعاؤں کو لوگوں نے از خود گڑھ لیا ہے۔ قبروں کی زیارت کرتے ہیں اور روشنی و چراغاں کرتے ہیں، حلوہ بناتے ہیں اور قبروں پر پھول چڑھاتے ہیں۔ بیوہ عورت یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ اس کے شوہر کی روح پندرہویں شعبان کی رات میں آتی ہے، اس لیے اس کے واسطے پسندیدہ کھانا پکاتی ہے۔ بعض علماء اس رات کے لیے شب قدر جیسی فضیلتیں بیان کرتے ہیں اور لوگوں کے ذہن میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ شب قدر میں جس روح کے نزول کا ذکر قرآن مجید میں ہے اس سے مراد مردوں کی روحیں ہیں۔ اس رات میں یہ لوگ شب بیداری کرتے، مسجدوں میں جمع ہو کر رات بھر نوافل پڑھتے اور اس رات قبروں کی زیارت کرتے ہیں۔ واعظین اس شب کی فضیلت میں یہ حدیث بیان کرتے ہیں: قَوْمُوا لَيْلَهَا وَصُومُوا نَهَارَهَا۔ یعنی اس رات میں نوافل پڑھو اور دن میں روزہ رکھو۔

پندرہویں شعبان کی رات کے بارے میں دو نظریے پائے جاتے ہیں جن کا اثر آج انتہائی عروج پر ہے۔ شام و بصرہ کے تمام تابعین اور عباد و زہاد اس رات اجتماعی طور پر مسجدوں میں جاگنا، اچھے کپڑے پہننا، خشوع و خضوع کے ساتھ بکثرت عبادت کرنا مستحب سمجھتے تھے اور خود بھی اس پر کار بند ہوتے تھے۔ اس ضمن میں خالد بن معدان مکحول اور لقمان بن عامر کا نام بطور خاص آتا ہے جب کہ شام کے شہرہ آفاق عالم اوزاعی اور دوسرے بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ امور اجتماعی نہیں بلکہ انفرادی طور پر درست ہیں۔ اس کے برخلاف علمائے حجاز و فقہائے مدینہ پندرہویں شعبان کی رات کی بابت وارد ساری حدیثوں کو ضعیف موضوع اور اس رات مذکورہ بالا اعمال و افعال کو بدعت قرار دیتے ہیں۔

(اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ۲/۱۲۶)

ابن رجب فرماتے ہیں پندرہویں شعبان کی رات کے متعلق امام احمد کا کوئی کلام نہیں ہے لیکن ان سے دو ایسی روایتیں منقول ہیں، جن سے اس رات میں قیام کے استحباب پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور دونوں روایتیں عیدین کی راتوں میں قیام سے متعلق ہیں۔ ایک روایت ہے کہ اس رات میں جماعت کے ساتھ قیام کرنا مستحب نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی ﷺ سے منقول نہیں ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ اس رات میں قیام مستحب ہے اور استدلال عبدالرحمن بن یزید بن الاسود کے فعل سے ہے جو تابعی ہیں۔ اس طرح پندرہ شعبان کی رات کا قیام نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب سے ثابت نہیں ہے لیکن تابعین شام کے کی ایک جماعت سے اس رات کا قیام ثابت ہے۔

(لطائف المعارف للحافظ ابن رجب بحوالہ التحذیر من البدع لابن باز، ص ۲۳)

خود ابن رجب کے کلام میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کی عبادت کے بارے میں حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں سے کچھ ثابت نہیں ہے۔ امام اوزاعی اور ابن رجب کا اس رات میں انفرادی طور پر عبادت اختیار کرنا غریب اور ضعیف

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

ہے۔ اس لیے کہ کسی مسلمان کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ جو چیز دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو اسے دین میں داخل کرے خواہ اس کا تعلق انفرادی عمل سے ہو یا اجتماعی عمل سے، اسے خفیہ کیا جائے یا اعلانیہ۔ اس کے لیے اللہ کے رسول اللہ ﷺ کا فرمان عام ہے:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فہو رد۔ (صحیح بخاری کتاب الصلح باب اذا اصطلحوا علی صلح جور ۵/۳۷۷ رقم الحدیث ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ باب نقض الاحکام الباطلۃ ۶/۲۵۷ رقم الحدیث ۱۷)

”جس نے بھی ہمارے اس دین میں نئی بات پیدا کی جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“ اس حدیث کا شمار اسلام کے اصول اور اس کے قواعد میں ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بھی دین میں اختراع کیا جس کی شہادت دین کے اصول سے نہیں ملتی تو وہ ہرگز قابل توجہ نہیں ہوگی۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”اس حدیث کا حفظ کے ذریعہ اہتمام کرنا چاہیے اور منکرات کے ازالہ میں اس کا استعمال ہونا چاہیے اور اس کے استدلال کو عام کیا جانا چاہیے۔“

الحاصل پندرہ شعبان کی رات میں متعدد روایتیں ہیں اور سب کی سب موضوع یا ضعیف ہیں جن سے استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ ضعیف حدیث کے سلسلہ میں ایک اہم قاعدہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

”ضعیف حدیثوں پر عبادات کے باب میں اس وقت عمل کیا جائے گا جب کہ اس کی اصل صحیح دلیل سے ثابت ہو لیکن پندرہ شعبان کی روایت کو منانے والے جشن کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے۔“ (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ۲/۲۶)

پندرہ شعبان کی رات والی ان احادیث نے امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد کو راہ حق سے دور تیرگی و تاریکی میں لاکھڑا کیا ہے، ضرورت ہے کہ ان کی حقیقت سے قارئین کو آگاہ کیا جائے۔

پندرہ شعبان کی روایتوں کا جائزہ

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت:

من صلى ليلة النصف من شعبان اثنتي عشرة ركعة يقرأ في كل ركعة قل هو الله احد ثلاثين مرة لم يخرج حتى يرى مقعده من الجنة ويشفع في عشرة من اهل بيته كلهم وجبت له النار.

”جس نے پندرہ شعبان کی رات بارہ رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں سورہ اخلاص تیس مرتبہ پڑھی تو مرنے سے پہلے جنت میں اس کا ٹھکانہ دکھایا جائے گا اور اس کے گھر والوں میں دس ایسے لوگوں کے سلسلہ میں اس کی سفارش قبول کی جائے گی جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔“

”حدیث کی تخریج“

اس حدیث کو بزار نے کشف الاستار (۲/۴۳۶) میں ابن عراق نے تنزیہ الشریعة عن اخبار الموضوعۃ میں اور علامہ ابن جوزی نے العلل المتناہیة (۷۰/۱) میں بیان کیا ہے۔

دونوں کی سندیں ہشام بن عبدالرحمن پر آ کر ملتی ہیں۔ ہشام اعمش سے روایت کرتے ہیں اور اعمش ابوصالح سے اور ابوصالح حضرت ابو ہریرہ سے۔

”حدیث کی سند“

ہشام بن عبدالرحمن، یہ غیر معروف ہیں۔ (مجمع الزوائد ۸/۶۵)

الاعمش، ان کا نام سلیمان بن مهران ہے یہ ثقہ ہیں، لیکن تدلیس سے متصف ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۲۵۴)

”حدیث کا حکم“

بزار نے کہا کہ اس حدیث کے بیان کرنے میں ہشام کا کوئی متابع نہیں۔

(کشف الاستار ۲/۴۳۶)

امام ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

”یہ حدیث صحیح نہیں ہے، اس میں بہت سے مجہول راوی ہیں۔“ (العلل المتناہیة ۷۰/۱)

۲- حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت:

ان النبی ﷺ قال یا علی من صلی مائة رکعة فی لیلة النصف من شعبان یقرأ فی کل رکعة بفاتحة الكتاب وقل هو الله احد عشر مرات قال النبی ﷺ یا علی ما من عبد یصلی هذه الصلوة إلا قضی الله عزوجل کل حاجة طلبها تلک اللیلة. الخ

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علی جس نے بھی پندرہ شعبان کی رات سو رکعت نماز پڑھی اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ وقل ہو اللہ احد دس بار پڑھا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے علی جو بندہ بھی ان نمازوں کو ادا کرتا ہے تو اللہ اس کی تمام حاجتوں کو جو اس رات طلب کرتا ہے، پوری کر دیتا ہے۔“

امام شوکانی فرماتے ہیں:

”یہ حدیث موضوع ہے اور اس حدیث میں رات کا اہتمام کرنے والوں کے لیے جس قدر ثواب کی تصریح کی گئی ہے، ارباب بصیرت کے نزدیک اس روایت کے ضعیف ہونے کے لیے یہی کافی ہے۔ اس حدیث کے رجال مجہول ہیں اور یہ حدیث دوسرے طرق سے بھی روایت کی جاتی ہے لیکن وہ موضوع ہیں اور ان کے رواۃ مجہول ہیں اور ’مختصر‘ میں فرماتے ہیں کہ پندرہ شعبان کی حدیث نماز باطل ہے۔“

۳- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دوسری روایت ہے:

عن النبی ﷺ قال اذا كانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها و صوموا نهارها فان الله ينزل فیها لغروب الشمس الى سماء الدنيا فيقول ألا من مستغفر لی فاغفر له الا مسترزق فارزقه الا مبتلی فاعافیہ الا کذا الا

كذا حتى يطلع الفجر. (سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوة، باب ماجاء في ليلة
المنف من شعبان، ۴۴۳/۱)

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب نصف شعبان کی رات ہو تو رات میں قیام کرو اور دن
میں روزہ رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ غروب آفتاب کے وقت اس شب میں آسمان دنیا کی جانب نزول
فرماتا ہے اور کہتا ہے: کوئی مغفرت چاہنے والا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ ہے کوئی رزق
طلب کرنے والا کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مصیبت میں مبتلا کہ میں اسے عافیت دوں،
اس طرح کے ارشادات فرماتا رہتا ہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔“

”حدیث کی سند“

حدثنا الحسن بن علی الخلال حدثنا عبدالرزاق انبانا ابن ابی سبرة
عن ابراهيم بن محمد عن معاوية بن عبدالله بن جعفر عن ابیه عن علی ابن
ابی طالب.

اس حدیث کا ایک راوی ابن ابی سبرہ ہے جس کی کنیت ابو بکر ہے۔ اس کے بارے
میں ۱۰ اند میں ہے کہ ضعیف ہے اور امام احمد بن حنبل اور ابن معین کہتے تھے کہ یہ حدیثیں
ضعیف ہوتی ہیں۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ یہ متروک ہے۔ ابن معین کہتے ہیں وہ ضعیف ہے۔
ابن حبان کہتے ہیں وہ ثقہ راویوں سے موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے اس کو حجت بنانا
صحیح نہیں۔ (تہذیب التہذیب، ۴۸/۱۲)

اس کا ایک راوی عبدالرزاق بن ہمام ہے جس کے بارے میں امام نسائی فرماتے
ہیں کہ اپنے آخری دور میں جو روایات انھوں نے بیان کی ہیں، وہ منکر ہیں۔

(میزان الاعتدال، ۶۱۰/۲)

اس حدیث کے سلسلہ میں علامہ عبدالرحمن محدث مبارکپوری فرماتے ہیں:

لم اجد في صوم يوم ليلة النصف من شعبان حديثاً مرفوعاً صحيحاً
كتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

واما حدیث علی الذی رواہ ابن ماجہ بلفظ اذا كانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها و صوموا نهارها فقد عرفت انه ضعیف جداً۔
اس سے قبل لکھتے ہیں:

وفی سندہ ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرۃ القرشی العامری المدنی قیل اسمہ عبداللہ وقیل قد ینسب الی جدہ رموہ بالوضع کذا فی التقرب وقال الذہبی فی المیزان ضعفہ البخاری وغیرہ وروی عبداللہ وصالح ابنا احمد عن ابیہما قال کان یضع الحدیث قال النسائی متروک۔ (تحفة الاحوذی للمبارکفوری، ۵۳/۲)

”مجھے پندرہ شعبان کے روزے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث مرفوع نہیں ملی اور حضرت علیؑ کی حدیث ”فقوموا لیلها و صوموا نهارها“ سخت ضعیف ہے کیوں کہ اس کا ایک راوی ابوبکر بن عبداللہ بعض محدثین کے نزدیک مہتمم بالکذب ہے اور امام بخاری نے ضعیف کہا ہے اور امام احمد نے کہا ہے کہ وہ حدیث گڑھتا تھا اور امام نسائی نے فرمایا کہ وہ متروک ہے، یعنی محدثین نے اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا ہے۔“

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے آسمان دنیا پر نزول فرمانے کا جو ذکر ہوا ہے وہ بخاری اور مسلم کی حدیث کے مطابق ہر شب کے لیے ہے۔ اسے شب برأت کے لیے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

معلوم ہوا کہ ابن ماجہ کی یہ روایت نہایت بودی ہے، اس لیے اس سے نہ نصف شعبان کی نماز ثابت ہوتی ہے اور نہ روزہ مگر عام طور سے علماء تحقیق کی زحمت نہیں کرتے اور لوگوں کو بدعتوں میں مشغول رکھتے ہیں۔

۴- اسی طرح حضرت علیؑ ہی سے ایک تیسری روایت مروی ہے:

فان أصبح ذلک الیوم صائماً کان کصیام ستین سنة ماضیة وستین

سنة مقبلة رواه ابن الجوزى فى الموضوعات وقال موضوع واسناده مظلم. (تحفة الأحمدي للمباركفوري ۳/۳۶۸)

”شب برأت کا ایک روزہ ساٹھ سال گذشتہ اور ساٹھ سال آئندہ کے روزے کے برابر ہے۔ امام ابن جوزی نے اس کو اپنی کتاب موضوعات میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ روایت موضوع ہے اور اس کی اسناد تاریک ہے۔“

۵- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک چوتھی روایت مروی ہے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو پندرہ شعبان کی رات میں دیکھا آپ نے چودہ رکعت نماز پڑھی پھر بیٹھے اور چودہ مرتبہ سورہ فاتحہ، چودہ مرتبہ قل أعوذ برب الناس اور ایک مرتبہ آية الكرسي اور آیت 'لقد جاءكم رسول' الی آخرہ پڑھی۔ میں نے فراغت کے بعد آپ کے اس عمل کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے میرے اس عمل کی طرح کیا اسے بیس حج میرور اور بیس سال کے روزوں کا ثواب ملے گا اور اگر اس دن کا روزہ رکھ لیا تو اسے دو سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ امام بیہقی، زرقانی، ابن الجوزی، ابن عراق اور امام سیوطی نے اس پر ضعیف اور موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

(الموضوعات ۲/۱۳، تنزیة الشريعة ۲/۹۳، اللالی المصنوعة ۳/۶۰)

۶- حضرت ابو بکرؓ کی روایت:

پندرہ شعبان کی فضیلت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

يطلع الله الى جميع خلقه ليلة النصف من شعبان فيغفر لجميع خلقه الا المشرك أو مشاحن. (ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة، باب ماجاء فى ليلة النصف من شعبان ۱/۲۳۵، رقم الحديث ۱۳۹۰)

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

”پندرہ شعبان کی رات اللہ تعالیٰ اپنے تمام مخلوق کے اعمال پر مطلع ہوتا ہے اور مشرک و کینہ پرور کے علاوہ تمام بندوں کو بخش دیتا ہے۔“

”حدیث کی تخریج:“ اس حدیث کو بزار نے کشف الاستار (۳۳۰/۲)، ابن خزیمہ نے التوحید (۳۲۶/۳)، ابن ابی عاصم نے السنة (۲۲۱/۳)، لاکائی نے شرح الاعتقاد (۳۳۸/۵)، ابونعیم نے بحوالہ سلسلۃ الصحیحۃ (۱۳۲/۶)، بیہقی نے الترغیب والترہیب (۲۸۳/۷) میں روایت کیا ہے۔

سبھی ائمہ کی سندیں عبدالملک پر جا کر مل جاتی ہیں اور پھر سند یوں ہے:

عبد الملک عن مصعب بن ابی ذئب عن قاسم بن محمد عن ابیہ عن ابی بکر الصدیق مرفوعاً.

”حدیث کی سند“

(۱) عبدالملک بن عبدالملک اس حدیث کا مدار انھیں پر ہے۔ امام بخاری نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ ان کی حدیثیں محل نظر ہیں۔ حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ امام بخاری نے ان کے بارے میں ”فی حدیثہ نظر“ کہہ کر ان کی یہی حدیث مراد لی ہے ابن حبان نے کہا ہے کہ عبدالملک کی حدیثوں کی متابعت کوئی نہیں کرتا۔ (میزان الاعتدال، ۲/۶۵۹) واضح ہو کہ امام بخاری کا ”فی حدیثہ نظر“ کہنا شدید ضعف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے ابن عدی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عبدالملک اس حدیث سے معروف ہیں اور عمرو بن الحارث کے علاوہ کوئی ان سے یہ حدیث روایت نہیں کرتا اور یہ حدیث اس سند سے منکر ہے۔ (لسان المیزان، ۳/۶۷)

(۲) مصعب بن ابی ذئب۔ اس حدیث کے راویوں میں مصعب بن ابی ذئب ہیں، ابو حاتم نے ان کو غیر معروف بتایا ہے۔ (الجرح والتعديل، ۸/۳۰۷)

”حدیث کا حکم:“ بزار کی رائے ہے کہ حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے مگر راوی

حضرت ابو بکرؓ ہیں، اس لیے ان کی عظمت حدیث کو تقویت بخشتی ہے اور عبد الملک غیر معروف ہیں، پھر بھی اہل علم نے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور پسند فرمایا ہے۔

علامہ بیہقی نے بزار کی رائے کی تردید کی ہے اور اسے ساقط اور ناقابل اعتبار گردانا ہے۔ (کشف الاستار، ۲/۴۳۵)

علامہ البانی نے اس حدیث کو صحیح اور سند کو عبد الملک و مصعب کی وجہ سے ضعیف بتایا ہے اور اس بات کی صراحت کی ہے کہ میں نے حدیث کی تصحیح صرف بکثرت صحابہ سے مروی ہونے کی بنا پر کی ہے۔ (ظلال الجنة، ۱/۲۲۳)

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت

عن عروۃ عن عائشۃ قال فقدت رسول اللہ ﷺ ذات لیلۃ فخرجت فاذا هو بالبقیع رفع رأسه الی السماء فقال لی کنت تخافین ان یحیف اللہ علیک ورسولہ؟ قالت قلت ظننت انک اتیت بعض نسائک فقال ان اللہ عزوجل ینزل لیلۃ النصف من شعبان الی السماء الدنیا فیغفر فیہا لأکثر من عدد شعر غنم بنی کلب. (سنن ترمذی مع التحفة ۳/۳۶۳، رقم الحدیث ۷۳۶، سنن ابن ماجہ کتاب اقامۃ الصلاة باب ماجاء فی لیلۃ النصف من شعبان ۱/۴۴۴، مسند احمد ۶/۲۳۸، الترغیب والترہیب ۳/۲۸۳)

”حضرت عروہ سے مروی ہے کہ وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے ایک رات رسول اللہ ﷺ کو موجود نہیں پایا۔ میں آپ ﷺ کی تلاش میں نکل پڑی تو کیا دیکھتی ہوں کہ آپ مدینہ کی قبرستان بقیع میں اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تمہیں یہ ڈرتھا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تم پر ظلم کریں گے؟ میں نے کہا: مجھے گمان ہوا کہ آپ ﷺ اپنی عورتوں میں سے کسی کے پاس گئے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پندرہ شعبان کی رات کو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنو کلب کی

بکریوں کے بالوں سے زیادہ لوگوں کی مغفرت کرتا ہے۔“

یہ حدیث ترمذی نے جس سلسلہ اسناد کے ساتھ بیان کی ہے، وہ یہ ہے:

ہم سے احمد بن منیع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں ہمیں یزید بن ہارون نے خبر دی، وہ کہتے ہیں: ہمیں حجاج بن ارطاة نے خبر دی وہ یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کرتے ہیں، وہ عروہ سے اور وہ حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث کو نقل کر کے امام ترمذی نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ کی اس حدیث کو ہم اسی اسناد سے جانتے ہیں جن کے راوی حجاج ہیں اور میں نے امام بخاری کو سنا، وہ اس حدیث کو ضعیف قرار دے رہے تھے، وہ کہتے ہیں یحییٰ ابن کثیر نے عروہ سے نہیں سنا ہے، نیز امام بخاری کہتے ہیں حجاج نے یحییٰ ابن کثیر سے نہیں سنا ہے۔

یعنی یہ حدیث اپنی اسناد کے لحاظ سے دو جگہ منقطع ہے ایک حجاج اور یحییٰ کے درمیان اور دوسرے یحییٰ اور عروہ کے درمیان۔ اس سے یہ واقعہ اور ارشاد رسول ثابت نہیں ہوتا۔

”حدیث کی تخریج“: اس حدیث کو امام ترمذی نے السنن، ابن ماجہ نے السنن، امام احمد نے مسند احمد، بیہقی نے سلسلہ الصحیحۃ میں تخریج کی ہے۔

”حدیث کی سند“: ہر ایک کی مشترکہ سند یوں ہے عن حجاج بن ارطاة عن یحییٰ بن ابی کثیر عن عروہ عن عائشہ مرفوعاً۔

”حدیث کا حکم“: حجاج بن ارطاة! یہ صدوق راوی ہیں بکثرت غلطی اور تدلیس میں معروف ہیں (صدوق کثیر الخطا و التدلیس)۔ (تقریب التہذیب، ص ۱۵۲)

امام بخاری نے کہا ہے کہ حجاج نے یحییٰ بن ابی کثیر سے حدیثیں نہیں سنی ہیں۔

(سنن ترمذی مع التحفة ۳/۳۶۵)

یحییٰ بن کثیر یہ ثقہ اور ثابت ہیں لیکن تدلیس و ارسال کیا کرتے ہیں، عروہ بن الزبیر سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے۔ (تہذیب التہذیب ۱۱/۲۶۸)

امام بخاری نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یحییٰ ابن کثیر نے عروہ سے نہیں سنا ہے اور اسی طرح حجاج نے یحییٰ بن ابی کثیر سے نہیں سنا ہے۔

(سنن الترمذی ۱۱۶/۳)

حجاج اور یحییٰ دونوں مدلس ہیں اور دو دو جگہ انقطاع پایا جاتا ہے۔ امام دارقطنی نے کہا ہے کہ حدیث کی سند مضطرب اور غیر ثابت ہے۔ (اسنی المطالب، ص ۸۰)

غرضیکہ یہ حدیث ضعیف ہے، کیونکہ اس کے سلسلہ رواۃ میں حجاج بن ارطاة ہے جس کو تمام محدثین نے با اتفاق ضعیف قرار دیا ہے۔

اس روایت میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کی صحت مشتبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تنہا رات میں دیر گئے قبرستان جانا قرین مصلحت نہیں اور آپ ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ سوال کرنا کیا تمہیں یہ اندیشہ لاحق ہو گیا ہے کہ اللہ اور رسول تمہاری حق تلفی کریں گے، ایک ایسا سوال ہے جس کی نسبت نبی ﷺ کی طرف صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت عائشہ تو خیال کر سکتی تھیں کہ آپ ﷺ کی ضرورت سے اپنی دوسری ازواج کے ہاں تشریف لے گئے ہوں گے۔ لیکن اس میں اللہ کی طرف سے حق تلفی کا سوال کہاں پیدا ہوتا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس بدگمانی میں مبتلا ہوتیں؟ پھر اگر پندرہویں شعبان کی شب ایسی فضیلت والی ہوتی کہ اس میں لاتعداد مردوں کی بخشش ہو جاتی ہے تو آپ پہلے ہی لوگوں کو بتا دیتے تاکہ وہ اس شب میں عبادت وغیرہ کا اہتمام کرتے یہ کس طرح ممکن ہے کہ آپ اس فضیلت والی شب سے اپنے اصحاب کو باخبر نہ کریں، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اس کی خبر نہ ہو اور اتفاق سے جب وہ قبرستان جائیں تو انھیں اس کا پتہ چلے؟ اس قسم کے معے ضعیف حدیثیں ہی پیدا کرتی رہتی ہیں۔ سنت رسول ہمیشہ روشن ہوتی ہے اور دلوں میں یقین پیدا کرتی ہے۔

۸- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت:

عن ابن عمرو مرفوعاً من قرأ ليلة النصف من شعبان الف مرة قل هو اللہ احد فی مائة ركعة لم يخرج من الدنيا حتى يعث اللہ اليه فی منامه مائة ملك ثلاثون يبشرونه بالجنة وثلاثون يومنونه من النار وثلاثون يعصمونه من ان يخطى وعشر يكيدون من عاداه. (مسند أحمد ۱۷۶/۲)

”ابن عمرو بن العاص رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس نے پندرہ شعبان کی رات میں سو رکعت کے اندر ایک ہزار بار قل هو اللہ احد پڑھا لیا تو وہ دنیا سے روانہ نہیں ہوگا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے پاس خواب میں سو فرشتے بھیجے گا، تمیں جنت سے نجات کی بشارت، تمیں جہنم سے نجات اور تمیں لغزشوں اور غلطیوں سے بچائیں گے اور اس کے علاوہ دس دشمنوں کا دفاع کریں گے۔“

”حدیث کی تخریج“

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

”حدیث کی سند“: عن ابن لهيعة عن حى بن عبد الله عن ابى عبد

الرحمن الجبلى عن عبد الله بن عمرو بن العاص مرفوعاً.

”حدیث کا حکم“: ابن لهيعة مغلط ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں حى بن عبد الله یہ

صدوق راوی ہیں، کبھی وہم بھی ہو جاتا ہے، صغار تابعین کا زمانہ پایا ہے مگر کسی صحابی سے

ان کی ملاقات نہیں۔ حافظ منذری نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (مرعاة

المفاتيح ۳/۳۳۲، الترغيب ۳/۳۶۰)، امام ابن جوزى (الموضوعات الكبرى ۲/۱۲۵)،

ابن عراق (تنزيه الشريعة ۲/۹۳)، اور امام سيوطى (اللائلى المصنوعة ۲/۵۹) نے اسے

موضوع کہا ہے۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن لهيعة اگرچہ ضعیف ہیں مگر رشدين سعد بن حى

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کی متابعت کی ہے۔ ابن حیویہ نے رشدین کی روایت ذکر کی ہے۔ اس طرح یہ حدیث حسن لغیرہ ہو جاتی ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۱۳۶/۳)

۹- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت:

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال قال من احياء الليالي الخمس وجبت له الجنة التروية وليلة عرفة وليلة النحر وليلة الفطر وليلة النصف من شعبان.
”جس نے پانچ راتوں کو جاگ کر عبادت کی اس کے لیے جنت واجب ہوگئی، ذی الحجہ کی آٹھویں نویں اور دسویں رات، عید الفطر کی رات اور پندرہ شعبان کی رات۔“

”حدیث کی تخریج“: اس حدیث کی تخریج ابن ابی عاصم (السنة ۲۲۳/۱)، ابن حبان (الاحسان ۴۷۰/۷)، بیہقی (مرعاة المفاتیح ۳۲۱/۳) اور طبرانی (مجمع الزوائد ۶۵/۸) نے کی ہے۔

”حدیث کی سند“: مذکورہ بالا سبھی ائمہ کی سند مکحول الشامی پر جا کر مل جاتی ہے مکحول نے مالک بن یخامر اور انھوں نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے، مکحول یہ عبد اللہ الشامی ہیں، یہ ثقہ اور مشہور فقیہ ہیں لیکن بکثرت ارسال سے متصف ہیں۔

(تقریب التہذیب، ص ۵۳۵)

امام ذہبی نے تصریح کی ہے کہ مکحول اور مالک بن یخامر کے درمیان ملاقات ثابت نہیں ہے، ان دونوں کے درمیان انقطاع پایا جاتا ہے۔

”حدیث کا حکم“: مکحول اور عبد المالك کے درمیان انقطاع کی وجہ سے سند ضعیف ہے۔ ابن ابی حاتم نے کہا میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو میرے والد نے اس حدیث کو منکر بتایا۔ (العلل المتناہیة ۱۷۳/۲)

علامہ محدث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(مرعاة المفاتیح ۳۲۲/۳)

۱۰- حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت:

یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت کے ہم معنی ہے۔

”حدیث کی تخریج“

اس حدیث کو ابن ماجہ نے دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ کتاب اقامة

الصلاة باب ماجاء فی ليلة النصف من شعبان ۱/۴۳۵، رقم الحدیث ۱۳۹۰)

پہلی سند: عن ولید بن مسلم عن ابن لہیعة عن الضحاک بن ایمن

عن الضحاک بن عبد الرحمن عن ابی موسیٰ.

امام ابن جوزی نے العلیل المتناہیة (۱/۴۳۷) میں اسی سند سے حدیث کو ذکر

کیا ہے۔

دوسری سند: عن ابن لہیعة عن الزبیر بن سلیم عن الضحاک بن

عبد الرحمن عن ایبہ عن ابی موسیٰ.

اسی سند سے لاکائی اور ابن ابی عاصم نے حدیث کی تخریج کی ہے۔ (السنة ۱/۲۲۳)

تنبیہ: ابن ابی عاصم کی سند میں الزبیر بن سلیم کے بدلے الربیع بن سلیمان ہے

حالانکہ صحیح الزبیر بن سلیم ہے جیسا کہ حافظ ذہبی و حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

میزان الاعتدال (۲/۶۷)، تہذیب التہذیب (۳/۳۱۵)۔ علامہ البانی نے الربیع

بن سلیمان ہی بغیر تعلیق کے ساتھ باقی رکھا ہے معلوم نہیں قصداً ایسا کیا گیا ہے یا سہواً ہو گیا

ہے۔ (ظلال الجنة، ۱/۲۲۳)

”حدیث کی سند“: ولید بن مسلم ثقہ راوی ہیں مگر بہت زیادہ تدلیس کرتے ہیں

اور تدلیس تسویہ بھی کرتے ہیں جو تدلیس کی سب سے بری قسم ہے۔

(تقریب التہذیب ص ۵۸۴)

ابن لہیعة صدوق راوی ہیں اپنی کتابوں کے جل جانے کے بعد مختلف ہو گئے تھے

اس لیے اختلاط سے پہلے کی روایتیں مقبول ہیں اور اختلاط کے بعد کی روایتیں مردود سمجھی جاتی ہیں۔

الضحاک بن ایمن یہ کلبی ہیں مجہول راوی ہیں عبدالرحمن بن عزوب یہ ضحاک کے والد ہیں مجہول راوی ہیں۔ (تقریب التہذیب ص ۳۲۶)

”حدیث کا حکم“: حدیث کی پہلی سند ولید بن مسلم کے مدلس، ابن لہیعہ کے مختلط، ضحاک بن ایمن کے مجہول اور ضحاک بن عبدالرحمن اور ابو موسیٰ کے درمیان انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دوسری سند ابن لہیعہ کے مختلط، زبیر بن سلیم کے مجہول اور عبدالرحمن بن عرزب کے مجہول نیز ابو موسیٰ سے ملاقات ثابت نہ ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ (مرعاة المفاتیح، ۳۳۱/۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پندرہ شعبان کی شب کی فضیلت میں جتنی روایات ہیں سب باطل اور ضعیف ہیں۔ کوئی حدیث بھی صحیح نہیں اسی لیے ایسی حدیثیں بخاری اور مسلم میں جگہ نہ پاسکیں۔ جب ضعیف حدیث حجت ہی نہیں ہے تو یہ فضیلت ثابت کہاں سے ہوتی؟ اگر یہ شب فضیلت کی شب ہوتی تو صحابہ کرام میں اس کا چرچا ہوتا اور مشہور اور ثقہ راوی اسے روایت کرتے اتنی اہم بات جس کا عام چرچا ہونا چاہیے صرف ضعیف راویوں کو کیسے معلوم ہوگئی اور اب تو مسلمانوں نے ان ضعیف روایتوں کا سہارا لے کر شب برأت کو باقاعدہ تہوار کی شکل دے دی ہے۔

امام ابو بکر الطرطوشی اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں:

ابن وضاح زید بن اسلم سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مشائخ و فقہاء میں سے کسی کو بھی پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کی طرف توجہ کرتے نہیں پایا اور نہ انھوں نے اس رات کو کسی رات پر فضیلت دی اور جب ابن ملیکہ سے کہا گیا کہ زیاد کا خیال یہ ہے کہ پندرہ شعبان کی رات کی عبادتوں کا ثواب شب قدر کی عبادتوں کے ثواب کے برابر

ہے تو انھوں نے فرمایا: اگر میں سنتا اور میرے ہاتھ میں ڈنڈا ہوتا تو میں اسے مارتا اور زیادہ ایک قصہ گو تھا۔

زید بن اسلم التونی ۱۳۶ھ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے اساتذہ اور اپنے دور کے فقہاء میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ لیلۃ البرأت کی جانب کوئی توجہ دیتے یا اسے دیگر راتوں پر فضیلت دیتے ہوں اور ابن دحبہ کہتے ہیں شب برأت کی نمازوں کے بارے میں جتنی روایات ہیں سب موضوع ہیں، ان میں سے ترمذی والی روایت منقطع ہے اور جو شخص ان روایات کو صحیح سمجھ کر ان پر عمل کرے وہ جھوٹ بولتا ہے اور وہ شیطان کا خادم ہے۔ (الحوادث والبدع للطرطوشی)

اگر راتوں میں سے کسی رات کی تخصیص عبادت و قیام کے لیے جائز ہوتی تو جمعہ کی رات اس کی زیادہ حق دار تھی، اس لیے کہ اس کا دن تمام دنوں میں سب سے زیادہ بہترین دن ہے، جیسا کہ امام مسلم نے روایت کی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تختصوا لیلۃ الجمعة بقیام من بین اللیالی ولا تختصوا یوم الجمعة بصیام من بین الایام الا ان یکون فی صوم یصومه أحدکم. (صحیح مسلم،

کتاب الصیام، باب کراهیۃ صیام یوم الجمعة منفرداً، ۲/۴۷۲، رقم الحدیث ۱۴۸)

”جمعہ کی رات کو دیگر راتوں کے مقابل میں قیام کے لیے مخصوص نہ کرو اور جمعہ کے دن

روزہ کے لیے مخصوص نہ کرو۔ ہاں اگر کوئی پہلے سے روزہ رکھے ہو تو کوئی بات نہیں۔“

نبی ﷺ نے اس شب کے قیام کی تخصیص سے منع فرمایا تو دوسری راتیں بدرجہ اولیٰ عبادت کے لیے مخصوص نہیں کی جاسکتیں، ہاں مگر جس رات کو عبادت کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسے لیلۃ القدر اور رمضان کی راتیں جن میں قیام مشروع ہے، ان میں عبادت اور اپنے رب کی رضا مندی تلاش کرنا چاہئے۔ رسول اللہ

ﷺ نے اس امر پر ابھارا ہے اور خود بھی ان راتوں میں قیام فرمایا ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من قام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه ومن قام ليلة القدر ايماناً واحتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه. (صحیح بخاری، کتاب الصوم باب من صام رمضان ايماناً واحتساباً، ۱۳۳/۳، رقم الحدیث ۱۹۰۱، و صحیح مسلم کتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب فى قيام رمضان، ۲۹۵-۲۹۶، رقم الحدیث ۱۷۵)

”جس نے ایمان و احتساب کی حالت میں رمضان میں قیام کیا اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور جس نے ایمان و احتساب کی حالت میں شب قدر میں قیام کیا اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔“

امام مقدسی فرماتے ہیں: ہمارے یہاں بیت المقدس میں نہ صلوٰۃ الرغائب کا وجود تھا نہ صلوٰۃ شعبان کا، صلوٰۃ شعبان کا وجود ہمارے یہاں سب سے پہلے ۴۲۸ھ میں ہوا۔ ایک شخص ابن ابی الحمراء نایلس سے بیت المقدس آیا وہ قرآن مجید بہت اچھا پڑھتا تھا، وہ پندرہ شعبان کی رات میں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کھڑا ہوا۔ اس کے حسن قرأت سے متاثر ہو کر ایک شخص اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا، پھر ایک اور شخص کھڑا ہو گیا، پھر تیسرا، چوتھا، پانچواں، غرضیکہ اس طرح کافی لوگ اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ پھر دوسرے سال بھی پندرہ شعبان کی شب میں آیا اور حسب سابق کافی لوگوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی، پھر سال بہ سال یہ نماز ہونے لگی اور اس طرح یہ بدعت رفتہ رفتہ زور پکڑ گئی، گھروں گھروں میں پہنچ گئی اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دین میں اضافے ایسے ہی کسی طرح ہوتے رہے اور رفتہ رفتہ جزو دین بنا لیے گئے اور دین کی اصل تصویریں کڑالی گئی۔

جن لوگوں نے اس کے جواز کی راہ نکالی ہے ان کا قول باطل ہے صحیح احادیث میں

اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے: ۔

خیر الامور السالفات علی الہدی. وشر الامور المحدثات البدائع.
 ”بہترین کام وہ ہے جو ہدایت کے طریقے پر کیے گئے ہوں اور برے کام وہ ہیں جو دین
 میں نئے اور انوکھے ہیں۔“

شب برأت کی حقیقت کیا ہے؟

سب سے پہلے سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس شب کو ”شب برأت“ کس لیے
 کہا جاتا ہے اور کیا قرآن و حدیث فقہ اور تاریخ میں اس نام کی کوئی شے پائی جاتی ہے؟ یہ
 بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ شب برأت میں شب کا لفظ فارسی ہے۔ عربی میں
 اس کا نام لیلة البرأت ہونا چاہئے یعنی برأت کی رات عربی میں برأت بیزاری اور نفرت
 کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اسی لفظ سے تبرآ بنا ہے جس کا مطلب بھی بیزاری اور
 نفرت ہے۔ قرآن مجید اور حدیث میں یہ لفظ انھیں معنوں میں متعدد جگہوں پر آیا ہے۔
 چنانچہ قرآن مجید کی یہ آیت:

بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (توبہ: ۱)

”بیزاری کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ان مشرکوں کو جن کے ساتھ تمہارا
 معاہدہ تھا۔“

سورہ توبہ کی پہلی آیت ہے اور اس سورہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمن الرحیم
 اس لیے نہیں تحریر کیا جاتا اور نہ پڑھا جاتا ہے کہ اس میں مشرکین سے بیزاری کا اظہار ہے
 اور اس کی ابتدا لفظ برأت سے ہوتی ہے۔ اسی طرح حدیث میں لفظ برأت کا مطلب
 ملاحظہ کیجیے:

ثم اردف النبي ﷺ بعلي ابى طالب فامرہ ان يؤذن ببراءة.

(صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب ما یستر من العورة ۱/۲۲۹، رقم الحدیث ۳۶۹،

و کتاب التفسیر باب وأذان من الله ورسوله الى الناس ۸/۴۰۵، رقم الحدیث ۴۶۵۶)

”پھر رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب کو بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ وہ بے زاری کا اعلان کر دیں۔“

بخاری شریف میں یہ حدیث بڑی تفصیل سے موجود ہے بہر حال لفظ برأت قرآن مجید و حدیث میں بہت جگہوں پر آیا ہے اور ہر جگہ اس کا معنی بیزاری اور نفرت کا ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ برأت اور تبراً ہم معنی ہیں لہذا یہ دونوں لفظ بیزاری کا معنی دیتے ہیں اور شب برأت کا معنی ہے ”شب تبراً“ یعنی بیزاری کی رات اور یہ بات قطعاً طور پر ثابت ہے کہ اس شب میں رافضی اپنے فرضی اور غائب امام کی پیدائش کی خوشی مناتے ہیں۔ صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ پانچویں صدی ہجری کی ابتدا تک حدیث و تفسیر کی جتنی بھی کتابیں لکھی گئیں اور اس سلسلہ کی جتنی روایات ان کتابوں میں نقل کی گئیں، ان میں کسی روایت میں لیلة البرأت کا لفظ قطعاً نہیں پایا جاتا بلکہ ہر روایت میں آپ کو یہ لفظ ملیں گے ”اذا كانت لیلة النصف من شعبان“ یعنی جب نصف شعبان کی رات ہو یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اس کا یہ نام پانچویں صدی کے آخر میں رکھا گیا اور یہ نام رکھنے والے صوفیاء ہیں۔

(تذکرۃ الموضوعات، از علامہ طاہر بن علی الحنفی، پٹنہ، متوفی ۹۸۶ھ)

شیعہ روایت کے مطابق ان کے گیارہویں امام حسن عسکری کے لڑکے امام غائب ہیں جو انتہائی کم عمری میں سنیوں کے خوف کی وجہ سے سرنامی غار میں پوشیدہ ہو گئے۔

۱۔ شیعہ قوم آج تک ان کے نکلنے کا انتظار کر رہی ہے، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی ولادت سرے سے ثابت نہیں۔ یہ افسانہ ہے جو لوگوں کو دھوکہ دینے اور باطل افکار و نظریات کو رواج دینے کے لیے چند گمراہ اور یہودی فکر لوگوں نے وضع کیا ہے۔

جاتے جاتے امام غائب قرآن کا اصل نسخہ (جو کہ قرآن سے کافی ضخیم اور مختلف ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور ایک بڑا صندوق جس میں تمام انبیاء کرام کی نشانیاں تھیں، اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔ ان کے اس طرح چھپ جانے کی وجہ سے ان کو امام غائب کہا جاتا ہے۔ جب دنیا میں ایک وقت میں تین سو تیرہ اصلی شیعہ موجود ہوں گے تب امام غائب تمام چیزیں لے کر دنیا میں آئیں گے۔ اور ان کا اپنا اصلی قرآن رائج کر کے دنیا کے تمام سنیوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ ماضی میں ہوئے شیعوں پر ظلم و ستم کا بدلہ لیں گے اور شیعوں کے ساتھ ناانصافی کا خاتمہ کریں گے۔ یعنی شیعوں کے مطابق ہر طرف عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا۔ اس بنا پر شیعوں کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ یہی امام غائب اصل میں امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صحیح احادیث کے ذریعہ خبر دی چونکہ امام غائب کے غار سے نکلنے کا کوئی وقت شیعہ روایات سے ثابت نہیں۔ الا یہ کہ دنیا میں تین سو تیرہ سچے شیعہ موجود ہوں اس لیے ۱۵ شعبان کی رات کو جہاں ایک طرف شیعہ امام غائب کی پیدائش کی خوشی میں حلوہ مانڈے پکاتے کھاتے ہیں، چراغاں کرتے ہیں، وہیں دوسری طرف شیعہ ۱۵ شعبان کی رات کو غاروں میں دریاؤں اور کنوؤں پر جا کر اپنے امام کے نام کی پرچیاں ڈالتے ہیں اور ان سے درخواست کرتے ہیں کہ ہم سنیوں کے دل بہت تنگ آچکے ہیں۔ للہ اب تو آپ تشریف لائیے اور ان ملحدین (شیعہ خود کو مومن کہتے ہیں۔ اپنے علاوہ کو عام طور پر ملحد کہتے ہیں اور اگر تقیہ مقصود ہو تو مسلمان کہتے ہیں) سے ہمیں نجات دلائیے۔ شب برأت کی یہ حقیقت عام طور پر مسلمانوں سے پوشیدہ ہے اور اگر بتائی جائے تو عام ذہن قبول نہیں کرتا۔ اگر شب برأت کو شیعہ رات کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ایک شبہ کا ازالہ

قرآن مجید میں ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ مُبْرَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۝ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ

حَكِيمٍ ۝ (الدخان: ۳-۴)

”ہم نے اس قرآن کو مبارک رات میں اتارا ہے ہم لوگوں کو ڈرانے والے ہیں اسی

مبارک رات میں ہر محکم معاملہ طے پاتا ہے۔“

جمہور کا قول یہ ہے کہ مذکورہ مبارک رات سے مراد شب قدر ہے جمہور علماء کا اس

بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید ماہ مبارک میں نازل ہوا ہے اور لیلۃ القدر اسی ماہ رمضان

کی ایک رات ہے کسی دوسرے مہینہ میں لیلۃ القدر نہیں ہو سکتی۔

علامہ شوکانی اپنی تفسیر فتح القدر میں تحریر فرماتے ہیں:

لیلة المباركة سے مراد شب قدر ہے اس سے مراد پندرہ شعبان کی رات نہیں اس

لیے کہ سورہ دخان والی آیت میں اگرچہ اس رات کو مجمل و مبہم رکھا مگر سورہ بقرہ کی آیت میں

اس رات کو واضح کر دیا ہے کہ یہ رات رمضان کے مہینہ میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۝

”رمضان کا مہینہ ایک بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔“

پھر اس کو سورہ قدر میں مزید واضح کر دیا گیا ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ (القدر: ۱)

”ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔“

ان واضح دلائل کے ہوتے ہوئے اختلاف اور اشتباہ باقی نہیں رہ جاتا کہ لیلۃ القدر

سے مراد پندرہ شعبان کی رات ہے، پندرہ شعبان کا روزہ اور رات کی عبادت کسی صحیح

حدیث سے ثابت نہیں۔

ماہ شعبان کا روزہ

ماہ شعبان بڑی عظمت والا ہے اور اس کی فضیلت بزرگی اس لیے مسلم ہے کہ یہ ماہ رمضان کے مقدس و متبرک مہینہ کے لیے گویا بطور تمہید ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ اس مہینہ میں کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ما رأیت النبی ﷺ فی شهر اکثر صیاما منه فی شعبان کان یصومه الا قلیلاً بل کان یصومه کله. (صحیح بخاری کتاب الصوم باب صوم شعبان ۲۶۷/۳، صحیح مسلم کتاب الصوم باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان ۲۹۳/۳، سنن أبی داؤد کتاب الصوم، باب کیف یصوم النبی ﷺ ۲/۲۲۴)

”میں نے نبی ﷺ کو کسی ماہ میں شعبان سے زیادہ روزہ رکھتے نہیں دیکھا اس ماہ میں چند دنوں کے علاوہ بقیہ دنوں میں روزہ رکھتے بلکہ پورے شعبان کا روزہ رکھتے۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بارے میں ابن مبارک کا کلام نقل کیا ہے کہ کلام عرب میں ماہ کے اکثر حصہ کا اطلاق پورے مہینہ پر بھی کیا جاتا ہے تو حدیث کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس ماہ کے اکثر دنوں کا نفلی روزہ رکھتے تھے۔

(سنن الترمذی مع التحفة ۳/۳۶۱)

عن أم سلمة قالت ما رأیت النبی ﷺ یصوم شهرین متتابعین الا شعبان ورمضان. (سنن ترمذی مع التحفة کتاب الصوم باب ماجاء فی وصال شعبان بر رمضان ۳۶۰، رقم الحدیث ۷۳۳)

”ام سلمیٰ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سوائے شعبان اور رمضان کے دو متواتر مہینوں کا روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔“

رسول اللہ ﷺ شعبان کے چاند کو بڑی توجہ سے دیکھتے اور فرمایا کرتے تھے:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

احصوا ہلال شعبان لرمضان. (ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح محقق ۶۱۶/۱، رقم الحدیث ۱۹۷۵، سنن الترمذی مع التحفة أبواب الصیام باب ماجاء فی احصاء ہلال شعبان لرمضان ۲۹۹/۳، رقم الحدیث ۶۸۲)

”شعبان کے چاند اور تاریخوں کا حساب رکھو تا کہ رمضان کے چاند اور تاریخوں میں گڑ بڑ نہ ہو۔“

لیکن واضح رہے کہ ہمارے لیے حکم صرف نصف شعبان تک روزہ رکھنے کا ہے نصف شعبان کے بعد ہمارے لیے روزہ رکھنا منع ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اذا انتصف شعبان فلا تصوموا. (سنن ابی داؤد کتاب الصوم باب کراہیۃ ذلک ۳۰۱/۲، سنن الترمذی کتاب الصوم باب ماجاء فی کراہیۃ الصوم فی النصف الباقی من شعبان ۳۶۲/۳، رقم الحدیث ۷۳۵)

”جب شعبان آدھا گزر جائے تو روزہ مت رکھو۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پندرہ شعبان تک یعنی پہلی شعبان سے پندرہ شعبان تک جتنے چاہے روزے رکھ سکتے ہیں اور پندرہ شعبان کے بعد روزہ مت رکھو۔ مقصد اس کا یہ تھا کہ شعبان اور رمضان دونوں مہینوں کے متواتر روزے اکثر لوگوں کے لیے مشکل ہیں، اس لیے ان کو چاہیے کہ نصف شعبان کے بعد روزہ نہ رکھیں۔

پندرہ شعبان کا روزہ

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

لکن الذی علیہ کثیر من اهل العلم او اکثرهم من اصحابنا وغیرہم علی تفضیلہا وعلیہ یدل نص احمد لتعدد الاحادیث الواردة فیہا وما یصدق ذلک من الآثار السلفية وقد روى بعض فضائلہا فی المسانید والسنن وان کان قد وضع فیہا اشیاء آخر فاما صوم یوم النصف مفردا فلا اصل له بل کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

افرادہ مکروہ و كذلك اتخاذه موسما تصنع فيه الاطعمة و تظهر فيه الزينة وهو من المواسم المحدثه المبتدعة التي لا اصل له. (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تیمیہ، ص ۳۰۲، مطبعة الحكومة المکرمة ۱۳۸۹ھ)

”البتہ بیشتر اہل علم اور ہمارے اکثر اصحاب وغیرہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ پندرہویں شعبان کی فضیلت ہے۔ امام احمد سے مروی قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ اس سلسلے میں منقول احادیث بہت سی ہیں اور سلف کے آثار بھی ہیں، مسانید اور سنن میں اس کے بعض فضائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ہاں ان میں بہت موضوعات میں موجود ہیں، البتہ صرف پندرہویں شعبان کا روزہ رکھنے کی روایت بے اصل ہے، بلکہ محض اس دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اسی طرح اس دن کو ایسے تہوار کے طور پر منانا کہ جس میں خاص کھانے تیار کیے جائیں اور زیب و زینت کا اظہار کیا جائے تو یہ ان بدعات میں سے ہے جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔“

پندرہ شعبان کا روزہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، چنانچہ محدث سمش الحق ڈیانوی شارح سنن ابوداؤد فرماتے ہیں:

”الحاصل ماہ شعبان کا مہینہ عظمت و بزرگی کا مہینہ ہے اور اس میں روزہ رکھنا مسنون ہے، مگر روزہ کے لیے کوئی تاریخ دن معین و مقرر کرنا بالخصوص پندرہ شعبان کا روزہ احادیث سے ثابت نہیں، بلکہ تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں میں جن کو ایام بیض کہتے ہیں ان میں روزہ رکھے اور چاہے تو اس میں اضافہ کرے، کیونکہ اس ماہ میں کثرت صیام ثابت ہے اور اس مہینہ میں پندرہ شعبان کی رات بالخصوص عظمت و بزرگی کی رات ہے۔ اس میں قیام لیل کسی ہیئت خاص کے بھی مسنون ہے اور موجب اجر و ثواب ہے۔“

بعض علماء نے پندرہ شعبان کے روزہ کا ثبوت اس حدیث سے دیا ہے:

اما سمعت من سرور شعبان.

اس کا جواب یہ ہے کہ ”سرور“ کا ترجمہ نصف شعبان صحیح نہیں ہے بلکہ اس سے مہینہ کا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

آخری دن مراد ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا ہے:

باب الصوم من آخر الشهر. (صحیح بخاری کتاب الصوم باب الصوم من

آخر الشهر ۲۸۸/۳-۲۸۹)

اس باب میں یہی حدیث سرر شعبان کا ذکر کیا ہے۔

علامہ محدث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری فرماتے ہیں:

الحاصل انه ليس في صوم يوم ليلة النصف من شعبان حديث مرفوع

صحيح أو حسن أو ضعيف خفيف الضعف ولا اثر قوى أو ضعيف.

(مرعاة المفاتيح ۳/۳۴۳)

”پندرہ شعبان کے بارے میں کوئی مرفوع حدیث صحیح یا حسن یا ایسی ضعیف روایت جس کا

ضعف معمولی ہو مروی نہیں ہے اور نہ کوئی اثر قوی یا ضعیف ہی موجود ہے۔“

پندرہ شعبان کی شب میں قبرستان جانا

پندرہ شعبان کی رات میں قبرستان جانے والی حدیث سخت ضعیف ہے۔ آپ ﷺ کا

پندرہ شعبان کو بقیع قبرستان جانے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا آپ ﷺ کی تلاش

میں قبرستان جانے کا واقعہ بڑی شد و مد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے، کیونکہ صرف یہی

حدیث فضائل شب نصف شعبان کے متعلق کتب ستہ میں ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں پائی

جاتی ہے۔

اس روایت کو بیان کرنے والے کبھی بھی اس روایت کے متعلق امام ترمذی کا وہ قول

نقل نہیں کرتے ہیں جو انھوں نے درج کیا ہے اگر امام ترمذی کا قول بیان کر دیا جائے تو

البقیع کے اس واقعہ کی پوری عمارت زمین بوس ہو جائے۔

امام ترمذی المتوفی ۲۷۹ھ نے یہ واقعہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس طرح نقل کیا ہے

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

ایک شب میں نے رسول اللہ ﷺ کو موجود نہیں پایا۔ میں آپ ﷺ کی تلاش میں نکلی سو آپ ﷺ بقیع میں تھے تو فرمایا: کیا تمہیں اندیشہ تھا کہ اللہ اور اس کا رسول تجھ پر ظلم کرے گا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے جانا آپ ﷺ اپنی کسی بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اترتا ہے پندرہ شعبان کی رات میں آسمان دنیا کی طرف، اپنے بندوں کو بخشتا ہے قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے عدد سے زیادہ۔ (سنن ترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی لیلة النصف من شعبان ۳/۳۶۳،

رقم الحدیث ۷۳۶)

اس روایت کی سند کی حیثیت خود امام ترمذی نے اس طرح تحریر فرمائی ہے:

میں نے محمد بن اسلمیل (امام بخاری) سے سنا وہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے اور کہتے تھے کہ یحییٰ بن کثیر روایت کر رہے ہیں عروہ سے یحییٰ بن کثیر کو سماع نہیں ہے یحییٰ بن کثیر سے یہ روایت دو جگہ سے منقطع ہے اور منقطع روایت محدثین کے نزدیک ناقابل قبول ہے اور جو روایت دو جگہ سے منقطع ہو اسے محدثین کی اصطلاح میں معضل کہتے ہیں۔ جو انتہائی شدید قسم کی ضعیف بلکہ منکر و مردود ہوتی ہے اس لیے حافظ بدر الدین عینی ابن دحیہ اور ابن العربی مالکی نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔

اس روایت سے یہ استدلال کرنا کہ پندرہ شعبان کی شب میں قبرستان جانے کا اہتمام سنت اور کار ثواب ہے، درست نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اکثر رات کو قبرستان جایا کرتے تھے اور اس کی ترغیب بھی دیتے تھے، لیکن اس عمل کو پندرہ شعبان کے ساتھ مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔ اگر پندرہ شعبان کو قبرستان جانے کی اس قدر فضیلت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ خاموشی سے اس طرح بستر سے اٹھ کر نہ جاتے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس کی خبر دیتے جب کہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی مطلع نہیں کیا۔

پندرہ شعبان کی شب میں تخصیص کے ساتھ قبرستان جانے کا ثبوت دور نبوی ﷺ میں کہیں نہیں ملتا۔ اس کے بعد دور صحابہ میں بھی کسی ایک صحابی سے اس کا اہتمام ثابت نہیں، نہ ہی کسی تابعی اور ائمہ اربعہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

زیارت قبور کی اجازت احادیث میں ملتی ہے اور اس کا مقصد بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ اس سے موت یاد آتی ہے اور عبرت حاصل کی جاتی ہے، مگر دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ پندرہ شعبان کی رات میں قبرستان کی طرف نوجوان لڑکیاں اور عورتیں، مرد اور بوڑھے بچوں کے قافلے نکل پڑتے ہیں اور خاص کر نوجوان لڑکیاں اور عورتیں اس طرح بے پردگی اور عریاں نکلتی ہیں کہ دل و نگاہ کی عفت تار تار ہو جاتی ہے، تقویٰ پانی کی طرح بہہ جاتا ہے، اس رات قبرستان میں خوب چراغاں اور روشنی کی جاتی ہے اور ایک میلے کا سا منظر نظر آتا ہے۔ ایسے بھیڑ بھاڑ اور شور و غل کے ماحول میں کوئی کس طرح موت کو یاد کر کے عبرت حاصل کر سکتا ہے۔

چراغاں کرنا مجوسی سازش

جشن عید میلاد النبی، پندرہ شعبان اور رمضان کے موقع پر چراغاں کرنا بدعت ہے۔ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ مولانا عبدالسلام ندوی رحمۃ اللہ اپنے ایک مطبوعہ مضمون بدعت میں تغیر مذہبی کے سبب اختلاط مذاہب کے ذیل میں بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ لکھتے ہیں:

”مولود کے موقع پر یا رمضان کے زمانے میں چراغاں اب تقریباً ایک مذہبی شعار ہو گیا ہے، لیکن درحقیقت اس کا دقیق سبب یہ ہے کہ اس قسم کی روشنی کی ابتدا برا مکہ کے زمانہ میں ہوئی۔ اس زمانہ میں شعبان کی پندرہ شب کو ایک مبتدعانہ نماز پڑھی جاتی تھی اور اس کے لیے نہایت اہتمام کیا جاتا تھا۔ برا مکہ پہلے مجوسی مذہب رکھتے تھے اور آگ مجوس کا معبود ہے۔ اس طرح انھوں نے قدیم مذہب کی محبت میں

آگ کو روشنی اور چراغاں کی صورت میں اسلام کا بھی ایک شعرا قرار دے دیا۔“
(رسالہ الندوہ، جلد ۸، شماره ۱۱، ص ۸، بابت ماہ نومبر ۱۹۱۱ء)

شیخ ابن العربی فرماتے ہیں:

”مسجدوں میں خوشبو کی دھونی رکھنے کو سب سے پہلے یحییٰ بن خالد برکی نے رواج دیا جو خلیفہ وقت کے وزیر و درباری تھے، اس سے ان کا مقصد مجموعیت کا احیاء تھا۔“
(المنکرات، ص ۷۶)

بعض مورخین نے لکھا ہے:

”برمکیوں نے ہارون رشید کو مشورہ دیا تھا کہ کعبہ شریف میں خوشبو والی انگیٹھی رکھی جائے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمان اپنی عظیم عبادت گاہوں میں آگ رکھنے سے مانوس ہوں اور اسے رواج دیں اور اس طرح رفتہ رفتہ مجموعیت کا غلبہ ہو جائے۔ ہارون رشید کو جب ان کی سازش کا احساس ہوا تو انھوں نے برمکیوں کا قلع قمع کر دیا۔“
خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسجدوں میں آگ روشن کرنا اور چراغاں کرنا سلف صالحین کا طریقہ نہ تھا، نہ وہ مسجدوں کو مزین کرتے تھے۔ یہ سب باتیں طریقہ سلف کے خلاف ہیں اور اسی طرح پندرہ شعبان کو آتش بازی و پٹاخہ کرنا بھی غلط ہے۔

پٹاخہ پھلجھڑوں سے جیسے پڑ ہے دیوالی
شب برات میں پوری ہے اس کی نقالی
میں اس تماشے میں کرتا ہوں تین شرکا شمار
ضیاع مال، ضیاع عمل، ضیاع وقار

پندرہ شعبان کا حلوہ

حلوہ کے تعلق سے جو یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دندان مبارک شہید ہو گیا تھا، اس لیے آپ کو حلوہ کھلایا گیا۔ ہم لوگ بھی اسی خوشی میں ایسا کرتے ہیں۔

یہ روایت جعلی اور من گھڑت ہے۔ احادیث کے ذخیرہ میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ آپ کے دندان مبارک کی شہادت کی وجہ سے حلوہ پکا یا جاتا ہے تو آپ کا دندان مبارک ماہ شوال غزوہ احد میں شہید ہوا تھا، نہ کہ پندرہ شعبان کو اور ماہ شوال میں کوئی حلوہ نہیں پکاتا۔ حلوہ پکانے اور کھانے سے بھلا کسی کو کب انکار ہو سکتا ہے۔ حلوہ فرحت بخش اور مقوی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ہر روز کھانا چاہیے، لیکن شب برات کو مخصوص عمل سمجھ کر حلوہ پکانا اور اہتمام کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ حلوہ پکانے کے لیے کوئی مخصوص دن یا تاریخ کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ سچ ہے:

کسی کو زخم لگے کھائے دوسرا حلوہ یہودیوں کی طرح یہ ہے من اور سلویٰ

روحوں کا عقیدہ

بعض مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ پندرہ شعبان کی رات میں ہمارے بزرگوں اور گھر کے مردہ لوگوں کی روحیں آتی ہیں اور رات بھر گھروں میں شب باشی کر کے صبح کے وقت عالم ارواح کی طرف رخت سفر باندھتی ہیں، اس لیے ہم ان کی روحوں کا استقبال کرنے کے لیے گھروں کو سنوارتے، روشنیوں سے سجاتے اور ان لوگوں کا پسندیدہ کھانا جو ان کو زندگی میں پسند رہی ہوں، اہتمام کرتے ہیں اور ایسا ہم ان کو ایصالِ ثواب کے لیے کرتے ہیں تو یہ مشرکانہ عقیدہ ہے۔ واضح رہے کہ کبھی بھی مومنین یا کافروں کی روحیں دنیا میں واپس نہیں آتیں مومنین کی روحیں علیین اور کافروں کی روحیں سجدین میں رہتی ہیں۔ مومنین کی روحیں جنت کے عیش و آرام کو چھوڑ کر یہاں کیوں آنے لگیں اور جہنمیوں کو جہنم سے چھٹکارا کہاں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرَزَخُ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ (المومنون: ۱۰۰)

”مرنے کے بعد وہ ایسے عالم برزخ میں ہیں کہ وہ قیامت تک دنیا میں پلٹ کر نہیں آسکتے۔“

کھانا کھلا کر ایصالِ ثواب کرنے کا ثبوت کتاب و سنت میں موجود نہیں ہے، بلکہ یہ کافرانہ عقیدہ ہے کہ مرنے پر بارہ برہمن کھلاتے، حلوہ پوری پکا کر کودوں کو کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پُرکھوں کو کھلاتے ہیں۔

روح ملانے کا ختم

بعض مسلمانوں میں یہ غیر اسلامی عقیدہ بھی پایا جاتا ہے کہ جو شخص شبِ برأت سے پہلے مر جاتا ہے اس کی روحِ روحوں میں نہیں ملتی بلکہ آوارہ بھٹکتی رہتی ہے۔ پھر جب شبِ برأت آتی ہے تو روح کو روحوں میں ملانے کا ختم دلایا جاتا ہے، عمدہ قسم کے کھانے، میوے پھل وغیرہ مجلس میں رکھ کر امام مسجد ختم پڑھتے ہیں۔ اور روحوں کو روحوں میں ملا دیتے ہیں اور کھانے، میوے، پھل وغیرہ اور قیمتی کپڑے اٹھا کر گھر لے جاتے ہیں۔ میت کے گھر والے شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے مرنے والے رشتہ دار کی روحِ روحوں میں شامل ہوگئی اور اگر نہ ہوتی تو اس کی بددعا سے گھر والوں پر تباہی آتی۔ سچ ہے:

ع یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

روح ملانے کا ایک دلچسپ واقعہ

ایک گاؤں میں روح کو روحوں میں ملانے کا ختم دلایا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس گاؤں میں ایک زمین دار چودھری فوت ہو گیا۔ جب ۱۵ شعبان کی رات آئی تو بڑی دھوم دھام سے چودھری صاحب کی اولاد نے روح ملانے کے ختم کا اہتمام کیا۔ قیمتی کپڑوں کے دس بارہ جوڑے، پاپوش کے بھی اتنے، انواع و اقسام کے کھانے، بہت قیمتی برتن وغیرہ ختم میں رکھے گئے اور برادری اکٹھی ہوئی۔ میاں صاحب نے ختم کہنا شروع کیا جب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تو ہاتھوں کو منہ پر پھیرنے کے بجائے انھیں یوں ہی چھوڑ دیا۔ اور ایک لمبی سانس لے کر کہا آہ! روحِ روحوں میں مانا نہیں چاہتی۔ یہ سن کر چودھری صاحب کے سب گھر

والے گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اب کیا ہوگا؟ اگر روحِ روحوں میں نہ ملی تو ہم پر کوئی وبال ضرور آئے گا۔ میاں جی جس طرح ہو سکے روح کو روحوں سے ملا دو۔ میاں جی نے پھر بہت کچھ پڑھا اور ہاتھ اٹھا کر منہ پر نہ پھیرے، یونہی چھوڑ دیا۔ روحِ روحوں میں نہیں ملنا چاہتی، میاں صاحب نے کہا۔ سب گھر والے پریشان ہو گئے اور رو رو کر کہنے لگے کہ میاں جی اللہ کے واسطے روح ملانے کی کوشش کرو۔ پھر میاں جی نے کچھ پڑھا اور آسمان کی طرف دیکھا اور کہا چودھری صاحب کی روح کہتی ہے کہ اس کے ختم میں جب تک اعلیٰ نسل اور صحت مند بھینس لا کر نہ رکھو گے میں روحوں میں نہیں ملوں گی۔ گھر والے میاں صاحب کی فرمائش کے مطابق ایک صحت مند نوجوان اچھی نسل کی دودھ دینے والی بھینس کھول کر لے آئے اور اسے ختم کی دوسری چیزوں میں شامل کر دیا۔ اس بار میاں جی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور جلد ہی خوشی سے منہ پھیر کر کہا: مبارک ہو، روحِ روحوں میں مل گئی ہے۔ گھر والے بہت خوش ہوئے اور ختم کی سب چیزیں اٹھا کر مع بھینس میاں صاحب کے گھر چھوڑ آئے۔ قرآن مجید نے سچ کہا ہے:

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَخْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ (التوبة: ۳۴)

”اے ایمان والو! یقیناً بہت سے علماء اور مشائخ لوگوں کے مال باطل طریقہ پر کھا جاتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔“

عیسائیت کی پاپائیت، ہندوؤں کی برہمنیت اور مسلمانوں کی ملائیت تینوں کا ایک ہی مزاج ہے۔ سچ ہے:

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
کلیم بوزر و دلق اولیس و چادر زہرا



رمضان المبارک کی فضیلت

حدیث حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

ماہ رمضان کے استقبال میں اور اس کی خصوصیات و فضائل کے ذکر میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے طریق سے مروی یہ حدیث عموماً بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ہم لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

”اے لوگو! تم پر ایک عظیم الشان اور بابرکت مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے۔ ایسا مہینہ جس میں ایک رات (شب قدر) ہے جو اپنے فضائل و برکات کے لحاظ سے ہزار ماہ سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزوں کو فرض کیا ہے اور اس کی رات کے قیام (تراویح) کو نفل ٹھہرایا ہے جس نے اس مہینہ میں کسی نیکی کے ذریعہ قرب الہی حاصل کیا وہ ایسا ہے جیسے کہ غیر رمضان میں فرض ادا کیا ہو۔ اور جس نے اس ماہ میں ایک فرض ادا کیا ہو وہ ایسا ہے جیسے کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کیے ہوں۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ کہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کا مہینہ ہے، اس میں روزہ دار کی روزی بڑھادی جاتی ہے۔ جس نے اس مہینہ میں کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرایا اس کے لیے یہ عمل بخشش اور جہنم سے رہائی کا ذریعہ ہوگا اور روزہ دار کے مثل اس کو ثواب ملے گا، بغیر اس کے کہ روزہ دار کا ثواب کچھ کم کیا جائے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے ہر شخص اتنی طاقت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہی ثواب اس کو بھی

دے گا جو روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور یا پانی کے ایک گھونٹ سے افطار کرائے اور جس نے روزہ دار کو آسودہ کیا، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن میرے حوض سے ایسا پانی پلائے گا کہ جنت میں داخل ہونے تک قطعاً پیاس نہ لگے گی۔ اس مہینہ کا پہلا حصہ رحمت الہی کا موجب، درمیانی حصہ باعث مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی کا سبب ہے اور جس نے اس ماہ میں اپنے خادم کی محنت و مشقت میں تخفیف کی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا اور اسے جہنم سے نجات دے گا۔“

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کے بعض راویوں پر جرح کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

لیس یرویٰ ہذا من وجہ یشبت

”یہ حدیث کسی ثابت طریق سے مروی نہیں ہے۔“

اس حدیث کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہے جو ضعیف ہے اور اس کا شاگرد یوسف بن زیاد ہے جو اس سے زیادہ ضعیف ہے اور اس کی متابعت ایسا بن ابی ایسا نے کی ہے جو مجہول ہے۔ (مرعاۃ المفاتیح ۲۰۲/۳، طبع پاکستان)

مشکوٰۃ میں اوپر ذکر کی ہوئی حدیث سلمان کے بعد حضرت ابن عباس سے مروی یہ حدیث منقول ہے کہ ماہ رمضان میں اللہ ہر قیدی کو چھوڑ دیتے ہیں اور ہر سائل کو عطا کرتے ہیں۔

علامہ محمد ناصر الدین البانی نے اپنی تعلق مشکوٰۃ (۶۱۳/۱) میں اس حدیث کی بابت لکھا ہے کہ اسنادہ ضعیف جدا اس کی سند بہت ضعیف ہے اور مشکوٰۃ میں اس ذکر کردہ حدیث ابن عباس کے بعد ابن عمر سے مروی یہ حدیث مذکور ہے جو رمضان کے فضائل میں عموماً بیان کی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

رمضان کے لیے جنت شروع سال سے آخر سال تک سنواری جاتی ہے جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش معلیٰ کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے جو جنتی درختوں کے

بتوں سے لگتی ہوئی حوران بہشتی پر سے گزرتی ہے تو وہ بارگاہ الہی میں دعا کرنے لگتی ہے کہ خدایا اپنے بندوں میں سے ہمارے لیے خاوند مقرر فرما جن سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ہم سب سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

اس حدیث کی حالت بھی بڑی سقیم ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مرعاة شرح مشکوٰۃ۔
رمضان کی فضیلت میں صحیح احادیث کا خاصا ذخیرہ ہے اس کی فضیلت بتانے کے لیے ضعیف روایات کا سہارا لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

افطار کی دعا

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلَىٰ رِزْقِكَ افْطَرْتُ. (ارواء الغلیل ۳۶/۲-۳۹)

جس حدیث میں یہ دعا منقول ہے، وہ ضعیف ہے، بلکہ یہ دعا پڑھنی چاہیے:
ذَهَبَ الظَّمَاُ وَاِبْتَلَّتِ الْعُرُوْفُ وَثَبَّتَ الاجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

(ابوداؤد ۲/۲۷۸، رقم الحدیث ۲۳۴۸، مستدرک ۱/۴۲۲، دارقطنی ۲/۱۸۵)

”پیارا دور ہوگئی رگیں تر ہو گئیں اور اجر و ثواب انشاء اللہ متحقق ہوگا۔“

شب قدر کی فضیلت

رمضان کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات شب قدر ہے۔ شب قدر کی بڑی فضیلت ہے۔ اسی رات میں قرآن اتارا گیا۔ شب قدر کو تلاش کرنے اور اس میں جاگ کر عبادت و دعا کرنے کا حکم ہے۔ شب قدر اکیس ۲۱ تیس ۲۳ پچیس ۲۵ ستائیس ۲۷ اور انتیس ۲۹ رمضان کی راتوں میں سے کسی ایک میں آتی ہے۔ اس لیے ان طاق راتوں میں قرآن مجید کی تلاوت اور تسبیح و تہلیل، مناجات، دعا اور عبادت میں ان قیمتی لمحات کو صرف کرنا چاہیے اور اس کا حال یہ ہونا چاہیے:

نہ کسی سے کام نہ واسطہ مجھے کام تیرے ہی کام سے
ترے ذکر سے تری فکر سے تری یاد سے ترے نام سے

ہمارے بعض مسلمان بھائی صرف ستائیس کی شب کو عبادت کے لیے مخصوص کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شب قدر صرف ستائیسویں رات ہے حالانکہ ستائیسویں کی شب کا کوئی تعین نہیں، نہ شب قدر اس کے ساتھ مختص ہے۔ اس لیے رضائے مولیٰ و حصول فضائل کے لیے رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں جاگنا اور ان کو ذکر و عبادت تلاوت قرآن و دعا وغیرہ میں بسر کرنا چاہیے۔

تراویح کی غلطیاں

ماہ رمضان کی راتوں میں نماز تراویح سنت ماثورہ ہے۔ عام مسجدوں میں بہت سے ناواقف امام اسے اتنی جلدی جلدی پڑھتے ہیں کہ نماز کے ارکان میں خلل پیدا ہو جاتا ہے مثلاً رکوع و سجدے میں اطمینان نہیں ہوتا اور قرأت میں حروف ادا نہیں ہوتے۔ اب تو فیشن بن گیا ہے اور حفاظ کرام میں دوڑ ہوتی ہے کہ کون کتنے دن میں قرآن ختم کرے گا۔ کوئی امام صاحب پانچ دن میں پورا قرآن ختم کر ڈالتے ہیں، کوئی دس دن میں، کوئی پندرہ دن میں جب کہ حدیث میں آتا ہے کہ رکوع و سجدے اطمینان و سکون سے ادا کیے جائیں اور قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے۔ جلدی جلدی قرآن پڑھنے سے شیطان عبادت کا اجر ضائع کرانے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے مصلیٰ پر واجب ہے کہ نماز کی ظاہری صورت یعنی قرأت، قیام، رکوع و سجدہ وغیرہ اطمینان سے کرے اور ساتھ ہی اس کی باطنی صورت یعنی خشوع، دل کی حضوری، کمال اخلاص اور قرأت و دعا پر غور و فکر کا پورا لحاظ رکھے۔

جمعة الوداع کی فضیلت اور قضاے عمری

عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ بعض مسلمان جو پورے سال عشر و کواۃ صدقہ و خیرات

ذکر و عبادت سے کوسوں دور رہتے ہیں اور پورے ماہ رمضان میں روزے نہیں رکھتے ہیں، وہ کم از کم جمعۃ الوداع کے دن ضرور روزہ رکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض مسلمان جو کبھی فرض نمازوں کی پابندی نہیں کرتے، وہ اس روز پانچوں وقت کی فرض نمازیں باجماعت پڑھتے نظر آئیں گے۔ اس اچانک اور یک روزہ تبدیلی کی وجہ جمعۃ الوداع کی مصنوعی اور خود ساختہ فضیلت کی تشہیر ہے۔

چنانچہ اس مسئلہ کے بابت غازی عزیر حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

”یہ حق ہے کہ ہفتہ کے تمام دنوں میں یوم الجمعہ کو خصوصی فضیلت و اہمیت حاصل ہے! جیسا کہ بیشتر احادیث میں وارد ہے۔ بعض جگہ اسے افضل الایام^۲ بعض جگہ سید الایام^۳ اور بعض جگہ خیر یوم طلعت علیہ الشمس^۴ وغیرہ کہا گیا ہے۔“ (ماہنامہ محدث بنارس، ۱۹۸۸ء)

ماہ رمضان میں جتنے ایام جمعہ پڑتے ہیں ان کی فضیلت دوسرے مہینوں میں پڑنے والے ایام جمعہ سے اس لحاظ سے تو برتر ہو سکتی ہے کہ ماہ صیام میں خود انتہائی بابرکت بلکہ

- ۱۔ زاد المعاد لامام ابن قیم الجوزیہ/۲۰، طبع مطبعة السنة المجدیة بمصر۔
- ۲۔ صحیح الجامع الصغیر و زیادتہ للالبانی/۲۷۴، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ للالبانی ۳/۳ کشف الخفا للعجلونی/۱۷۷، المعجم الکبیر، للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ۲/۱۶۵، سنن ابی داؤد، مع عون المعبود/۱۴۰۵، صحیح مسلم ۳/۶، المستدرک علی الصحیحین للحاکم/۲۵۴۲، مسند احمد/۲۵۷۔
- ۳۔ المعجم الکبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد للہیثمی ۲/۱۶۴۔
- ۴۔ فتح الباری/۸/۲۷۱، صحیح مسلم کتاب الجمعة، حدیث ۱۷-۱۸، سنن ابی داؤد مع عون المعبود/۱۴۰۴، جامع ترمذی مع تحفة الاحوذی/۱۳۵۳-۳۵۵، سنن نسائی مع تعلیقات السلفیہ/۱۶۲-۱۶۸، سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز، مسند احمد/۲۷۲، مسند طرابلسی، حدیث ۲۳-۳۱-۶۲، و صحیح ابن حبان بحوالہ زاد المعاد لابن قیم الجوزیہ/۲۰۔

حدیث کی زبان میں اول عشرہ سراپا رحمت دوسرا سراپا مغفرت اور آخری عشرہ سراپا نجات ہوتا ہے۔ پس اس ماہ مبارک میں پڑنے والے ایام جمعہ میں یوم الجمعہ کی اپنی اور ماہ رمضان کی اضافی فضیلتیں اور برکات یکجا ہو جاتی ہیں۔ مگر ماہ صیام میں پڑنے والے کسی ایک جمعہ کو دوسرے جمعہ پر فضیلت دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو فضیلت ماہ رمضان میں پڑنے والے جمعہ کو حاصل ہے وہی آخری جمعہ (جمعة الوداع) کو یکساں طور پر حاصل ہے۔

قضائے عمری کے اس تصور کی ابتدا کب کہاں اور کس طرح اور کس کے ہاتھوں میں ہوئی یہ قطعیت کے ساتھ کہنا تو مشکل ہے، لیکن اگر اسلام اور اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو نہ صرف عہد رسالت، عہد خلفائے راشدین، عہد صحابہ اور تابعین بلکہ اسلام کی اولین چھ صدیوں میں اس کا کہیں سراغ نہیں ملے گا، چنانچہ ان روایات کے قطعی طور پر باطل اور موضوع ہونے کا اعتراف خود مسلک حنفیہ کے بعض اکابر و اساطین نے بھی اپنی تصانیف میں کیا ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

اس سلسلہ کی پہلی روایت اس طرح ہے:

من صلی فی آخر الجمعة من رمضان الخمس الصلوات المفروضة فی الیوم واللیلۃ قضت عنه ما أخل به من صلاة سنة.

”جو کوئی رمضان کے آخری جمعہ میں شب و روز کی پانچوں فرض نمازیں پڑھ لے تو اس پر

سے سال بھر میں چھوٹی ہوئی تمام نمازیں معاف ہو جاتی ہیں۔“

نلامہ محمد شوکانی (۱۲۵۰م) مذکورہ بالا روایت کے متعلق الفوائد المجموعہ فی

الاحادیث الموضوعہ میں تحریر فرماتے ہیں:

”اس امر میں کوئی اشکال نہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔ احادیث موضوعہ پر

تصنیف کی جانے والی کتب میں سے مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں ملتا، لیکن ہمارے اس

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

عصر میں شہر صنعاء کے فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حدیث بہت شہرت یافتہ ہے۔ اور ان میں کثیر تعداد اس پر عمل پیرا بھی ہے مجھے علم نہیں کہ کس نے اس حدیث کو وضع کیا ہے، فقہ اللہ الکاذبین۔“ (الفوائد المجموعۃ للشوکانی، ص ۵۴۔ طبع مطبعة السنة المحمدية بمصر ۱۹۷۸ء)

اب اس سلسلہ کی دوسری حدیث اس طرح ہے:

من قضی صلاة من الفرائض فی آخر جمعة من شهر رمضان کان ذلك جابرا لكل صلاة فائتة فی عمره الی سبعین سنة.

”جو شخص ماہ رمضان کے آخری جمعہ میں کوئی فرض نماز پڑھ لے تو وہ اس کی عمر بھر میں ستر سال تک چھوٹی ہوئی نمازوں کو جوڑنے والی ہوگی۔“ (یعنی ان سب کے بدلے کافی ہوگی)

اس روایت کے متعلق علامہ نور الدین علی بن محمد سلطان الحنفی المعروف بالملا علی قاری، ”الاسرار المرفوعة فی اخبار الموضوعة“ المعروف بالموضوعات الكبرى میں تحریر فرماتے ہیں:

”یہ قطعی طور پر باطل ہے اور یہ اجماع کے قطعی منافی ہے کیونکہ عبادات میں سے کوئی عبادت ایسی نہیں ہے جو کئی سال کی عبادت کے قائم مقام ہو سکے۔ صاحب النہایہ یا مصنف شرح ہدایہ کا اس کا نقل کرنا معتبر نہ ہوگا، کیونکہ وہ محدثین میں سے نہیں ہیں اور نہ انھوں نے مخرجین میں سے کسی کی طرف اس حدیث کی سند و نسبت بیان کی ہے۔“

(الاسرار المرفوعة للقاری ص ۲۳۲، طبع دارالکتب العلمیة بیروت ۱۹۸۵ء)

علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی نے کشف الخفاء و مزیل الالباس عما اشتہر من الاحادیث علی السنة الناس (۲/۳۵۷) میں ملا علی قاری کی مذکورہ عبارت نقل کرتے ہوئے ان سے اتفاق ظاہر کیا ہے۔

علامہ محمد درویش حوت البیروٹی ”اسنی المطالب فی احادیث مختلفة

المراتب“ میں فرماتے ہیں: ”اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔“

(اسنی المطالب للحوت بیروتی، ص ۳۰۵، طبع دارالکتاب العربی ۱۹۸۳ء)
شاہ عبدالعزیز دہلوی اس روایت کو عقل و نقل اور قواعد شرعیہ کے خلاف قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”واضح رہے کہ حدیث کے موضوع اور راوی کے جھوٹے ہونے کی چند علامات ہیں۔ روایت عقل و شریعت کے مقتضی کے خلاف ہو اور قواعد شرعیہ اس کی تکذیب کرتے ہوں، جیسا کہ قضائے عمری یا اسی قسم کی اور باتیں الخ۔“

(العجالة النافعة للشیخ دہلوی بحوالہ الآثار المرفوعة، ص ۸۵)

مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

”ملا علی قاری نے اپنی موضوعات الصغریٰ والکبریٰ میں اسے قطعی باطل قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ملا علی قاری کی مندرجہ بالا مکمل عبارت نقل فرماتے ہیں۔“
پھر تھوڑا آگے چل کر مزید تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے اوراد و وظائف کی کتب میں مختلف، مختصر اور مطول الفاظ کے ساتھ پائی جانے والی اس حدیث کے وضع کیے جانے کے ثبوت میں دلائل عقلیہ و نقلیہ کو جمع کرتے ہوئے ایک مستقل رسالہ بعنوان ”ردع الاخوان عن محدثات آخر جمعه رمضان“ لکھا ہے جو لائق مراجعت ہے۔“ (الآثار المرفوعة للکھنوی ص ۸۵-۸۶)

محدث دوراں علامہ ناصر الدین البانی نے ملا علی قاری اور مولانا عبدالحی لکھنوی کی مندرجہ بالا تنقیدی عبارات کو نقل فرمانے کے بعد اس حدیث کو موضوع بلکہ باطل قرار دیا ہے۔ (صفة الصلاة النبوی ﷺ للالبانی، ص ۱۵)

پس ثابت ہوا کہ جمعۃ الوداع کے دن قضائے عمری کا افسانہ قطعی غلط اور بے بنیاد ہے۔ علماء حنفیہ کی بعض کتب میں اس کا تذکرہ امت کے لیے کسی طرح حجت نہیں بن سکتا، کیونکہ مشہور امر ہے کہ ہمارے فقہا احادیث کی پرکھ اور نقل اخبار میں انتہائی متساہل واقع

ہوئے ہیں۔ اسی باعث فقہ کی شاید کوئی بھی ایسی کتاب موجود نہ ہو جسے ضعیف اور موضوع احادیث سے پاک کہا جاسکے۔

اس تلخ حقیقت کا اعتراف خود مولانا عبدالحی لکھنوی نے فقہ حنفی کی کتب کے مراتب اور ان میں سے کن کتب پر اعتماد کیا جائے اور کن پر نہیں، بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا ہے:

”ہم نے مصنفات کی ترتیب کا جو ذکر کیا ہے تو وہ بحسب مسائل فقیہہ ہے بحسب احادیث نبویہ نہیں ہے، کیونکہ کتنی ایسی معتمد کتب ہیں جن پر ہمارے فقہاء نے اعتماد کیا ہے اور وہ احادیث موضوعہ سے پاک بھی ہوں۔ یہی حال فتاویٰ کا بھی ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں ہمیں وسعت نظر سے کام لینا چاہیے کیونکہ ان مصنفات کے تصنیف کنندگان ہو سکتا ہے (علم فقہ) میں کامل ہوں (حق یہ ہے کہ وہ) نقل اخبار میں متساہل تھے... الخ۔“

(النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير للعلامة لکھنوی، ص ۱۲۲-۱۲۳)

مکہ و مدینہ میں رمضان کی فضیلت

جن مقامات، ایام یا اعمال کی فضیلت احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتی ہے ان کی بابت عموماً غیر صحیح روایات کا بھی ذخیرہ ہوتا ہے اور بعض لوگوں کو اس وقت تک آسودگی نہیں ہوتی ہے جب تک گھڑنے والے ان کی بابت مزید فضائل پر مشتمل کچھ احادیث اپنی طرف سے بیان نہ کر دیں۔

مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی فضیلت میں کسی کلام کی گنجائش نہیں، لیکن ان کے سلسلے میں مروی مندرجہ ذیل روایات صحیح نہیں ہیں۔

(۱) من ادرك رمضان بمكة فصام وقام منه ما تيسر له كتب الله له

مائة الف شهر رمضان فيما سواها و كتب الله له بكل يوم عتق رقبة و كل

ليلة عتق رقبة و كل يوم حملان فرس في سبيل الله وفي كل يوم حسنة

وفی کل لیلۃ حسنة. (سنن ابن ماجہ کتاب المناسک باب صیام شہر رمضان بمکة ۱۰۴۱/۲، رقم الحدیث ۳۱۱۷)

”جس نے مکہ مکرمہ میں رمضان پایا اور روزہ رکھا اور قیام اللیل کیا جتنا اسے میسر ہوا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ مکہ مکرمہ کے سوا کسی دوسرے مقام میں ایک لاکھ ماہ رمضان کے صیام و قیام کا جو ثواب ہوتا ہے وہ لکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر دن ایک گزرنے آزاد کرنے کا ثواب اور ہر رات ایک گزرنے آزاد کرنے کا ثواب، ہر دن میں نیکی اور ہر رات میں نیکی لکھ دیتا ہے۔“

اس حدیث کو ابن ماجہ نے عن عبدالرحیم زید العمی عن ابیہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباس کے طریق سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

محدث دوراں شیخ البانی فرماتے ہیں:

”یہ حدیث موضوع ہے اور اس کا سبب اس حدیث کا راوی عبدالرحیم بن زید العمی ہے، اس کو یحییٰ بن معین نے کذاب خبیث اور نسائی نے لیس ثقة ولا مامون کہا ہے۔ ابن عباس نے کہا ہے کہ یہ شخص اپنے باپ کے حوالہ سے عجیب و غریب حدیثیں روایت کرتا ہے۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم نے ”کتاب العلل“ میں ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے اور عبدالرحیم بن زید متروک الحدیث ہے۔“

(ضعیفہ للالبانی حدیث ۸۳۲، بحوالہ ضعیف و موضوع روایات، ص ۷۹)

(۲) رمضان بالمدينة خیر من الف رمضان فیما سواها من البلدان
والجمعة بالمدينة خیر من الف جمعة فیما سواها من البلدان.

”مدینہ منورہ کا رمضان بہتر ہے اس کے سوا مقامات کے ایک ہزار رمضان سے اور مدینہ منورہ کا ایک جمعہ بہتر ہے اس کے سوا مقامات کے ہزار جمعہ سے۔“

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ حدیث باطل ہے اسے طبرانی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں عبداللہ بن کثیر بن جعفر ہے جو متکلم فیہ ہے۔“

امام ذہبی اس حدیث کو میزان الاعتدال میں ذکر کر کے فرماتے ہیں:

”پتہ نہیں ہے یہ (عبداللہ بن کثیر) کون شخص ہے اور یہ حدیث باطل ہے۔ اس کی اسناد تاریک ہے۔ اس حدیث کو اس شخص سے روایت کرنے میں عبداللہ بن ایوب الحزمی منفرد ہیں۔ اس حدیث کو ضیاء الدین مقدسی نے اپنی کتاب ”المختارۃ“ میں نقل کر کے اچھا نہیں کیا۔“

حافظ ابن حجر نے لسان المیزان میں بھی ذہبی کا یہ قول بطور تائید باقی رکھا ہے۔ اس حدیث کو سیوطی نے ”جامع الصغیر“ میں طبرانی اور ضیاء کے حوالے سے نقل کیا ہے جس پر مناوی نے تعاقب کیا ہے کہ اس حدیث کی سند میں عبداللہ بن کثیر ہے جو کہ ضعیف ہے۔

ابونعیم نے اخبار ”اصبہان“ میں اس کی ایک شاہد ذکر کی ہے مگر اس کی سند بھی بہت سقیم ہے اور ابن عساکر نے بھی اسے ذکر کیا ہے مگر اس کی سند میں کذاب اور واضح الحدیث راوی بھی ہیں۔ البتہ ابن عساکر والی روایت میں یہ ٹکڑا بھی ہے جو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صلاة في مسجدی کالف صلاة فيما سواه الا المسجد الحرام.

”میری مسجد (مسجد نبوی) کی ایک نماز مسجد حرام کو مستثنیٰ کر کے باقی مساجد کی ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔“ (یہ حدیث بخاری و مسلم متعدد کتب احادیث میں ہے)

مذکورہ روایات پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو: سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ، حدیث نمبر ۸۳۱۔



ماہ شوال کی بدعات

بعض مسلمان ماہ محرم اور ماہ صفر کی طرح ماہ شوال میں بھی شادی نہیں کرتے ہیں اور نہ خوشی مناتے ہیں۔ محض اس شبہ کی بنا پر کہ ماہ شوال میں شادی دو عیدوں کے درمیان پڑتی ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے دور جاہلیت کی اس رسم بد کو مٹانے کے لیے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ماہ شوال میں شادی کی اور رخصتی کرائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آپ کے ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہوں، اس لیے اگر شوال میں شادی رخصتی کی جائے تو فضیلت سے خالی نہیں۔ اسلام کی نظر میں کوئی دن، تاریخ، مہینہ اور ساعت منحوس نہیں، ایسا عقیدہ رکھنا خلاف شرع ہے۔ بعض لوگ نماز جمعہ سے فراغت کے بعد امام اور نماز میں شامل دوسرے حضرات سے سلام و مصافحہ کرتے ہیں اور بالخصوص نماز عیدین کے بعد تو عید کی مبارکبادی کا سلسلہ مصافحہ و معاقدہ سے شروع کرتے ہیں۔ یہ صریح بدعت ہے۔ احادیث کے ذخیرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا البتہ بوقت ملاقات سلام و مصافحہ کرنا احادیث سے ضرور ثابت ہے اور اس کی بڑی فضیلت قرآن و حدیث میں آئی ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبْرَكَةٌ

طَبِيبَةٌ (النور: ۶۱)

”پس جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے اہل و عیال اور اقرباء و دوست احباب کو سلام

کر لیا کرو یہ اللہ کی طرف سے بہترین اور بابرکت سلام (اور نسی خوشی سے رہنے کی دعا) ہے۔“
 ارشاد نبوی ﷺ ہے: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک بار مجھ سے فرمایا: اے انس کامل وضو کیا کرو اس کی برکت سے عمر میں اضافہ ہوگا اور میری امت کے جس شخص سے ملو اس کو سلام کرو، اس سے تمہاری نیکیاں بہت ہو جائیں گی اور جب اپنے گھر میں داخل ہو تو گھر والوں پر سلام کرو اس سے تمہارے گھر میں بڑی بھلائی ہوگی۔
 (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب افشاء السلام من الاسلام، ۱۰۳/۱)
 اور فرمایا: ”جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں تو علیحدہ ہونے سے پہلے ان دونوں کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

(سنن ابی داؤد، کتاب الأدب، باب ماجاء فی المصافحہ، ۳۵۴/۴)
 مذکورہ بالا احادیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مصافحہ و معانقہ کرنا ملاقات کے وقت ہے۔ عید گاہ میں نماز کے بعد خصوصی مصافحہ و معانقہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین سے اور نہ ائمہ اسلام سے۔ تمام فقہائے حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ نے اس کے مکروہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے:

یکرہ المصافحہ بعد الصلاة لكل حال لأن الصحابة ما صافحوا
 ولانها من سنن الروافض. (مجالس الابرار، ص ۲۱)
 ”نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے، اس لیے کہ صحابہ کرام نے نہیں کیا اور اس وجہ سے کہ یہ رافضیوں کی بدعت ہے۔“

شاہ محمد اسحاق دہلوی نے بھی نماز عیدین کے بعد مصافحہ و معانقہ کرنے کو بدعت لکھا ہے۔ (مانۃ مسائل، ص ۲۴)

مولانا کفایت اللہ دہلوی تحریر فرماتے ہیں: ”نماز جمعہ و عیدین کے بعد مصافحہ کرنا اور اس کو اس وقت کی خاص سنت سمجھنا مکروہ ہے۔“ (کفایت المفتی ۳/۲۳۸)

عید ملن

رہا مسئلہ عید مبارکباد و عید ملن کی مجلس رچانا تو عید گاہ میں ایک راستہ سے جانا اور راستہ بدل کر آنا سنت ہے۔ اگر راستے میں دوست، احباب اور رشتہ دار سے ملاقات ہو تو سلام و مصافحہ کر کے ان الفاظ میں مبارکباد پیش کریں۔ تقبل اللہ منا ومنک۔

یہ ہے عید ملن اور دینی اخوت و محبت کا اسلامی طریقہ اس کے علاوہ دور حاضر میں عید ملن کا جو چلن ہے وہ سنت کے خلاف ہے۔ اسی طرح افطار پارٹی جس میں مسلم و غیر مسلم روزہ دار و غیر روزہ دار سبھی کو دعوت دی جاتی ہے، وہ سنت کے خلاف ہے۔

فول ڈے

ساری دنیا میں لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے یکم اپریل کو فول ڈے منایا جاتا ہے جس کا اسلام سے ادنیٰ بھی تعلق نہیں، یہ صرف کافروں کی نقالی ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں نے بھی اسے اپنا لیا ہے، حالانکہ یہ گناہ کا کام ہے مسلمان جس عمل پر لعن طعن کرتے تھے بعد میں خود بھی اسی میں مبتلا ہو گئے اور ہر سال یکم اپریل کو جھوٹ بولنے کا موقع قرار دے دیا۔ اسلام صرف استثنائی صورتوں میں ہی غلط بیانی کی اجازت دیتا ہے۔ مسلمانوں کو صرف جنگ کے دوران غلط بیانی کی اجازت ہے، جو لوگوں کے درمیان مفاہمت کا سبب بن سکے یا جھوٹ صرف اس وقت بولا جاسکتا ہے جب میاں بیوی کے درمیان اتفاق و مفاہمت کرانا مقصود ہو۔

مسلمانوں کو فول ڈے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ صرف کافروں کی نقالی ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے غیروں کی نقالی سے منع فرمایا ہے۔



ماہ ذی الحجہ کی بدعات

قربانی کی فضیلت میں احادیث مرویہ

عید قربان کے مہینے میں قربانی کی فضیلت کے تعلق سے کئی ایک احادیث دینی تحریروں اور تقریروں میں پیش کی جاتی ہیں۔ ذیل میں ان میں سے چند احادیث کی استنادی حیثیت واضح کی جا رہی ہے۔

(۱) صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یا رسول اللہ! ما ہذہ الاضاحی؟ اے اللہ کے رسول! یہ قربانیاں جو کی جاتی ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: سنۃ ابیکم ابراہیم علیہ السلام۔ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ نے سوال کیا: فما لانا فیہا یا رسول اللہ؟ پھر ہم کو اس میں کیا ملے گا اے اللہ کے رسول! فرمایا ”بکل شعرة حسنة“ ہر بال کے عوض ایک نیکی، صحابہ نے کہا بھیڑ کی اون کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: بکل شعرة من الصوف حسنة، اون کے ہر بال کے عوض ایک نیکی ملے گی۔ (مشکوٰۃ)

اس حدیث کو احمد و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، نیز اسے بیہقی و حاکم وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے، مگر حافظ منذری الترغیب والترہیب میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

رواہ ابن ماجة والحاکم وغیرہما کلہم عن عائذ اللہ عن ابي داؤد

عن زید بن ارقم وقال الحاكم صحيح الاسناد بل واهية عائذ الله هو المجاشعي وابو داؤد هو نفيع بن الحارث الاعمي وكلاهما ساقط.

”منذری نے حاکم کے اس دعویٰ کو کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ یہ صحیح الاسناد نہیں بلکہ وہابی الاسناد ہے، اس کی سند میں عائذ اللہ المجاشعی و ابو داؤد نفيج بن الحارث الاعمی ہیں جو دونوں ساقط الاعتبار ہیں۔“

امام ذہبی نے بھی حاکم کے اس دعویٰ کو رد کر دیا ہے۔ عائذ اللہ کے بارے میں امام ذہبی نے ابو حاتم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہے اور ابو داؤد نفيج بن الحارث کی بابت امام ذہبی فرماتے ہیں: يضع. ”وہ احادیث گھڑتا ہے۔“

ابن حبان فرماتے ہیں: لا تجوز الرواية عنه. ”اس سے روایت لینا جائز ہی نہیں ہے۔“ (مرعاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح باب في الأضحية حديث نمبر ۲۳، والضعيفة للالباني، حديث نمبر ۵۲۷)

(۲) قربانی کی فضیلت میں یہ حدیث بھی بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما عمل ابن آدم من عمل يوم النحر احب الى الله من اوراق الدم... الخ. (الحديث)

”عمید قربان کے دن انسان کا سب سے محبوب عمل اللہ کے نزدیک قربانی کرنا ہے۔ قیامت کے دن وہ قربانی کیے ہوئے جانوروں کی سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور بیشک قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنا مقام پالیتا ہے، لہذا لوگو! خوشی خوشی قربانی کرو۔“

اس حدیث کو ترمذی وابن ماجہ و حاکم و بیہقی نے اور بغوی نے بھی شرح السنہ میں روایت کیا ہے اور ان سب کی روایت ابوالمشئی سلیمان بن یزید عن ہشام بن عروہ عن ابيہ

عن عائشہ کے طریق سے ہے۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور حاکم نے صحیح الاسناد کہا ہے، مگر امام ذہبی نے یہ کہہ کر اسے رد کر دیا ہے کہ ”قلت سلیمان واہ و بعضم ترکہ“ اور منذری نے حاکم کا رد کرتے ہوئے الترغیب والترہیب میں فرمایا: ”وواہ کلہم من طریق ابی المثنی و هو واہ وقد وثق“ اور بغوی نے کہا ”ضعفہ ابو حاتم جدا“ اور امام بخاری نے فرمایا ”وہو حدیث مرسل لم یسمع ابو المثنی من ہشام بن عروہ“ غرض یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور مرسل بھی۔

(مرعاة المفاتیح باب الاضحیۃ، حدیث ۱۸، والضعیفۃ للالبانی، حدیث ۵۲۶)

ابن العربی نے اپنی شرح ترمذی میں فرمایا ہے:

لیس فی فضل الاضحیۃ حدیث صحیح.

”قربانی کی فضیلت میں کوئی بھی حدیث صحیح مروی نہیں ہے۔“

ابن العربی کے اس قول کو نقل کرنے کے بعد صاحب مرعاة المفاتیح فرماتے ہیں:

قلت الامر کما قال ابن العربی واللہ تعالیٰ اعلم.

(مرعاة المفاتیح باب الاضحیۃ)

”صورت حال وہی ہے جو ابن العربی نے بیان فرمائی ہے۔“

لہذا آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بسند صحیح مروی ہے:

ما من ایام العمل الصالح احب الی اللہ فیہن من ہذہ الایام یعنی

عشر ذی الحجۃ قالوا ولا الجہاد فی سبیل اللہ؟ قال ولا الجہاد فی سبیل

اللہ الا رجلا خرج بنفسه وماله ثم لم یرجع من ذلک بشی. (بخاری)

”عشرہ ذی الحجہ میں نیک عمل اللہ کو سب دن سے زیادہ محبوب ہیں لوگوں نے کہا جہاد فی

سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں مگر یہ کہ کوئی راہ خدا میں جان و مال

لے کر گیا اور کچھ لے کر نہ لوٹا۔“

(۳) قربانی کی فضیلت میں یہ حدیث بھی مروی ہیں:

عظموا ضحایا کم فانھا علی الصراط مطایا کم.

”اپنے قربانی کے جانوروں کی عظمت کا خیال رکھو بے شک وہ پل صراط پر تمہاری

سواریاں ہوں گے۔“

ایک روایت میں ”عظمو“ کے بجائے ”استفرہوا“ ہے یعنی عمدہ جانوروں کی

قربانی کرو، لیکن یہ دونوں روایتیں غیر ثابت ہیں۔ پہلی روایت کی بابت علامہ ابن

الصلاح فرماتے ہیں:

هذا حدیث غیر معروف ولا ثابت. یہ حدیث محدثین کے نزدیک نہ معروف

ہے نہ ثابت ہے اور دوسری حدیث کی بابت شیخ البانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند

بہت ضعیف ہے۔ (الضعیفۃ للالبانی، ج ۱، حدیث نمبر ۷۴)

(۴) من ضحی طیبۃ بہانفسہ محتسباً لاضحیتہ کانت لہ حجابا من النار.

”جس نے خوش دلی سے رضاء الہی کی خاطر کارِ ثواب سمجھتے ہوئے قربانی کی اس کے لیے

قربانی جہنم سے اوٹ بن جائے گی۔“

یہ حدیث موضوع ہے، پیشمی نے مجمع الزوائد میں اسے طبرانی فی الکبیر کے حوالہ سے

ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں سلیمان بن عمرو نخعی ہے جو کذاب ہے اور ابن حبان

نے اس کے بارے میں فرمایا یہ بظاہر نیک آدمی تھا مگر جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

(الضعیفۃ للالبانی ج ۲، حدیث ۵۲۹، بحوالہ ضعیف و موضوع روایات، ص ۸۷)

قربانی کی فضیلت میں مروی احادیث جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، کلام سے خالی نہیں

ہیں مگر قربانی کی مشروعیت و اہمیت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ یہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ

اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ بعض کبار صحابہ کے علاوہ ائمہ اسلام میں سعید بن

مسیب، علقمہ، اسود، عطاء، شافعی، احمد، اسحاق، ابو ثور، ابن المنذر، ابو یوسف، محمد، داؤد

ظاہری، بخاری و ابن حزم و اکثر اہل علم رحمہم اللہ کے نزدیک قربانی سنت موکدہ ہے۔ امام احمد نے فرمایا: قدرت کے باوجود قربانی نہ کرنی مکروہ ہے۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ قربانی واجب ہے اور امام محمد اسے ایسی سنت قرار دیتے ہیں جس کو ترک کرنے کی رخصت نہیں ہے اور طحاوی بھی اسی کے قائل ہیں۔

امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں جو مقیم ہو اور نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو اس پر قربانی واجب ہے۔ امام مالک، اوزاعی، ربیعۃ الرائے اور لیث نے بھی صاحب قدرت پر واجب قرار دیا ہے، البتہ ان لوگوں نے مقیم کی شرط نہیں لگائی ہے۔

علامہ شوکانی بھی وجوب کے قائل ہیں وہ اپنی کتاب ”السیل الجرار“ میں وجوب قربانی کے دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وبهذا تعرف ان الحق ما قاله الاقلون من كونها واجبة ولكن هذا الوجوب مقيد بالسعة فمن لاسعة له لا اضحية عليه.

”ان دلائل سے معلوم ہوا کہ کم تعداد اہل علم نے جو کہا ہے کہ قربانی واجب ہے تو یہی حق ہے مگر قربانی بشرط گنجائش و قدرت واجب ہے پس جس شخص کو قربانی کرنے کی استطاعت نہ ہو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔“ (مرعاۃ)

حجر اسود اللہ کا ہاتھ ہے

حج کے موضوع پر لکھی جانے والی بعض کتابوں اور تحریروں میں حجر اسود کی فضیلت میں یہ حدیث ذکر کی جاتی ہے ”الحجر الاسود یمین اللہ فی الارض یصافح بها عباده“ حجر اسود زمین پر اللہ کا دایاں ہاتھ ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں سے مصافحہ کرتا ہے، مگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن بشیر کاہلی ہے جسے ابو بکر ابن ابی شیبہ و موسیٰ بن ہارون و ابو ذر عہ نے جھوٹا قرار دیا ہے اور ابن عدی و دار

قطنی نے کہا ہے کہ اس شخص کا شمار ان لوگوں میں ہے جو حدیثیں گھڑا کرتے ہیں۔
ابن الجوزی نے اس حدیث کی بابت فرمایا: ”حدیث لا یصح“ یہ حدیث صحیح نہیں
ہے اور ابن العربی نے کہا: ”ہذا حدیث باطل فلا یلتفت الیہ“ یہ حدیث باطل ہے
اور ناقابل التفات ہے۔

ابن فاعوس حنبلی نے اس حدیث کا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کی ہے تو شیخ البانی
فرماتے ہیں: جب یہ حدیث ثابت ہی نہیں ہے تو اس کا مفہوم بیان کرنے کی کیا ضرورت
ہے؟ تفسیر و تاویل کی ضرورت تو صحیح حدیثوں کے لیے ہوتی ہے، غیر ثابت روایتوں کے
لیے تو بس اس کے ضعف پر تنبیہ کر دینی کافی ہے۔ (الضعیفۃ، ج ۱، ص ۲۲۳)

حج اور زیارت قبر نبوی

مدینہ منورہ کا سفر اگر کوئی ثواب کی نیت سے کرتا ہے تو اسے چاہیے کہ مسجد نبوی میں
نماز پڑھنے کے ارادے سے مدینہ شریف کا سفر کرے اور وہاں جائے تو مستحب ہے کہ قبر
نبوی و مسجد قبا کی بھی زیارت کر لے، البتہ اسے یہ علم ہونا چاہیے کہ حج کا کوئی تعلق مدینہ
شریف کے سفر سے نہیں ہے اور یہ جو حدیث آئی ہے کہ من حج البیت ولم یرزنی
فقد جفانی۔ ”جس نے حج بیت اللہ کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔“ تو
معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ اسے حافظ ذہبی، صنعانی، زرکشی، ابن الجوزی
اور شوکانی سب نے موضوع قرار دیا ہے۔

اسی طرح یہ حدیث بھی موضوع ہے: ”من حج فزار قبری بعد موتی کان
کمن زار فی حیاتی“ جس نے حج کیا پھر (مدینہ شریف جا کر) میری قبر کی زیارت کی
میری موت کے بعد تو اس نے گویا میری زیارت کی میری زندگی میں۔“ زیارت قبر نبوی
سے متعلق یہ حدیث بھی موضوع ہے: من زارنی وزار ابی ابراہیم فی عام واحد

دخل الجنة. ”جس نے ایک سال کے اندر میری اور میرے باپ ابراہیم کی زیارت کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔“ یہ اور اس طرح کہ سب حدیثیں غیر ثابت ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

”زیارت قبر نبوی سے متعلق اس طرح کی سب حدیثیں ضعیف ہیں اور ان احادیث کو انھیں حضرات نے روایت کیا ہے جو ضعیف روایات نقل کرتے ہیں جیسے دارقطنی و بزار وغیرہ۔“ (الضعيفة، ج ۱، حدیث نمبر ۲۷۲۳۵)

حافظ عقیلی نے کہا: لا یصح فی هذا الباب شیء اس بارے میں کوئی بھی بات صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ نیز شیخ عبدالعزیز باز رحمۃ اللہ زیارت قبر نبوی سے متعلق ان مرویات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فهذه الاحادیث و اشباہها لم یثبت منها شیء عن النبی ﷺ.

”یہ اور اس موضوع کی اس جیسی دوسری حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہیں۔“

(التحقیق والایضاح لکثیر من مسائل الحج والعمرة والزیارة علی ضوء

الکتاب والسنة، ص ۱۱۷)

پیدل سفر حج کی فضیلت

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ پیدل حج کیا جائے تو حج کا ثواب زیادہ ملتا ہے اور ان کے اس خیال کی بنیاد درج ذیل حدیثیں ہیں:

(۱) طبرانی نے الکبیر (۳/۱۶۵) میں اور ضیاء مقدسی نے المختارۃ (۲/۲۰۴)

میں بطریق یحییٰ بن سلیم عن محمد بن مسلم الطائفی عن اسماعیل بن امیہ عن سعید بن جبیر حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان للحاج الراكب بكل خطوة تخطوها راحلته سبعین حسنة

والماشی بكل خطوة يخطوها سبع مائة حسنة.

”بے شک سواری پر سفر حج کرنے والے کو سواری کے ہر قدم کے عوض ستر نیکی ملتی ہے اور پیدل سفر حج کرنے والے کو ہر قدم کے عوض سات سو نیکی ملتی ہے۔“

مگر یہ حدیث ضعیف ہے۔ علامہ البانی فرماتے ہیں:

هو ضعيف لا تقوم به حجة. (حجة النبي للألبانی)

”یہ حدیث ضعیف ہے اور قابل حجت نہیں ہے۔“

اس کی سند میں یحییٰ بن سلیم اور محمد بن مسلم طاہری راوی ہیں جن کو امام احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، نیز اس کی سند میں اور متن میں اضطراب ہے۔

(الضعيفة للألبانی، حدیث نمبر ۳۹۶)

(۲) دوسری حدیث جسے طبرانی نے ’الاولیٰ‘ (۱۱۱/۱) میں محمد بن

المحسن العکاشی عن ابراہیم عن ابی الواحد بن قیس کے طریق سے مرفوعاً روایت کی ہے۔ فرمایا:

للماشی اجر سبعین حجة وللراكب ثلاثين حجة.

”پیدل سفر حج کرنے والے کو ستر حج کا ثواب ملتا ہے اور سواری پر حج کرنے والے کو تیس

حج کا ثواب ملتا ہے۔“

یہ حدیث موضوع ہے۔ اس کا راوی محمد بن محسن العکاشی جو حقیقت میں محمد بن اسحاق

بن ابراہیم ہے اور اپنے جد اعلیٰ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے، وضع الحدیث اور کذاب ہے۔ اسے یحییٰ بن معین اور ابو حاتم نے کذاب اور امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے اور

ابن حبان و دارقطنی نے اسے وضع حدیث قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے فرمایا:

شیخ يضع الحديث على الثقات لا يحل ذكره الا على سبيل القدر

فیہ۔ اور دارقطنی نے فرمایا: متروک يضع. (تہذیب التہذیب)

”یہ شخص ثقہ راویوں کے حوالہ سے گھڑتا تھا اس کا ذکر ہی جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس پر جرح مقصود ہو نیز یہ متروک واضح حدیث راوی ہے۔“

(۳) تیسری حدیث ہے: من حج من مكة ماشيا حتى يرجع الى مكة كتب الله له بكل خطوة سبع مائة كل حسنة مثل حسنات الحرم قيل وما حسنات الحرم؟ قال لكل حسنة مائة الف حسنة. (اخرجه الطبراني في الكبير (۱۶۹/۳) وفي الاوسط (۱۱۲/۱) والدولابي في الكنى (۱۳/۲) والحاكم (۲۶۱/۱) والبيهقي (۷۸/۱۰) من طريق عيسى بن سواده عن اسماعيل بن ابي خالد عن زاذان عن ابن عباس مرفوعا وقال الطبراني لم يروه عن اسماعيل الاعيسى.)

”جس نے مکہ سے پیدل جا کر حج کیا اور پیدل ہی مکہ واپس ہوا اس کے لیے ہر قدم کے عوض اللہ تعالیٰ سات سو نیکیاں لکھتا ہے جن میں سے ہر نیکی حسنت حرم کے برابر ہوتی ہے۔ دریافت کیا گیا: حسنت حرم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: حسنت حرم والی ہر نیکی ایک لاکھ کے برابر ہوتی ہے گویا مکہ سے پیدل جا کر حج کرنے والے کو سات کروڑ نیکیاں ملتی ہیں۔“

مگر یہ حدیث ضعیف ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس حدیث کا راوی عیسیٰ بن سوادہ بہت ضعیف ہے۔ اسے ابو حاتم اور امام بخاری نے منکر الحدیث اور یحییٰ بن معین نے کذاب کہا ہے اور امام بخاری جسے منکر الحدیث کہتے ہیں اس سے روایت لینی جائز نہیں ہے، اس کی ایک متابع ہے مگر اس کی حالت بھی سقیم ہے۔

(الضعيفة للالباني، حدیث نمبر ۳۹۵)

القصة مختصر پیدل سفر حج کی فضیلت کے ثبوت پر مشتمل یہ سب روایتیں ضعیف اور ناقابل احتجاج ہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ پیدل سفر حج کرنا افضل ہو، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے سواری پر سفر حج فرمایا۔ اگر پیدل سفر حج افضل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے لیے پیدل ہی سفر حج پسند فرماتا اور آپ اسی کو اختیار فرماتے مگر آپ ﷺ نے سواری پر حج کیا کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اور یقیناً رسول اللہ ﷺ کا اختیار فرمایا ہوا طریقہ ہی افضل و بہتر ہے۔ اسی بنا پر جمہور علماء کے نزدیک سواری پر سفر حج کرنا افضل ہے۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

قال مالک و شافعی و جمہور العلماء الركوب افضل اقتداء النبي ﷺ ولانه اعون له على وظائف مناسكه لانه اكثر نفقة وقال داؤد ما شينا افضل المشقة وهذا فاسد لان المشقة ليست مطلوبة. (نووی شرح مسلم باب حجة النبي ۱/۳۹۵، طبع ہند بحوالہ ضعیف و موضوع روایات، ص ۹۵)

”امام مالک و شافعی و جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ سواری پر حج کرنا رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں افضل ہے اور اس لیے بھی کہ سواری ادائیگی حج میں معاون ہوتی ہے۔ نیز اس سے راہ خدا میں زیادہ خرچ کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ اور داؤد ظاہری نے کہا ہے کہ پیدل سفر حج افضل ہے کیونکہ پیدل سفر کرنے میں تکلیف و مشقت زیادہ برداشت کرنی پڑتی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں یہ نظریہ فاسد ہے کیونکہ مشقت (عند اللہ) کوئی مطلوب شے نہیں ہے۔“

ہر حج اکبر ہے

عوام میں مشہور ہے کہ جس سال وقوف عرفہ (عرفہ میں ٹھہرنا) جمعہ کے دن واقع ہو صرف وہی حج اکبر ہے۔ قرآن و حدیث اور مفسرین کے اقوال کی روشنی میں اس کی کچھ اصلیت نہیں ہے۔

ہاں ایک ضعیف روایت میں جمعہ کے دن کے حج کی فضیلت آئی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

افضل الايام يوم عرفة واذا وافق يوم جمعة فهو افضل من سبعين حجة في غير يوم جمعة. (مجمع الزوائد ۱/۱۶۵)

”طلحہ بن عبید اللہ بن کرز (تابعی) مرسل روایت کرتے ہیں کہ عرفہ کا دن سب دنوں سے افضل ہے اور جب عرفہ ۹ رزی الحج، جمعہ کے دن پڑے تو اس دن کا حج سترج سے ثواب میں بڑھ کر ہوتا ہے۔“

اس روایت میں جمعہ والے دن کے حج کی فضیلت ہی آئی ہے مگر یہ نہیں بتلایا گیا کہ اس کو حج اکبر کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت مرسل ہے چنانچہ اس کا ذکر اثناء روایت ہی میں موجود ہے اور مرسل کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس راوی نے اس حدیث کو نہ تو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے اور نہ اس کو آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہے، اس لیے یہ حدیث ضعیف و ناقابل احتجاج ہے۔

اس سلسلہ میں ایک حدیث بایں الفاظ یوں مذکور ہے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جہروں کے درمیان قربانی کے دن یعنی دسویں تاریخ کو ٹھہر گئے اور فرمایا: یہ کون سا دن ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یوم النحر۔ قربانی کا دن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔
الحاصل جمعہ کے دن کے حج کو حج اکبر کہنا درست نہیں ہے۔

محقق دوران حافظ صلاح الدین یوسف فرماتے ہیں: (حاشیہ تفسیر احسن البیان ۲/۲۳۳)
صحیح بخاری و صحیح مسلم اور دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر ذی الحجہ کا دن ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث ۴۶۵۵، صحیح مسلم رقم الحدیث ۹۸۲، ترمذی رقم الحدیث ۹۵۷)

اسی دن منیٰ میں اعلان برأت سنایا گیا۔ ۱۰ رزی الحج کو حج اکبر کا دن اس لیے کہا گیا ہے کہ اس دن حج کے سب سے زیادہ اور اہم مناسک ادا کیے جاتے ہیں اور عوام عمرے کو حج اصغر کہا کرتے تھے، اسی لیے عمرے سے ممتاز کرنے کے لیے حج کو حج اکبر کہا گیا۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ جو حج جمعہ والے دن آئے وہ حج اکبر ہے، یہ بے اصل بات ہے۔

مولانا محمد شفیع مفتی لکھتے ہیں:

”قرآنی اصطلاح میں ہر سال کا حج اکبر ہی ہے عوام میں جو مشہور ہو گیا کہ جس سال عرفہ بروز جمعہ واقع ہو صرف وہی حج حج اکبر ہے، اس کی اصلیت میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ اتفاقی طور پر جس سال رسول اللہ ﷺ کا حجۃ الوداع ہوا تھا اس میں عرفہ بروز جمعہ ہوا تھا۔ یہ اپنی جگہ فضیلت ضرور ہے، مگر اس آیت کریمہ:

وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ وَرَسُولُهُ. (توبہ: ۳) کے مفہوم سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“

(معارف القرآن ۳/۳۱۳-۳۲۵)

مولانا شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں:

”حج اکبر اس لیے کہا گیا ہے کہ عمرہ حج اصغر اور یوم حج، حج اکبر ہے۔ دسویں تاریخ عید الاضحیٰ کا دن یا نویں تاریخ عرفہ کا دن مراد ہے۔“ (تفسیر القرآن ۲/۱۳۵)

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں:

”حج اکبر کا لفظ حج اصغر کے مقابلے میں ہے۔ اہل عرب عمرے کو چھوٹا حج کہتے تھے، اس کے مقابلے میں جو ذی الحجہ کی مقررہ تاریخوں میں ہوتا ہے، حج اکبر کہلاتا ہے۔“

(ترجمہ قرآن مجید مع مختصر حواشی، ص ۳۹۷)



مسئلہ علم غیب

اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام علم فقط ذات الہی کے لیے خاص ہے، عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ انبیاء کرام کو کسی بھی چیز کا علم اس وقت حاصل نہیں ہوتا جب تک کہ ان پر وحی نازل نہ ہو جائے۔ انبیاء کے متعلق علم غیب کا عقیدہ رکھنا اعتراف عظمت نہیں، بلکہ انتہائی گمراہی اور ضلالت ہے۔ سیرت رسول اللہ ﷺ کے واقعات و حقائق کے روشن دلائل کے خلاف ہے اور نہ صرف یہ کتاب و سنت کی مخالفت ہے بلکہ یہ فقہ حنفی کے بھی خلاف ہے۔

بریلوی حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء کو ہر اس واقعہ کا علم ہے جو ہو چکا ہے یا ہونے والا ہے۔ ان کی نظر سے کوئی چیز مخفی نہیں، سارا عالم ان کی نظر کے سامنے ہے، وہ دلوں کے حالات جاننے والے، ہر راز سے باخبر اور تمام مخلوقات سے واقف ہیں۔ انھیں قیامت کا علم ہے اور آنے والے دن کے حالات کی اطلاع ہے، مادر رحم میں جو کچھ ہے اس سے آشنا ہوتے ہیں۔ ہر حاضر غائب پر ان کی نظر ہوتی ہے، غرضیکہ دنیا میں جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ نگاہ اولیاء سے پوشیدہ نہیں ہے۔ بریلوی حضرات کتاب و سنت کے برعکس یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاء پیدائش کے وقت ہی عارف باللہ ہوتے ہیں اور علم غیب رکھتے ہیں۔ (مواعظ نعیمیہ لاحمد یار، ص ۱۹۲)

ایک معتقد ارشاد فرماتے ہیں: ”نبی ﷺ سے عالم کی کوئی شے پردہ میں نہیں، یہ روح عرش اور اس کی بلندی و پستی دنیا و آخرت جنت و دوزخ سب پر مطلع ہے، کیونکہ یہ سب

اسی ذات جمع کمالات کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔“

مزید لکھتے ہیں: ”جناب رسالت مآب ﷺ کا علم تمام معلومات غیبیہ و لدنیہ پر محیط

ہے۔“ (الکلمة العليا لاعلاء علم المصطفى نعيم الدين مراد آبادی، ص ۱۴)

امام بریلویت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذات پر جھوٹ باندھتے ہوئے فرماتے ہیں: ”صحابہ کرام یقین کے ساتھ حکم لگاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم

ہے۔“ (خالص الاعتقاد، ص ۲۸)

اب سنئے قرآنی آیات، جن سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، اس کی مخلوق کا کوئی فرد بھی اللہ تعالیٰ کی اس صفت میں شریک اور ساجھی نہیں ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ (النمل: ۶۵)

”آپ کہہ دیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی اللہ کے سوا کسی کو غیب کا علم

نہیں ہے۔“

اور فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ

(الفاطر: ۳۸)

”بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے وہ تو سینوں تک کی باتیں جانتا ہے۔“

اور فرمایا: إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ

(الحجرات: ۱۸)

”یقیناً اللہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور اللہ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأُمُورُ كُلُّهُ (هود: ۱۲۳)

”اور اللہ ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کا غیب اور ہر معاملہ کو اسی کی طرف پلٹنا ہے۔“

اور اپنے نبی کو حکم فرمایا:

إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنتَظِرِينَ ۝ (یونس: ۲۰)

”غیب کا تعلق اللہ ہی سے ہے اچھا انتظار کرو کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔“

وَعِنْدَهُ مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ (انعام: ۵۹)

”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کی اس کے سوا کسی کو خبر نہیں اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے۔ جو پتا بھی گرتا ہے اسے اس کی خبر ہتی ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی بھی دانہ اور کوئی تر اور خشک چیز ایسی نہیں جو ایک واضح کتاب میں موجود نہ ہو۔“

غیوبِ خمسہ کا علم

قرآن مجید کی صریح مخالفت کرتے ہوئے بریلویت کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کو ان پانچ مخفی امور کا بھی علم تھا، جو قرآنی آیت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ (لقمان: ۳۳)

”بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہی پانی برساتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہوتا ہے، کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کیا کمائی کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس زمین میں وہ مرے گا اللہ جاننے والا باخبر ہے۔“

قیامت کب اور کس وقت آئے گی اللہ ہی جانتا ہے۔ علامات قیامت بتادی گئیں، مگر

وقوع قیامت کا لمحہ صرف اللہ کو معلوم ہے۔ کرہ ارض پر بارش کب ہوگی کتنی اور کہاں ہوگی، یہ علم بھی اللہ ہی کو ہے، نہ نبی جانتا ہے، نہ ولی، نہ علماء اور نہ سائنسداں، محکمہ موسمیات ہوائی پیشین گوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ کہتے کچھ ہیں ہوتا کچھ ہے۔ یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے اور یہ بھی کوئی نہیں جانتا، کہ موت کہاں اور کب آئے گی اور کس عنوان سے آئے گی اور کس مقام پر آئے گی۔ ستاروں پر کنڈیں ڈالنے والے چاند کی تسخیر کا دعویٰ کرنے والے سائنس داں اور فلاسفر بھی موت کا علاج کیا تلاش کرتے، موت کا وقت بھی معلوم نہ کر سکے۔

صدیوں فلاسفہ کی چناں اور چنیں رہی

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

قرآن مجید نے ان نظریاتی گمراہیوں کا سدباب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اللہ ہی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں۔ چابی نہیں چابیاں ہیں، مفتاح نہیں مفتاح ہیں، تاکہ کوئی عجمی فنکار یہ نہ کہہ سکے کہ بڑی چابی تو اللہ کے پاس ہے، مگر چھوٹی چابیاں اللہ کے پیاروں کے پاس ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ جو کچھ صحراؤں میں ہے، دریاؤں میں ہے، خشکی میں ہے، تریں ہے، بر میں ہے، بحر میں ہے اور کرہ ارض پر ہے۔ درختوں سے جھڑنے والا کوئی پتتا ایسا نہیں جو اللہ کے علم میں نہ ہو۔ دھرتی کے سینے سے اگنے والا کوئی دانہ ایسا نہیں جو اس کے علم سے باہر ہو۔ دنیا میں جو کچھ بھی ہے، اس کتاب مبین میں اس کا علم موجود ہے۔ گردش لیل و نہار اور سلسلہ خزاں و بہار زندگی کے ہنگاموں اور موت کے سناٹے پر صرف اسی مختار کل کا تصرف ہے اور وہ کون ہے، صرف اللہ ہی ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کو علام الغیوب کہا وہ وحی کا منکر ہو گیا، جس نے پیغمبر کی بشریت و انسانیت کا انکار کیا وہ رسالت کا منکر ہو گیا، جس نے پیغمبر کو ہر جگہ ہر وقت موجود مانا (جیسے کہ اللہ ہے) وہ معراج کا منکر ہو گیا اور جس نے پیغمبر اقدس کو مختار کل مانا، وہ شفاعت کا منکر ہو گیا۔

پہلی وضاحت

وحی اللہ کی طرف سے پیغمبر کی طرف آفاقی علوم کی آمد کا ذریعہ ہے اور بتایا اسی کو جاتا ہے جو پہلے نہ جانتا ہو، قرآن مجید نے وضاحت کر دی:

مَا كُنْتُ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَالْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا.

ہم نے آپ کو وہ باتیں بتائیں جنہیں آپ نہیں جانتے تھے۔ ایمان و کتاب کو نور (روشنی) بنا کر ہم نے آپ کے قلب میں اتارا۔ اب اگر کوئی کہے کہ نبی ﷺ کو اطلاع کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ عالم ماکان و مایکون ہے اور عالم الغیب ہے تو وحی کا انکار ہوا یا نہیں؟

دوسری وضاحت

مخلوق تین قسم کی ہیں: نوری، ناری اور خاکی۔ نوریوں میں کوئی نبی یا رسول نہیں نوری تو انبیاء و رسل کے رضا کار اور خدام ہیں، ناریوں میں سے کسی کو نبوت و رسالت ہرگز نہیں ملی۔ از آدم تا رحمة العالمین ﷺ جتنے بھی انبیاء و رسل آئے، سب خاکی مخلوق میں سے تھے یعنی اولاد آدم میں سے تھے۔ اب اگر کوئی نبی ﷺ کی بے داغ بشریت و انسانیت کا انکار کرتا ہے تو گویا اس نے رسالت کا انکار کیا، کیونکہ کوئی غیر بشر نبی یا رسول بنایا ہی نہیں گیا۔

تیسری وضاحت

آنحضرت ﷺ مکہ میں ام ہانی کے یہاں آرام فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آپ کو عرش پر بلایا۔ جو پہلے فرش پر تھے وہ بجم اللہ عرش پر پہنچے، جہاں نوریوں کے سردار کے پر جلتے ہیں، وہاں انسانوں کے سردار نے قدم رکھے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ وہ تو ہر وقت ہر جگہ موجود تھے، ہیں اور رہیں گے تو معراج کا انکار ہو گیا جو ہر جگہ موجود ہوا اس کا آنا کیا اور جانا کیا؟

چوتھی وضاحت

اگر کوئی یہ کہے کہ حضور ﷺ مختار کل ہیں (جیسا کہ اللہ کی ذات ہے) تو شفاعت کا انکار ہو گیا، کیونکہ جس کے پاس سب کچھ ہو وہ کیوں مانگے گا، حالانکہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ عساری اور رقت سے معمور سجدہ فرمائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: سر اٹھاؤ تم مانگو میں عطا کروں۔ آپ ﷺ مانگنے والے ہیں، اللہ داتا ہے۔ مانگی وہ چیز جاتی ہے جو اپنے پاس نہ ہو اور جو چیز اپنے پاس موجود ہو اسے مانگا نہیں جاتا۔ اللہ کی اجازت کے بغیر تو شفاعت کا مجاز بھی کوئی نہ ہوگا۔

لِمَنْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. (المومن: ۱۶) کی صدائے جبروت گونج رہی ہوگی، لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ كَالْعَالَمِ هُوَ كَمَا فِي رَحْمَةِ لِلْعَالَمِينَ ﷺ شفاعت کا تاج پہن کر آئیں گے وہ اللہ سے التجا کریں گے اور اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، لیکن اگر کوئی یہ کہے:

حضور ﷺ تو مختار کل ہیں تو فرمائیے شفاعت کا کیا مفہوم ہوگا؟

اسی طرح کی بہت سی آیات قرآنیہ ہیں اور حضور ﷺ نے اپنے فرمان میں واضح کر دیا ہے کہ یہ نبی امور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہیں۔ چنانچہ مشہور حدیث جبرئیل علیہ السلام اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے قیامت کے متعلق دریافت فرمایا تو آپ نے جواب دیا: ”مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَ سَأَخْبِرُكَ عَنْ أَسْرَاطِهَا وَإِذَا وُلِدَتِ الْأُمَّةُ رَبَهَا الْخ“ پھر آپ نے یہ تلاوت فرمائی:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ. (لقمان: ۳۳)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: غیب کی چابیاں پانچ ہیں۔ اللہ کے علاوہ ان کو کوئی نہیں جانتا۔

(۱) ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ (۲) آنے والے کل کے واقعات؟ (۳) بارش کب ہوگی؟ (۴) موت کب اور کہاں آئے گی؟ (۵) قیامت کب قائم ہوگی؟
(صحیح بخاری کتاب التفسیر باب ان الله عنده علم الساعة ۸/۶۵۹، رقم الحدیث ۴۷۷۷، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان الایمان والاسلام والاحسان ۱/۱۸۰-۱۸۱، رقم الحدیث ۷۶۵)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے:

(۱) وقت قیامت (۲) نزول بارش (۳) رحم مادر میں کیا ہے؟ (۴) واقعات

مستقبل (۵) مقام موت۔ (مسند احمد، ابن کثیر، فتح الباری ۸/۶۶۰)

آیات قرآنیہ اور اس مفہوم کی بہت ساری احادیث کتب حدیث میں موجود ہیں، مگر بریلوی حضرات تعلیمات نبویہ کو پس پشت ڈالتے ہوئے بالکل اس کے برعکس عقیدہ رکھتے ہیں۔

احمد رضا خاں بریلوی غیوبِ خمسہ کے متعلق لکھتے ہیں:

”حضور ﷺ کو نہ صرف یہ کہ خود ان باتوں کا علم ہے بلکہ آپ جسے چاہیں عطا

کردیں۔“ (خالص الاعتقاد بریلوی، ص ۱۴)

ایک اور بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

”وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ“ سے مراد نبی ﷺ ہیں ہر چیز کو جانتے ہیں۔

(تسکین الخواطر کاظمی بریلوی، ص ۵۲-۵۳)

ملاحظہ فرمائیے، قرآن مجید کی تحریف کرتے ہوئے ان مدعیان علم و فضل کو ذرا سا بھی

خوفِ خدا محسوس نہیں ہوتا۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

غیوبِ خمسہ کا علم فقط نبی ﷺ تک محدود نہیں ہے، بلکہ آپ کی امت میں سے بہت

سے دوسرے افراد بھی اس صفت البیہ میں آپ کے شریک ہیں، چنانچہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی نقل کرتے ہیں:

”قیامت کب آئے گی؟ پانی کب اور کہاں اور کتنا برسے گا؟ مادہ کے پیٹ میں کیا ہے؟ فلاں کہاں مرے گا؟ کل کیا ہوگا؟ یہ پانچوں غیب جو آیات کریمہ میں مذکور ہیں، ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ ﷺ پر مخفی نہیں اور یہ چیزیں کیوں کر حضور ﷺ سے پوشیدہ ہو سکتی ہیں، حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے۔ غوث کا کیا کہنا، پھر ان کا کیا پوچھنا جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہاں کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شے انھیں سے ہے۔“ (خالص الاعتقاد، ص ۵۳-۵۴)۔ العیاذ باللہ.

ملاحظہ فرمائیے، حضور ﷺ عالم الغیب ہیں اور اس کی دلیل نہ قرآنی آیت نہ حدیث نبوی بلکہ دلیل اور حجت یہ ہے کہ اولیاء کرام کو غیب کا علم ہے اور چونکہ اولیاء غیب داں ہیں، اس لیے نبی کریم ﷺ بھی عالم غیب ہیں۔ یہ ہیں وہ منطقی دلائل جن پر ان کے عقائد کی تعمیر کھڑی ہے۔ وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعُنْكَبُوتِ ۝ (العنکبوت: ۴۱) ”اور یہ حقیقت ہے کہ سب گھروں سے کمزور کھڑی کا گھر ہی ہوتا ہے۔“

کس قدر دکھ افسوس کی بات ہے کہ اس قسم کی خرافات کی نشر و اشاعت کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے والے اپنے آپ پر علم و معرفت کا لیبل چسپاں کرنے میں ذرا سی بھی خفت محسوس نہیں کرتے، حالانکہ انبیاء و رسل کے واقعات و شواہد اس بات کی بین دلیل ہیں کہ انھیں غیب کا علم نہیں تھا۔ قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے کہ غیب کی کنجیاں صرف اللہ کے پاس ہیں۔ خزانے بھی اسی کے پاس ہیں، کوئی اس کا کچھ بھی شریک نہیں۔ قرآن کے کتنے مقامات پر اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ کہہ دیں میں نہیں جانتا، مجھے غیب کا علم نہیں۔ اگر رسول اللہ ﷺ کو غیب کا علم ہوتا تو آپ ہر حادثے کا پہلے سے مداوا کر لیتے مگر آپ کے ستر صحابہ کو دھوکے سے لے جا کر شہید کیا گیا۔ آپ

ﷺ کو اس حادثہ سے گہرا صدمہ پہنچا آپ دھوکہ دے کر شہید کرنے والے افراد و قبائل پر بددعائیں کرتے رہے۔ (اگر آپ ﷺ کو پہلے سے معلوم ہوتا تو یہ الزام آئے گا کہ آپ نے نعوذ باللہ قصد استرقاؤ کو شہید ہونے کے لیے بھیج دیا۔

غزوہ بنوالمصطلق ۵ھ سے واپسی کے موقع پر منافقین نے ابن اُبی کی قیادت میں طے شدہ منصوبہ کے تحت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خلاف سنگین الزام لگایا۔ رسول اللہ ﷺ نہایت ہی افسردہ اور کبیدہ خاطر ہو کر حجرہ عائشہ میں تشریف لائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے چہرے پر رنج و اندوہ کے نقوش دیکھے، اجازت لے کر اپنے والدین کے پاس چلی آئیں کہ معلوم کریں کیا معاملہ ہے؟ صدیق اکبر کی آنکھیں اشکبار تھیں اور والدہ محترمہ غم سے نڈھال تھیں، ام مسطح کی زبانی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو منافقین کے اس تازہ ترین حربے کا علم ہوا۔ شدت احساس میں بخار ہو گیا، مصلی اٹھایا گھر کے اس کونے کی طرف چل دیں، جہاں مکمل تنہائی تھی۔ ماں نے کہا بیٹی کدھر؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے زار و قطار روتے ہوئے عرض کیا: اللہ کی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے جا رہی ہوں۔ اب وہی اس کیس کا فیصلہ فرمائے گا۔ آخر کار آپ ﷺ مہینہ بھر پریشان رہے تحقیق کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آیات برأت نازل فرمائیں۔

اسی طرح حدیبیہ کے موقع پر شہادت عثمانؓ کی غلط خبر ملی۔ آپ ﷺ نے انقمام کے لیے بیعت لی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ زندہ ہیں۔ آپ ﷺ پر جادو ہوا۔ یہ بات آپ کو اس وقت معلوم ہوئی جب فرشتوں نے اطلاع دی۔ مختلف موقعوں پر دشمنوں کی جاسوسی کے لیے صحابہ کو روانہ فرمایا۔ یعنی آپ ﷺ دشمنوں کی نقل و حرکت اور منصوبوں کو جاننا چاہتے تھے، کیوں کہ آپ کو ان کا علم نہیں ہوتا تھا۔ کتنی مرتبہ ایسا ہوا کہ صحابہ سے پوچھا کس نے میرے پیچھے نماز میں جہراً قرأت کی؟ کس نے فلاں دعا پڑھی؟ کس نے چھینک آنے پر دوران صلوة الحمد للہ کہا؟ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے جوتے میں گندگی لگی ہوئی تھی، آپ

ﷺ کو علم نہیں تھا حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر بتایا تب آپ ﷺ نے دوران نماز جوئے اتار دیے۔ یہودیہ عورت نے کھانے میں زہر ملایا، آپ ﷺ کو علم نہیں تھا، آپ کے ساتھی صحابی نے کھالیا اور انتقال کر گئے، جب کہ آپ ﷺ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے خبر دے کر روک دیا۔ اگر آپ غیب داں ہوتے تو اپنے صحابی کو بھی کھانے سے باز رکھتے۔ کتاب و سنت اور سیرت کے بے شمار دلائل و واقعات ثابت کرتے ہیں کہ آپ عالم الغیب نہیں تھے اور صحابہ و تابعین نیز ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ کو جو عالم الغیب جانے وہ جھوٹا اور کافر ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کا یہ معاملہ ہے تو کسی اور شخصیت کا کیا مقام؟

انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ جو بتلایا بس وہ اتنا ہی جانتے تھے اور وحی آنے پر وہ باتیں امت کو بتلاتے تھے۔ جیسے جنت و جہنم حشر و میزان عمل، برزخ کے احوال وغیرہ وحی کی ان خبروں کو ماننا غیب پر ایمان کہلاتا ہے، یعنی وحی کے ذریعہ مومنین کو غیب کا علم ہوتا ہے جس پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ نے جو پیشین گوئیاں فرمائیں نیز کبھی کسی صاحب قبر کی حالت بتائی، کبھی کسی ایسے واقعہ کی اطلاع دی، جہاں آپ ﷺ موجود نہ تھے تو یہ سب کچھ وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جانب سے خبر ہوتی تھی۔ خود آپ نے کبھی غیب دانی کا دعویٰ یا اثبات نہیں فرمایا۔

انبیاء و اولیاء کی شان میں غلو سے کام لینا اور ان کے لیے وہ صفات اختیارات ثابت کرنا جو فقط رب کائنات کے ساتھ ہی مخصوص ہیں، ان کا احترام نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے صریح بغاوت ہے، کیونکہ آپ سے پہلے کی امتیں اور قومیں اپنے نبیوں اور بزرگوں کے بارے میں غلو کی وجہ سے گمراہ ہوئیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اور رسول اللہ ﷺ اپنی شفقت و رحمت کی وجہ سے یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ایسی چیز مشروع قرار دیں، جس سے امت محمدیہ بھی اپنے نبی کے بارے میں غلو کا شکار ہو اور ضلالت و گمراہی کے دلدل میں پھنسے۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے میں غلو سے روکا اور فرمایا:

لا تطرونی كما اطرت النصارى ابن مریم انما انا عبد فقولوا عبد الله ورسوله.
 (صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب واذکر فی الكتاب مریم ۶/۵۹۱، رقم الحدیث ۳۳۳۵)
 ”جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے بارے میں مبالغہ آرائی کی اس طرح تم لوگ میرے
 بارے میں مبالغہ آرائی نہ کرنا۔ میں صرف ایک بندہ ہوں اس واسطے مجھ کو اللہ کا بندہ اور اس کا
 رسول ہی کہنا۔“

خاص طور سے اپنی قبر پر عید اور جشن و عرس منانے سے آپ نے منع کیا۔ حضرت
 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تجعلوا بیوتکم قبورا ولا تجعلوا قبری عیدا وصلوا علیّ فان
 صلاتکم تبلغنی حیث کنتم. (ابوداؤد ۲/۵۳۳، رقم الحدیث ۲۰۲۲)

”اپنے گھروں کو تم قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو تم عید (جشن کا مقام) نہ بناؤ اور مجھ پر درود
 پڑھو اس لیے کہ تم چاہے جہاں ہو تمہارا درود مجھ تک پہنچایا جاتا ہے۔“

جب مدینہ منورہ میں ایک لڑکی نے ایک شعر پڑھا جس کا مفہوم تھا:

”ہمارے اندر ایسا نبی موجود ہے جو آنے والے کل کے واقعات کو جانتا ہے“ تو یہ سن
 کر آپ نے فوراً اسے ٹوکا اور اس شعر کو دوبارہ پڑھنے سے منع فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ ”لَا
 یَعْلَمُ مَا فِیْ عَدِیْ اِلَّا اللّٰهُ“ ہونے والے واقعات کی خبر اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کسی کو
 نہیں۔ (سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الغناء والدف ۱/۶۱۱، رقم الحدیث ۱۸۹۷)

قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے ان واضح بیانات کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ
 عقیدہ رکھے کہ تمام انبیاء کرام بلکہ تمام بزرگان دین بھی غیب جانتے ہیں تو آپ ہی فیصلہ
 فرمائیں کہ اس کا شریعت اسلامیہ سے کیا تعلق ہے؟

مسئلہ بشریت ﷺ

بریلوی حضرات کے بہت سے ایسے عقائد ہیں جن کا قرآن و حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے باوجود بھی یہ لوگ خود کو اہل سنت کہلانا پسند کرتے ہیں اور اس میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، چنانچہ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے نور کا حصہ ہیں۔ دراصل یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کو دائرہ انسانیت سے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں، اس لیے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تو لباس بشر میں نوزمن نور اللہ ہیں، حالانکہ انبیاء ہی تو وہ کامل اکمل انسان ہوتے ہیں جن سے انسانیت کے وقار کا معیار قائم ہوتا ہے۔ جنہیں انبیاء و رسل کی بے داغ بشریت سمجھ میں نہیں آتی، وہ دراصل خود بشر نہیں اور مقام بشر سے نا آشنا ہیں۔

وہ فریب خوردہ شاہیں چوپلا ہو کر گسوں میں

اسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسم شاہ بازی

بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ نبی کو بھائی کہنا بڑی سنگین گستاخی ہے، حالانکہ یہ قرآنی تعلیمات سے بے خبری کی دلیل ہے۔ قرآن کہتا ہے: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (العنکبوت: ۳۶)، وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (ہود: ۶۱) وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ (ہود: ۵۰)۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجاہم کا تکرار کرتے ہوئے فرمایا: مدین والوں کا شعیب بھائی، ثمود کا صالح بھائی اور عاد کا ہود بھائی، جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو قوم کا بھائی کہنا گستاخی نہیں، بلکہ اللہ نے سب سے پہلے یہ نسبت

پسند فرمائی ہے۔

بریلوی حضرات آپ ﷺ کو دائرہ انسانیت سے خارج کر کے نوری مخلوق میں داخل کر دیتے ہیں، یہ غیر عقلی اور غیر منطقی عقیدہ ہے اور عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ شریعت اسلامیہ سادہ اور عام فہم شریعت ہے، اس قسم کے ناقابل فہم اور خلاف عقل عقائد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

قرآنی آیات میں اس بات کی واضح تصریح موجود ہے کہ آپ ﷺ بشر تھے اور اسی طرح قرآن ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ کفار، سابقہ انبیاء و رسل کی رسالت پر جو اعتراضات کرتے تھے، ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر کو اپنی ترجمانی کے لیے منتخب فرمایا ہو اور اس کے سر پر تاج نبوت رکھ دیا ہو، اس کام کے لیے ضروری تھا کہ اللہ نوری مخلوق میں سے کسی فرشتے کو منتخب فرماتا، تو گویا انبیاء و رسل کی بشریت کو اللہ تعالیٰ نے کفار کی ہدایت میں مانع قرار دیا ہے۔

ثابت ہوا کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی بشر رسول نہیں ہو سکتا، کفار کا عقیدہ تھا، فرق صرف اتنا ہے کہ کفار کہتے تھے کہ بشریت رسالت کے منافی ہے۔ بہر حال اس حد تک دونوں شریک ہیں کہ بشریت و رسالت کا اجتماع ناممکن ہے۔ اب اس سلسلہ میں قرآن مجید کی آیات ملاحظہ فرمائیں:

پیغمبروں نے اپنی بشریت کا ثبوت دیتے ہوئے ان کی تردید کی:

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ

يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِۦ (ابراہیم: ۱۱)

”ان کے رسولوں نے ان سے کہا ہم واقعی ہیں تو بس تمہارے جیسے آدمی لیکن اللہ اپنے

بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔“

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخَسِرُونَ O (المومنون: ۳۳-۳۴)

”یہ تو بس تم ہی جیسا ایک بشر ہے جو کچھ تم کھاتے ہو وہی یہ بھی کھاتا ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتا ہے۔ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک بشر کی اطاعت کی تو یقیناً تم گھائے میں پڑ گئے۔“

اور اصحاب ایک نے بھی حضرت شعیب علیہ السلام کو اسی طرح کہا تھا:

وَمَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِنْ نُنْظُنْكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ O (شعراء: ۱۸۶)

”اور تو بس ہمارے ہی جیسا ایک آدمی ہے اور ہم تو تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ:

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُمُ إِلَهٌ وَاحِدٌ O (الکہف: ۱۱۰)

”کہہ دو میں تو محض تم ہی جیسا ایک بشر ہوں میرے پاس وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود بس اکیلا معبود ہے۔“

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ O

(آل عمران: ۱۶۴)

”بے شک اللہ نے اہل ایمان پر بڑا احسان کیا جب کہ ان میں خود ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا۔“

قرآن مجید واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بشر تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان احکام کو جو شان رسالت سے ظاہر ہوتے، ان افعال و اقوال سے جو بطور بشریت ثابت ہوتے، ہمیشہ نمایاں طور پر علیحدہ علیحدہ دکھانے کی سعی فرماتے تھے۔

ایک دفعہ فرمایا: میں بشر ہوں، میرے پاس تنازعات پیش ہوتے ہیں، کوئی شخص دوسرے فریق سے اپنی درخواست بہتر انداز میں پیش کرنے والا ہوتا ہے، جس سے گمان ہوتا ہے کہ وہ سچا ہے اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں۔ پس اگر کسی مسلمان کے

حصے میں اس فیصلہ کے بموجب کچھ ملتا ہو تو وہ سمجھ لے کہ یہ ایک آگ کا ٹکڑا ہے، اب خواہ لے خواہ چھوڑ دے۔ (صحیح بخاری کتاب المظالم باب انم من خاصم فی باطل ۵/

۱۳۵، رقم الحدیث ۲۳۵۸)

بریرہ لونڈی سے آپ ﷺ نے مغیث اس کے شوہر کی سفارش کی جس سے بوجہ آزادی (حریت) وہ علیحدہ ہو چکی تھی۔ بریرہ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ حکم دے رہے ہیں؟ فرمایا نہیں میں سفارش کرتا ہوں۔ وہ بولی مجھے مغیث کی حاجت نہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الطلاق باب شفاعۃ النبی فی زوج بریرۃ ۹/۵۱۰، رقم الحدیث ۵۲۸۳)

اہل مدینہ کھجور کا بور مادہ کھجور پر ڈالا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا: اس کی کیا ضرورت ہے۔ اہل مدینہ نے یہ عمل چھوڑ دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ پھل درختوں پر کم لگا۔ لوگوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی، فرمایا: دنیا کے کام تم مجھ سے بہتر جانتے ہو، جب میں کوئی کام دین کا بتایا کروں تو اس کی پیروی کیا کرو۔

اس مسئلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ بھی سن لیجئے:

رسول اللہ ﷺ بشر کے سوا کوئی دوسری مخلوق نہ تھے، اپنے کپڑے دھوتے، اپنی بکری کا دودھ دوہتے اور اپنا کام خود کرتے تھے۔

یہ ہیں قرآنی تعلیمات و ارشادات نبویہ۔ بریلوی حضرات انبیاء و رسل کی نبوت و رسالت کا انکار تو نہ کر سکے، مگر انھوں نے کفار و مشرکین کی تقلید میں ان کی بشریت سے انکار کر دیا، حالانکہ انسانیت کو رسالت کے قابل نہ سمجھنا انسانیت کی توہین ہے اور اس عقیدے کے بعد انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا تصور باطل ہو جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان ساری مخلوق سے افضل بھی ہو، پھر اس میں نبوت و رسالت کی صلاحیت بھی موجود نہ ہو، مگر بریلویت چونکہ ایسے متضاد اور خلاف فطرت عقائد کے مجموعے کا نام ہے، جنہیں سمجھنا عام انسان کے بس سے باہر ہے، اس لیے اس کے پیروکاروں کے ہاں

اس قسم کے عقائد اکثر ملیں گے۔

قرآن وحدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بشر تھے۔ رسول اللہ ﷺ دوسرے انسانوں کی طرح اپنے والد عبد اللہ بن عبد المطلب کے گھر پیدا ہوئے۔ اپنی والدہ آمنہ کے گود میں پلے، حلیمہ سعدیہ کا دودھ نوش فرمایا۔ ابوطالب کے گھر پر پرورش پائی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہؓ، زینبؓ اور حفصہؓ اور دوسری ازواج مطہرات سے شادی فرمائی۔ مکہ مکرمہ میں آپ نے جوانی کے ایام گزارے۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، جنگوں میں شرکت فرمائی۔ آپ کے یہاں ابراہیم، قاسم، زینب، رقیہ، اُمّ کلثوم اور فاطمہ کی ولادت ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، آپ کے سر تھے۔ ابوالعاص رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، آپ کے داماد تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور عباس رضی اللہ عنہ آپ کے چچا تھے۔ عبد المطلب آپ ﷺ کے دادا تھے۔ حضرت صفیہ اور اروی آپ کی پھوپھی تھیں اور دوسرے اعزہ واقارب تھے۔

ان ساری باتوں کے باوجود آپ ﷺ کی بشریت اور آپ ﷺ کے انسان ہونے سے انکار کس قدر عجیب اور کتنی غیر منطقی بات ہے۔ کیا مذہب اسلام اس قدر متضاد اور بعید از قیاس عقائد کا نام ہے؟ ان نظریات و عقائد کی طرف دعوت دے کر آپ غیر مسلموں کو کس طرح قائل کر سکیں گے؟ کیا یہ عقائد دین اسلام کی نشر و اشاعت میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ للہ کچھ تو غور کیجئے۔



وسیلہ

توحید کا اہم تقاضا استعانت باللہ ہے، لیکن استعانت کا مطلب صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ اللہ سے مانگا جائے، بلکہ یہ بھی اسی میں شامل ہے کہ کسی وسیلہ کے بغیر اس سے مانگا جائے۔ اس معاملہ میں مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ جادہٴ حق سے ہٹا ہوا ہے۔ اس میں کچھ مسلمان وہ ہیں، جو اللہ کے بجائے اولیاء اور بزرگان دین سے براہ راست مانگتے ہیں، کیونکہ ان کے متعلق ان کا خیال ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے زمین و آسمان پر حاکم و متصرف ہیں۔ یہ کھلا ہوا کفر و شرک ہے اور اس کی تردید کے لیے کسی دلیل و حجت کی ضرورت نہیں ہے اور ایسے لوگ دائرہٴ اسلام سے خارج ہیں۔

ایک بڑی تعداد ان مسلمانوں کی ہے جو مانگتے تو اللہ سے ہیں، لیکن نبی یا ولی کے وسیلے سے مانگتے ہیں، مثلاً یوں دعا کرتے ہیں:

”اے اللہ! تو اپنے محبوب ﷺ یا فلاں نبی یا ولی کے وسیلے سے ہماری دعا قبول فرما اور ان کے طفیل میں ہماری تکالیف دور کر دے یا فلاں حاجت پوری کر دے۔“

اور بعض لوگ اس طرح دعا کرتے ہیں:

”اے فلاں بزرگ یا ولی! آپ اللہ کے محبوب بندے ہیں، اللہ کے ہاں آپ کا مقام و مرتبہ بلند ہے۔ آپ اللہ سے ہمارے حق میں سفارش کر دیں تو ہماری مشکل حل ہو جائے، کیونکہ وہ آپ کی سنتا اور مانتا ہے۔“

دعا کے یہ سارے طریقے غیر شرعی ہیں۔ کسی کے وسیلہ سے دعا مانگنا تو اس لیے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو کسی وسیلے سے مانگنے کی تعلیم نہیں دی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں صاف ارشاد ہے:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾ (البقرة: ۱۸۶)

”جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں ان سے بالکل قریب ہوں۔ جب کوئی پکارتا ہے تو اس کی دعا قبول کرتا ہوں پس ان کو چاہیے کہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں تاکہ راہ راست پالیں۔“

مذکورہ بالا آیت میں کسی وسیلہ اور واسطہ کا ذکر نہیں ہے کہ اللہ کو کسی کے واسطے سے پکارو بلکہ محض یہ کہا گیا ہے کہ اسے پکارو، جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اسے براہ راست پکارو اگر بالواسطہ پکارنا مقصود ہوتا تو اس کی وضاحت آیت میں ضرور کر دی جاتی۔

قرآن مجید میں بہت سے انبیاء اور صلحاء کی دعائیں مذکور ہیں، مگر انھوں نے دنیا و آخرت سے متعلق ساری دعائیں براہ راست اللہ تعالیٰ سے مانگی ہیں۔ قرآن مجید کی یہی تعلیم ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارا جائے۔ مثلاً ایک جگہ فرمایا گیا:

فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴿۱۸﴾ (الجن: ۱۸)

”پس اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو۔“

علامہ شوکانی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ:

فلا تدع مع الله احدا من خلقه كائنا من كان.

(فتح القدیر ۵/ ۳۰۷، طبع مصر ۱۳۸۳ھ، ۱۹۴۶ء)

”اللہ کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے کسی کو نہ پکارو۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو۔“

وسیلہ سے دعا مانگنا سنت نبوی کے بھی خلاف ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کے

وسیلہ سے دعا نہیں مانگی حتیٰ کہ اپنے جدا جدا حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کا بھی وسیلہ اختیار نہیں کیا۔ جو کچھ مانگا اللہ تعالیٰ سے براہ راست مانگا۔ قرآن مجید میں متعدد دعائیں رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہیں، لیکن کسی ایک میں بھی وسیلہ کا ذکر نہیں۔ یہی طرز عمل آپ کے اصحاب کا تھا۔ اگر مخلوق کے وسیلے سے دعا مانگنے میں کوئی خیر ہوتا تو اس کے سب سے زیادہ مستحق رسول اللہ ﷺ تھے، لیکن کسی صحابی نے آپ کی زندگی میں اور نہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے وسیلے سے دعا مانگی ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

لم تكن الصحابة يفعلونه في الاستسقاء و نحوها لا في حياته ولا بعد مماته لا عند قبره ولا غير قبره ولا يعرف هذا في شئ من الادعية المشهورة بينهم. (التوسل والوسيلة، ص ۵۳)

”استسقاء وغیرہ میں صحابہ نے ایسا نہیں کیا۔ نہ آپ کی زندگی میں اور نہ وفات کے بعد، نہ قبر کے پاس اور نہ کسی اور جگہ۔ ان کے ہاں جتنی دعائیں مشہور ہیں کسی میں بھی اس قسم کی بات موجود نہیں ہے۔“

دعا کا وہ طریقہ جس میں اولیاء اور بزرگان دین کو اللہ کے یہاں سفارشی سمجھ کر ان کو وسیلہ بنایا جاتا ہے، سراسر ایک مشرکانہ طریقہ ہے۔ قرآن حکیم کی ایک سے زیادہ آیات میں ہے کہ مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کو صرف زمین و آسمانوں کا خالق نہیں مانتے تھے، بلکہ اسی کو پانی برسانے والا اور زندگی و موت کا اختیار رکھنے والا روزی رساں اور پناہ دہندہ بھی سمجھتے تھے۔ (یونس: ۳۱)

ان کا شرک صرف یہ تھا کہ انھوں نے بعض مخلوقات کو اپنا کارساز (ولی) بنا لیا تھا لیکن یہ کارسازی بھی براہ راست نہ تھی، یعنی ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ ان کے اولیاء براہ راست ان کی حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں، بلکہ وہ ان کو اللہ کے دربار میں اپنا کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

سفارشی مانتے تھے کہ وہ اللہ تک ان کی رسائی کر دیں گے۔ یعنی اللہ سے کہہ کر ان کی حاجت پوری کر دیں گے، جیسا کہ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ۝ (زمر: ۳)

”اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے علاوہ اور کار ساز بنا رکھے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اللہ تک ہماری رسائی کرادیں۔ بے شک اس چیز میں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں (قیامت کے روز) اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا۔ اللہ کسی ایسے شخص کو راہ ہدایت نہیں دکھاتا جو دروغ گو اور حد سے زیادہ منکر حق ہو۔“

اب تک جو گفتگو ہم نے کی ہے اس سے کسی کے وسیلہ سے دعا مانگنے کی مکمل طور پر نفی ہو جاتی ہے لیکن قائلین وسیلہ چونکہ اپنے نقطہ نظر کی تائید میں قرآن مجید اور احادیث سے دلیلیں لاتے ہیں۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان دلائل کی غلطی بھی ان پر واضح کر دی جائے۔ وسیلہ کے اثبات میں عام طور پر قرآن مجید کی درج ذیل آیات پیش کی جاتی ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ (المائدة: ۳۵)

”اے ایمان والو! اللہ کی نافرمانی سے بچو اور اس کا قرب ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔“

اس آیت سے وسیلہ کے حق میں استدلال کرنا بدترین تحریف معنوی ہے۔ لغت، تفاسیر، حدیث اور سیاق آیت کسی ایک سے بھی اس کی تائید نہیں ہوتی کہ آیت میں وسیلہ سے اشخاص کا ذریعہ تلاش کرنا مراد ہے۔

لغت میں وسیلہ کے ایک معنی قربت کے ہیں۔ توسل الیٰ بكذا ای تقرب (ابن قتیبہ غریب القرآن، ص ۱۳۳) یعنی میرے قریب ہوا۔ مفردات راغب (ص ۵۲۵) اور صحاح جوہری (۱۲۴/۵) میں بھی یہی معنی ہیں۔ لسان العرب (۷۲۴/۱۱) میں ہے:

الوسيلة المنزلة عند الملك الوسيلة الدرجة الوسيلة القريبة.

”وسیلہ بادشاہ کے ہاں منزلت درجہ اور قربت کا معنی میں آتا ہے۔“

قاموس (۶۳/۳)، اقرب الموارد (۱۳۵۲/۲) اور منجد (ص ۹۰۰) میں بھی

یہی معنی لکھے ہیں۔

وسیلہ کے دوسرے معنی ذریعہ تقرب ہیں۔ منجد میں ہے: والوسلة والوسيلة.

بمعنی ذریعہ تقرب۔ التعريفات للجرجاني (ص ۱۳۷) میں ہے: ”الوسيلة هي

ما يتقرب اليه الغير“ جو کسی تک جانے کا ذریعہ ہو۔ صحاح (ص ۴۳۷) میں ہے:

توسيل توسل نزدیکی جستن پھیری۔ مذکورہ لغوی معانی کے مطابق ابتغوا اليه

الوسيلة کے معنی ہوں گے: اللہ کی قربت تلاش کرو یا اللہ کے ہاں ذریعہ قربت ڈھونڈو۔

اس ذریعہ قربت سے مراد اعمال صالحہ ہیں۔ جوہری نے صحاح (۱۸۴۱/۵) میں لکھا

ہے: التوسيل و التوسل واحد يقال وسل فلان الى ربه وسيلة وتوسل اليه

بوسيلة اي تقرب اليه بعمل. توسيل اور توسل کے ایک ہی معنی ہیں: توسل فلان

الي ربه وسيله وتوسل اليه یعنی عمل کے ذریعہ فلاں نے اپنے مالک کا قرب حاصل

کیا۔ لسان العرب میں ہے:

وتوسل اليه بوسيلة اذا تقرب اليه بعمل. (لسان العرب، ۷۲۴/۱۱)

”عمل کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کیا۔“

قاموس میں ہے:

وسل الى الله توسيلا عمل عملا تقرب اليه كتوسل. (قاموس ۶۷/۳)

”ایسا عمل جس کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کر لیا۔“

تاج العروس میں بھی اسی طرح ہے:

وتوسل الی ربہ بوسیلة تقرب الیہ بعملہ . (تاج العروس ۱۵۴/۸)

”عمل کے ساتھ اس کا قرب حاصل کیا۔“

امام راغب مفردات میں فرماتے ہیں: (مصباح ۳۳۶/۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابتغوا الیہ الوسیلة. اللہ کی طرف وسیلہ کی حقیقت یہ ہے کہ علم و عبادت اور احکام شریعت پر عمل کیا جائے اور یہی قربت کے معنی ہیں۔ اس لغوی تشریح سے واضح ہو گیا کہ اللہ کی قربت کا ذریعہ اشخاص نہیں بلکہ اعمال نیک ہیں۔ مفسرین نے بھی وسیلہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔

ابن جریر فرماتے ہیں:

واطلبوا القربة الیہ بعمل بما یرضیہ والوسیلة هی الفعیلة من قول

القائل توسلت الی فلان بكذا ای تقرب الیہ منه قول عنترہ . (تفسیر طبری

۲۳۶/۵، مطبوعہ مصر ۱۳۸۸ھ)

ان الرجال لهم الیک وسیلة ان یاخذوک تکحلی وتخصی

”اللہ کے پسندیدہ عمل کے ذریعہ اس کا قرب حاصل کرو۔ یعنی میں نے اس کا قرب

حاصل کیا۔ عنترہ کہتا ہے: بے شک مردوں کو تیری حاجت ہے، جس سے وہ تیری طرف جھکتے

ہیں تو سرمہ اور مہندی لگا، یعنی وسیلہ قرب۔“

حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

قال ابن عباس ای القربة ای تقربوا الیہ اطاعته والعمل بما یرضیہ .

(مختصر تفسیر ابن کثیر بیروت ۵۱۳/۱)

”ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وسیلہ کے معنی قربت کے ہیں، یعنی اللہ کا قرب

تلاش کرو، اطاعت اور ان اعمال سے جو اس کو محبوب ہیں۔“

صاحب جلالین فرماتے ہیں:

وابتغوا الیہ الوسیلة ما یقربکم الیہ من طاعته وابتغوا الیہ الوسیلة.

(تفسیر جلالین، ص ۹۳، مطبوعہ مجیدی کانپور)

”اس کی اطاعت کرو جو تم کو اس کے قریب کر دے۔“

مذکورہ تفسیری اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ علمائے تفسیر نے کسی استثناء کے بغیر وسیلہ سے عبادات و اعمال صالحہ مراد لیے ہیں، نہ کہ اشخاص کا ذریعہ جیسا کہ وسیلہ کے قائلین کہتے ہیں۔ احادیث میں بھی وسیلہ کا یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ قائلین وسیلہ اپنے نقطہ نظر کے احقاق میں جن احادیث کو پیش کرتے ہیں وہ بے اصل ہیں، چنانچہ وہ روایتیں جن میں رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے (یعنی جن محمد جیسے الفاظ کے ساتھ) دعا کرتے ہیں جب کہ آپ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، سراسر جھوٹی روایتیں ہیں۔

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ کسی روایت میں بھی رسول ﷺ کے علاوہ کسی اور کو وسیلہ بنانے کا ذکر نہیں ملتا، خواہ وہ کوئی نبی ہو یا ولی۔ اس لیے کسی غائب یا مردہ شخص کے وسیلہ سے دعا کرنے کا جواز احادیث سے بھی ثابت نہیں ہوتا۔

بعض روایتوں میں زندہ اشخاص کے وسیلہ سے دعا کرنے کا ذکر ضرور ملتا ہے، جن میں دو روایتیں قابل ذکر ہیں۔ ایک روایت وہ ہے جو ایک نابینا صحابی سے متعلق ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ سے دعا کرنے کا ذکر ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے سنن (۱۹۷/۲) میں، حاکم نے مستدرک (۵۲۶/۱) میں اور ابن ماجہ نے اپنی سنن (ص ۱۰۰) میں، امام احمد نے مسند (۱۳۸/۴) میں بیان کیا ہے، لیکن یہ خبر واحد ہے اور اس کے متن میں بھی اضطراب ہے، اس لیے علماء احناف نے اسے قابل حجت نہیں مانا ہے۔ اس سلسلے میں امام بخاری نے کبیر میں جو روایت نقل کی ہے وہ صحیح ہے اور اس سے واقعہ کی صحیح نوعیت معلوم ہوتی

ہے۔ فرماتے ہیں:

قال شہاب حدثنا حماد بن سلمہ عن ابی جعفر حظمی عن عمارة بن خزيمة بن ثابت عن عثمان بن جنيف اتى اعمى' النبي ﷺ فقال ادعو الله تعالى ان يردّ بصرى قال او ادعك قال بل ادعو الله قال ثلاثا ثم قال توحى وصل ركعتين وقل اللهم انى اسئلك واتوجه اليك ففعل فرد بصره. (تاريخ كبير، ۲۰۹/۳)

”ایک نابینا رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، کہا: اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ میری بصارت لوٹا دے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں ترک دعا کے لیے کہوں گا۔ اس نے تین بار کہا کہ اللہ سے دعا کیجئے۔ فرمایا: وضو کر اور دو رکعت نماز ادا کر اور کہہ: اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کی بینائی واپس آ گئی۔“

دوسری روایت وہ ہے جس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے وسیلہ سے دعا کا ذکر ہے اور جسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں انس بن مالک سے اس طرح روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری ۱/۱۲۳، مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء)

جب قحط سالی ہوتی تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عباس بن عبدالمطلب کو دعا کے لیے کہتے اور فرماتے: اے اللہ! ہم تیرے پاس اپنے نبی ﷺ کو وسیلہ بناتے تھے اور تو ہم کو بارش عطا فرماتا تھا، اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ پس ہم کو بارش عطا فرما اور وہ بارش سے سیراب کر دیے جاتے۔

اس روایت سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ کہ کسی زندہ شخص کے وسیلہ سے جو بوقت دعا موجود ہو دعا کی جاسکتی ہے۔ اس میں صاحب وسیلہ کی وہی حیثیت ہے جو عام نمازوں میں امام کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ صلاۃ میں امام اس شخص کو بنایا جاتا ہے جو سب سے زیادہ عالم اور متقی ہو، اس لیے آفات (قحط وغیرہ) میں بھی دعا کے لیے اسی شخص کا انتخاب

کیا جائے گا جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

اس روایت سے کسی مردہ شخص کے وسیلہ سے دعا کا جواز ثابت نہیں ہوتا بلکہ تردید ہوتی ہے۔ اگر مردہ کے وسیلہ سے دعا جائز ہوتی تو حضرت عمر فاروق اور دوسرے صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے کیوں دعا کی؟

قبروں میں کسی کے زندہ یا مردہ ہونے کا سوال نہیں ہے بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا ان کے وسیلہ سے دعا کی جاسکتی ہے اور کیا وہ دعا کرنے والوں کی اللہ سے سفارش کرتے ہیں؟ ان دونوں باتوں کی تائید نہ تو قرآن مجید سے ہوتی ہے اور نہ ہی حدیث اور آثار صحابہ سے، اس لیے یہ بالکل غلط اور اسلام کے تصور کے سراسر منافی ہے۔ روایتوں سے جو بات ثابت ہے وہ بس یہ ہے کہ بندہ اپنے اعمال صالحہ کے وسیلہ سے اللہ سے دعا کر سکتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ کوئی نیکی دیکھو جو تم نے اللہ کے لیے کیا ہے، تو اس کے وسیلہ سے دعا کرو۔ ایک روایت میں ہے تمہیں کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی ہے بجز اس کے کہ اللہ کو اپنے صالح اعمال کے ساتھ پکارو۔ ایک روایت میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ اپنے اچھے اچھے اعمال سوچو اور ان کے ساتھ دعا کرو، شاید اللہ تعالیٰ تمہاری مصیبت رفع کر دے۔ (فتح الباری، ۷/۳۱۷)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دعا کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی مردہ اور زندہ کے وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ سے براہ راست مانگا جائے اور اگر دعا میں کسی شے کا وسیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے تو وہ خود صاحب دعا کے لیے اپنے نیک اعمال ہیں۔ اس کے علاوہ دعا کا ہر طریقہ غیر شرعی ہے، بلکہ میں یہ کہوں کہ مشرکانہ ہے تو زیادہ صحیح ہوگا۔

(ماخوذ از کتاب توحید کا قرآنی تصور مطبوعہ مجمع الجوٹ العلمیۃ الاسلامیہ نئی دہلی)



متفرق بدعات

تعویذ اور گنڈہ کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّيهِ أَوْ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ هَلْ يُمْسِكُهَا إِلَهُي أَلَمْ يَكُنْ لَهُ الْخَلْقُ كُلُّهُ أَوَّلَ مَلَأٍ سُبْحَانَ اللَّهِ عَنِ ظُلُمَاتِ مَا تُشْرِكُونَ (الزمر: ۳۸)

”کہو بھلا بتاؤ تو صحیح اگر اللہ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو کیا وہ اس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں۔“

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من تعلق تمیمة فلا اثم الله له ومن تعلق ودعة فلا ودع الله له.

(رواہ احمد والحاکم ۲۱۶/۳، وصححه وافقه الذہبی)

”جو تعویذ لٹکائے اللہ اس کی مراد نہ پوری فرمائے اور جو کوڑی لٹکائے اللہ اس کو سکون

وراحت نہ نصیب کرے۔“

ایک اور روایت میں ہے:

من تعلق تمیمة فقد اشرک. (رواہ احمد صحیح الجامع، ۶۲۷۰)

”جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الرقی والتمايم والتولة شرک. (رواہ احمد وصحیح ابی داؤد، ۳۲۸۸)

”یقیناً جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈہ شرک ہے۔“

ان نصوص سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ تعویذ، گنڈے، کوڑی اور گھونگے وغیرہ لٹکانا حرام ہے۔ یہ نصوص عام ہیں۔ ان کے عموم میں ہر طرح کی تعویذ گنڈے وغیرہ شامل ہیں، خواہ یہ قرآنی آیات اور اذکار مسنونہ پر مشتمل ہوں یا دوسرے کلمات، خواہ ان گروہوں میں قرآن پڑھ کر پھونکا گیا ہو یا غیر قرآن، اکثر سلف و تابعین اس سے منع فرماتے تھے۔ عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن حکیم، عبد اللہ بن عباس اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم اجماعاً اس سے منع کیا کرتے تھے۔ یہی صحیح اور بہتر ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تعویذ لٹکانے کی ممانعت فرمائی ہے۔ قرآن اور غیر قرآن کی کوئی تخصیص وارد نہیں، اگر قرآنی تعویذ لٹکانا جائز ہوتا تو آپ اس کی تخصیص ضرور فرماتے۔ جیسا کہ جھاڑ پھونک کے سلسلہ میں آپ نے تخصیص فرمادی ہے کہ قرآنی آیات اور ماثورہ دعائیں اور ان کلمات کے ذریعہ جو شرکیہ کلمات پر مشتمل نہ ہوں، جھاڑ پھونک جائز ہے، لیکن تعویذ گنڈے کے سلسلہ میں ایسی تخصیص وارد نہیں۔

قرآنی آیات پر مشتمل تعویذ لٹکانے کی صورت میں قرآن کی توہین و تحقیر ہوتی ہے۔ عام طور سے لوگ طہارت اور وضو کے بغیر رہتے ہیں اور قرآنی تعویذ کے بہانے غیر قرآنی تعویذ کا دروازہ کھلتا ہے۔ جیسا کہ آج کل عام ہے اور سد ذرائع کا بھی تقاضا ہے کہ یہ چیز جائز نہ ہو، کیونکہ اس کے ذریعہ عقیدہ میں فتور اور غیر اللہ کی طرف دل کے میلان اور غیر اللہ پر اعتماد و توکل کا دروازہ کھلتا ہے اور خاص کر دور حاضر میں۔ (اعلام السنۃ، ص ۱۵۷)

بعض اذواج مطہرات سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اتى عرفاً فسأله عن شئى لم تقبل له صلاة أربعين يوماً.

(صحیح مسلم کتاب السلام باب تحریم الکھانۃ ۷/۴۸۴، رقم الحدیث ۱۲۵)

”جو کسی عرف کے پاس جائے اور اس سے کسی چیز کے متعلق سوال کرے، اس کی

چالیس دن کی نماز قبول نہیں ہوگی۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اتى عرافاً أو كاهناً فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل على

محمد ﷺ. (رواه احمد والبيهقي والحاكم، صحيح الجامع ۵۸۱۵)

”جو کسی عراف یا کاهن کے پاس جائے اور اس کی کہی ہوئی باتوں کی تصدیق کرے تو

یقیناً اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ شریعت کا انکار کیا۔“

عراف اس شخص کو کہتے ہیں جو گم شدہ اشیاء وغیرہ کی خبر دینے کا مدعی ہو کہ وہ اپنے فن

اور علم کے ذریعہ گمشدہ اور مسروقہ مال کی خبر دے سکتا ہے اور اسی طرح نجومی کو بھی عراف

کہا جاتا ہے اور مال پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

کاهن اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب اور مستقبل میں پیش آنے والی چیزوں اور مانی

الضمیر باتوں کو بتلانے کا مدعی ہو۔ اس کو نجومی اور جوتشی بھی کہتے ہیں۔

ان نصوص کتاب و سنت سے یہ حقیقت ہمارے سامنے واضح ہو جاتی ہے کہ جادو،

کہانت، جوتشی، شعبدہ بازی، فال گیری، ٹونے و ٹونکے، شگون اور مہورت سب کفریہ و

شرکیہ اعمال ہیں۔ لیکن افسوس بہت سے مسلمان ان شرکیہ و کفریہ اعمال میں مبتلا ہیں اور

بہت سے لوگ اسے فن ثقافت کے نام سے رائج کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

امت مسلمہ کو اس شر سے نجات بخشے اور توحید خالص پر قائم رہنے کی توفیق بخشے، آمین۔

تعویذ و گنڈے کے مفاسد

تعویذ و گنڈے وغیرہ کے ذریعہ انسان شرک جیسے عظیم ظلم کا ارتکاب کرتا ہے اور فکری

انحراف کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے ایمان کمزور پڑ جاتا ہے، اللہ پر توکل و اعتماد نام

کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی اور اللہ کی قدرت کاملہ کا تصور ختم ہو جاتا ہے۔ انسان کا سارا

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

اعتماد و تعویذ گنڈے اور دھاگے پر ہوتا ہے، اللہ کے بجائے اسی کو نافع اور ضار سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے ذریعہ شعبہ باز اور مکار حضرات لوگوں کے مال و عقیدہ پر ہاتھ صاف کرتے ہیں۔ اس طرح انسان مادی اور فکری دونوں اعتبار سے زوال پذیر ہوتا ہے اور دین و دنیا دونوں کو برباد کر دیتا ہے۔ انسان تعویذ کے چکر میں پھنس کر صحیح طریقہ علاج کو چھوڑ دیتا ہے، اس طرح جہالت کا شکار ہو کر دررٹھو کریں کھاتا پھرتا ہے اور اسلام کی بدنامی کا سبب بنتا ہے۔

تعویذ فر و شوں سے بچئے

گدی نشین کہتے ہیں کہ لڑکا لڑکی دینا ہمارے اختیار میں ہے۔ ہمارا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا۔ ایک پیر سے سادہ لوح مرید نے درخواست کی، حضرت میرے گھر میں بچہ کی امید ہے، ایسا تعویذ لکھ دیجیے کہ بیٹا پیدا ہو، آپ کو خوش کر دوں گا۔ وہ پیر بھی کوئی معمولی فنکار نہ تھا، کہنے لگا: خوش کر دوں گا کیا ہوتا ہے؟ پہلے خوش کرو، پھر ہم تمہیں خوش کریں گے۔ کچھ لے کر آؤ گے تو کچھ لے کر جاؤ گے، خالی ہاتھ آؤ گے تو خالی ہاتھ جاؤ گے۔ مرتا کیا نہ کرتا، بیچارہ ان پڑھ سادہ لوح مرید نے پیر صاحب کی خدمت میں منہ مانگا نذرانہ پیش کر کے تعویذ حاصل کیا اور جا کے بیوی کے گلے میں ڈال دیا۔ لڑکی پیدا ہوئی، غصہ میں بھرا ہوا وہ شخص تعویذ بیوی کے گلے سے نکال کر پیر صاحب کے پاس آیا اور دور سے کہا: یہ لو اپنا تعویذ، میرا نذرانہ واپس کرو۔ پوچھا: کیوں؟ اس نے کہا کہ لڑکی نے جنم لیا ہے۔ پیر صاحب نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم لڑکا لکھ دیں اور لڑکی پیدا ہو۔ اللہ کو تو وہی کرنا پڑتا ہے جو ہم لکھ دیتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

پیر صاحب نے تعویذ کھولا اس کی عبارت دیکھی تو کہنے لگا: اوہو یہ تو ذرا روحانی مغالطہ ہو گیا۔ تمہارے آنے سے پہلے میرا ایک مرید آیا تھا۔ اس نے لڑکی طلب کی تھی کہ اس کے لڑکے بہت ہیں تو میں نے اس کے خیال میں لکھ دیا لڑکا نہ لڑکی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

لڑکانہ لڑکی

تعویذ میں عبارت کچھ اس انداز میں درج تھی لڑکانہ لڑکی! اگر لڑکا پیدا ہوگا تو نہیں لڑکی کے ساتھ لگا دیا جائے۔ لڑکانہ لڑکی اور اگر لڑکی پیدا ہوگی تو نہ لڑکے کے ساتھ لگا دیا جائے گا۔ لڑکانہ لڑکی یہ سب شکم پروری کے ہتھکنڈے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذُّكُورَ (الشوری: ۴۹)

”اللہ ہی کے اختیار میں ہے جس کو چاہے بیٹیاں دے دے جسے چاہے بیٹے عطا کرے۔“

ساری کائنات کا نظام اللہ کے فضل و کرم سے چلتا ہے۔ افریقہ کے سیاہ فاموں، یورپ کے گوروں، جنگل کے درندوں پرندوں، چرندوں، دریاؤں سمندروں میں مچھلیوں، صحراؤں میں چیونٹیوں اور زمین میں بے شمار کیڑوں کو وہی سچے دیتا ہے، مگر عجم کا ابن آدم ہی وہ ترقی یافتہ جنس ہے کہ اس کو اولاد پیر صاحب کے تعویذ گنڈے کے بغیر نہیں ملتی۔

انا لله وانا اليه راجعون.

ہمارا سب کچھ آپ ہیں

ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمائیں۔ ایک جاہل عقیدت مند نے پیر صاحب سے کہا: حضرت میرا بکریوں کا ریوڑ ہر وقت خطرے میں رہتا ہے، بھیڑیا تنگ کرتا ہے۔ کبھی کبھار کوئی جانور اٹھا کر لے جاتا ہے۔ کوئی تعویذ دے دیجیے کہ بس بکریوں کے پاس بھیڑیا آہی نہ سکے۔ پیر صاحب کہنے لگے: ہاں ہاں! تعویذ تو میں دے دیتا ہوں مگر تم ایسا کرو کہ ایک مضبوط اور ہولناک قسم کا کتا بھی رکھ لو تا کہ اس کی موجودگی میں بھیڑیا ادھر کا رخ ہی نہ کر سکے۔ وہ جاہل مرید ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا۔ حضرت ہمارے لیے تو آپ ہی سب کچھ ہیں۔ ہمارے پیر بھی آپ ہیں، کتا بھی آپ ہیں، بس جو مرضی آئے کریں۔ سنا آپ

نے، جاہل کی محبت سے بھی اللہ بچائے، نہ اس کی دوستی اچھی نہ دشمنی اچھی، تو بھائی یہ سب عجمی فنکاروں کے حربے ہیں۔ سارا نظام اللہ کے تصرف میں ہے۔

صَدَقَ اللَّهُ الْعَظِيمَ

قراء حضرات یہ کلمہ ”صدق اللہ العظیم“ قرآن مجید کی تلاوت کے آخر میں کہتے ہیں باوجود اس کے کہ نہ تو یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے نہ صحابہ اور نہ ہی تابعین سے۔ یقیناً تلاوت قرآن مجید ایک عبادت ہے، جس میں کسی قسم کی کوئی بھی زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے تحت من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فہو رد۔

”جس شخص نے ہمارے اس دین اسلام میں کوئی نیا کام جاری کیا جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے جب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید سنا تو جب وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر پہنچے ”وَجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ شٰہِدًا“ تو فرمایا: ”حسبک“، ”صدق اللہ العظیم“ نہ خود کہا اور نہ ہی انھیں کہنے کا حکم دیا۔

ایک نقصان یہ بھی ہے کہ جاہل لوگ اور چھوٹے بچے یہ سمجھتے ہیں کہ شاید یہ بھی قرآن مجید کی آیت ہے، لہذا نماز اور نماز کے علاوہ جب بھی قرآن مجید پڑھتے ہیں تو آخر میں صدق اللہ العظیم کہتے ہیں اور یہ جائز نہیں، کیونکہ یہ کوئی قرآن مجید کا حصہ نہیں ہے۔ بعض لوگ تو قرآن مجید کے اندر سورتوں کے آخر میں یہ جملہ لکھ بھی دیتے ہیں۔

مفتی اعظم علامہ عبدالعزیز بن عبد اللہ بن باز سے جب اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انھوں نے صریح الفاظ میں اس کو بدعت قرار دیا۔

رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ”قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ اِبْرٰہِیْمَ حَنِیْفًا.“ تو یہ

جھوٹے یہودیوں کی تردید میں کہا گیا ہے۔ اس سے پہلے والی آیت ہی اس کی دلیل ہے:

فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ.

”جو شخص اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔“

اور رسول اللہ ﷺ کو بھی یہ آیت معلوم تھی لیکن باوجود اس کے آپ نے کبھی تلاوت کے بعد صدق اللہ العظیم نہیں کہا اور نہ ہی کبھی صحابہ کرام اور سلف صالحین نے، لہذا قرآن مجید کی تلاوت کے آخر میں صدق اللہ العظیم پڑھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ ۷۸۶ کا استعمال

بسم اللہ الرحمن الرحیم قرآن مجید کی ایک مستقل آیت ہے اور اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ کے علاوہ تمام سورتوں کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے فرمایا ہے۔ اس کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”ہر وہ کام جو اہمیت والا ہو اور بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے برکتوں سے خالی ہوتا ہے۔“ (رواہ ابن حبان بسند حسن)

خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے مراسلات میں بسم اللہ لکھوایا جیسا کہ صحیح بخاری کتاب بدء الحوجی میں آپ کا مراسلہ بنام ہرقل رومؓ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ مذکور ہے۔ بسم اللہ کی یہ اہمیت اس لیے ہے کہ یہ آیت کریمہ اللہ کی تعریف و توصیف اور اس کے ذکر و ثنا پر بڑے بلیغ و جامع انداز میں دلالت کرتی ہے۔

بسم اللہ کی دینی اہمیت اور شرعی حیثیت کے باوجود بلاد عجم ایران، افغانستان، ہندو پاک، بنگلہ دیش اور نیپال کے اکثر و بیشتر مسلمان بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ کا عدد اپنی دوکانوں، کاروں، بسوں، مکانوں میں لکھتے ہیں، حالانکہ قرآن مجید اپنے الفاظ و معانی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کو ہندسوں میں تبدیل کرنا یقیناً اللہ کے مقدس کلام کی توہین ہے اور ان من گھڑت اعداد کو آیتوں کا بدل تصور کرنا تحریف بلکہ کفر کے مرادف

ہے۔ حروف تہجی کے علاوہ اس طرح کے اعداد یہودی، یونانی اور شیعہ سازشوں کا نتیجہ ہیں، جنہیں کاروباری ملاؤں نے فروغ دیا ہے۔ مختلف سورتوں اور آیتوں کے نمبر وضع کر لیے گئے ہیں اور انھیں تعویذوں اور گنڈوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور عوام کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ قرآنی آیات کے احترام کے پیش نظر ان اعداد کا استعمال زیادہ مناسب ہے۔ خطوط وغیرہ پر ڈاک خانوں میں پاؤں پڑتے ہیں اس لیے بسم اللہ نہ لکھ کر ۸۶ لکھنا بہتر ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے خطوط و مراسلے جو روم و ایران اور مصر و حبشہ وغیرہ کے بادشاہوں کے نام لکھے گئے اور جن کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا گیا، یہودی و نصرانی اور کواکب پرستوں کے پاس بھیجے گئے، تمام دینی اخبارات و رسائل میں قرآنی آیات اور اللہ تعالیٰ کے مقدس نام تحریر کیے جاتے ہیں اور ڈاک خانوں میں ان پر بھی پاؤں پڑتے ہیں۔ خود ۸۶ لکھنے والے اپنے مراسلوں میں متعدد جگہوں پر باری تعالیٰ کا نام یا دعائیہ جملہ لکھتے ہیں۔ تو کیا تمام دینی اور ادبی جرائد و اخبارات کو اللہ تعالیٰ کے مقدس ناموں اور قرآنی آیات سے خالی کر دینا چاہیے؟ حاشا و کلا آیات کا احترام ہم مسلمانوں پر لازم ہے ڈاک کیے یا ڈاک خانوں کا عملہ ان خطوط اور جرائد و رسائل کے ساتھ مناسب یا نامناسب جو بھی سلوک کرے۔ ہم پر اس کی جواب دہی نہیں، اگر کوئی دانستہ طور پر اللہ کے ناموں یا اس کی آیات مبارکہ کو پاؤں سے روندتا ہے تو وہ عند اللہ گنہگار ہے نہ کہ ہم لکھنے والے۔

حروف تہجی کے نمبرات کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، مشرکانہ مقاصد اور شیعہ عقائد کو عقیدہ اہل سنت والجماعت کے اندر داخل کرنے کی غرض سے نمبرات وضع کیے گئے ہیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ ۸۶ کا ہندسہ سب سے پہلے ایران کے باشندوں نے ایجاد کیا اور بسم اللہ کے نمبرات کی آڑ میں مشرکانہ عقائد کی ترویج کی، مثلاً سیدنا محمد، علی، فاطمہ، حسن، حسین المدد کے نمبرات ۸۶ ہوتے ہیں۔ اسی طرح شیعہ کے ایک فرقہ

بہائیت کے بانی مرزا محمد علی باب نے اپنے ابتدائی ۱۸ پیروکاروں کے لیے صرف ”وحی“ کا استعمال کیا جس کا عدد ۱۸ ہوتا ہے۔ بعد والوں نے مرزا محمد علی کو ملا کر عدد ۱۹ کر دیا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے حروف کی تعداد ۱۹ ہے۔ اس طرح یہ فرقہ لوگوں کو جھانسنہ دیتا ہے کہ ہم اپنے مراسلات میں ۱۹ کا ہندسہ بسم اللہ کی جگہ لکھتے ہیں جب کہ یہ لوگ اپنے ۱۹ سربراہوں اور پیشوایان مذہب کے لیے یہ ہندسہ بطور تبرک استعمال کرتے ہیں اور یہی ۱۹ کا عدد ایک یہودی پادری جوہ نے توریت کے لیے بارہویں صدی عیسوی میں شروع کیا تھا اور اب تو ہندوؤں کے بھگوان ”ہرے کرشنا“ کا نمبر بھی ۸۶ نکلتا ہے۔

کعبے کس منہ سے جاؤ گے غالب شرم تم کو مگر نہیں آتی

ہرے کرشنا کے اعداد و شمار

ہرے کرشنا + ۵ + ۲۰ + ۱۰ + ۲۰۰ + ۵ + ۷۸۶

۱ + ۵۰ + ۳۰۰ + ۲۰۰ + ۲۰ + ۱۰ + ۲۰۰ + ۵ + ۷۸۶

قابل غور ہے کہ چالاکی سے یہودیوں اور ہندوؤں نے اپنے عقیدے کو مسلمانوں کے دلوں میں ۷۸۶ کی آڑ میں اور اس کو بسم اللہ کا بدل قرار دے کر داخل کرنے کی کوشش کی ہے۔

بہر حال بسم اللہ الرحمن الرحیم کے نمبرات ہوں یا رحمان کی میم کے بعد الف زائد کرنے کی صورت میں جیسا کہ الف کا تلفظ ہوتا ہے ۷۸۶ ہوں۔ بنیادی طور پر ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ حروف تہجی کے اعداد و شمار کس شرعی دلیل سے ثابت ہیں؟ کیا کوئی قرآنی آیت، کوئی حدیث، صحابہ و تابعین کے کسی قول یا ائمہ کرام کا کوئی فتویٰ ان نمبرات کی دلیل ہے؟ اگر اس کی شرع متین میں کوئی دلیل نہیں ہے اور واقعی نہیں ہے تو پھر یہ نمبرات اور ہند

سے ضلالت و گمراہی اور قرآنی آیات کے ساتھ مذاق ہیں۔

ایک لمحہ کے لیے غور کیجئے کہ حروف تہجی کے یونانی نمبرات کی بنیاد پر لفظ جلالہ اللہ کا عدد ۳۷۱ یا لام مشد کی صورت میں ۶۶ ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے نام مبارک و محمد کا عدد ۹۲ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک فرقہ ۸۶/۷۹۲ لکھتا بھی ہے۔ کیا آپ کی غیرت ایمانی اس بات کو قبول کرے گی کہ کوئی کہے کہ اے ۳۷۱ میری مدد فرما اور اگر کسی کے نام کا عدد ۳۲۰ نکلے جسے عرف عام میں فراڈ کے لیے بولتے ہیں اور آپ اسے جناب ۳۲۰ کہہ کر پکاریں تو کیا وہ اپنے لیے اس عدد کو گوارا کرے گا؟ اگر نہیں تو براہ کرم آپ ایسا مذاق اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور قرآنی آیات کے ساتھ کیوں کرتے ہیں۔ اعداد کے کوئی معنی نہیں ہوتے مختلف عبارتوں کے ہندسے ۷۸۶ ہو سکتے ہیں، اس لیے قرآن مجید کے آغاز بسم اللہ کی فضیلت اور نبی ﷺ کے مراسلات کے پیش نظر آپ بھی اپنے خطوط، شادی کارڈ اور مختلف تحریروں کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا شروع کر دیجیے اور یہودی و شیعہ سازش کے شکار نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صراط مستقیم پر گامزن فرمائے، آمین۔

حضرت آدم علیہ السلام کی دعا

حضرت آدم علیہ السلام نے کس طرح دعا کی تھی، اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر بیان کر دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾ (البقرة: ۳۷)

”آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کے کلمات سیکھے تو اس نے اس کی توبہ قبول کر لی،

کیونکہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں آدم و حوا کی دعا کو صاف الفاظ میں بیان فرما دیا ہے۔

تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ سورہ بقرہ میں جن کلمات کے سیکھنے کا اشارہ کیا گیا ہے وہ یہی کلمات ہیں، جو الاعراف میں بیان کیے گئے ہیں۔ اس واضح بیان کے باوجود لوگوں نے ایک روایت گڑھ لی، وہ گڑھی ہوئی روایت یہ ہے:

لما اقترف آدم الخطیئة قال یا رب اسألك بحق محمد لما غفرت لی فقال اللہ یا آدم وکیف عرفت محمداً ولم اخلقه قال یا رب لما خلقتنی بیدک ونفخت فی من روحک رفعت رأسی فرایت علی قوائم العرش مکتوباً لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ فعلمت انک لم تضعف الی اسمک الا احب الخلق الیک فقال اللہ صدقت یا آدم انه لأحب الخلق الی ادعنی بحقه فقد غفرت لک ولولا محمد ما خلقتک.

”حضرت آدم علیہ السلام سے غلطی سرزد ہوئی تو انھوں نے کہا: اے اللہ میں محمد کے حق کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم تو نے محمد کو کیسے پہچان لیا ابھی تو میں نے ان کو پیدا بھی نہیں کیا ہے؟ آدم نے کہا: جب تو نے مجھے پیدا کیا اور میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لکھا ہوا دیکھا لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ جس سے میں نے جان لیا تو اپنے نام کے ساتھ اسی کا اضافہ کرتا ہے جو تیری مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ نے فرمایا: آدم تو نے سچ کہا۔ تم ان کے حق کے واسطے سے مجھ سے سوال کرو، میں نے تم کو بخش دیا۔ اگر محمد نہ ہوتے میں تم کو پیدا نہیں کرتا۔“

اس روایت کو حاکم نے المستدرک (۲/۶۱۵) اور بیہقی نے دلائل النبوة باب ماجاء فیما تحدث فیہ ﷺ بنعمة ربہ میں ذکر کیا ہے۔ علامہ ذہبی مستدرک حاکم کی تلخیص میں فرماتے ہیں، یہ روایت موضوع ہے۔ عبدالرحمن بن زید واہی شخص ہے اور عبداللہ بن مسلم الفہری کو میں نہیں جانتا کون ہے اور میزان الاعتدال میں عبداللہ بن مسلم الفہری کا ذکر کرتے ہوئے اس روایت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ باطل ہے۔ بیہقی نے

دلائل النبوة میں روایت کیا ہے اور بیہقی کا خود بیان ہے کہ اس روایت میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم منفرد ہے اور ضعیف ہے۔

حافظ ابن حجر نے ”لسان المیزان“ میں عبداللہ بن مسلم الفہری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات بعید نہیں کہ یہ وہی شخص ہے جس کا ذکر اس سے پہلے ابھی ہوا ہے اور اس سے پہلے حافظ نے جس کا ذکر کیا ہے وہ عبداللہ بن مسلم رشید ہے۔ جس کے بارے میں ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ متہم بوضع الحدیث ہے، اس سے حدیث لکھنا جائز نہیں ہے۔ خود حاکم نے اپنی کتاب المدخل الی معرفة الصحیح من السقیم میں عبدالرحمن بن زید کے متعلق لکھا ہے کہ یہ شخص موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے جو اہل فن پر مخفی نہیں، اسی لیے امام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب [القائدۃ الجلیلة فی التوسل والوسیلة، ص ۶۹] میں حاکم پر تعجب کیا ہے کہ انھوں نے کیسے اس روایت کو المستدرک میں نقل کر دیا جب کہ خود اس کو حدیثیں گڑھنے والے بتلاتے ہیں۔ جن حضرات نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے ان سب روایات میں عبدالرحمن بن زید موجود ہے، جو حدیث گڑھنے والا انسان ہے، لہذا اس طرح کی روایت اگر کوئی بیان کرتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ پر بہتان لگاتا ہے۔

تبلیغی نصاب اور قرآنی تعلیم

ایک بدعت جس نے دعوت و تبلیغ اور اصلاح و موعظت کے لیے نیا قالب تجویز کیا ہے۔ خواب و خیال کی باتیں جن کو بڑے اہتمام کے ساتھ بزرگوں سے عقیدت پیدا کرنے کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ ایک سے ایک عجیب خواب سنا کر ذہنوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ بزرگوں کی عظمت کا تصور پیدا ہوا۔ ان سے عقیدت بڑھے اور ان کے طور طریقوں کی لوگ پیروی کریں، لیکن اس طریقہ تبلیغ و موعظت کی تعلیم نہ قرآن

نے دی ہے اور نہ پیغمبر۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں یہ طریقہ رائج نہیں ہوا بلکہ یہ بعد کے دور کی پیداوار ہے۔

اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ لوگ قرآن فہمی سے دور اور صوفیوں و بزرگوں کے اقوال کو قبول کرتے چلے گئے، خواہ وہ قرآن و سنت کی تعلیم کے مطابق ہو یا نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا بزرگوں کا ہر خواب سچا ہوتا ہے؟ یہ خصوصیت تو انبیاء علیہم السلام کی ہے جن کا ہر خواب حقیقت ہوتا ہے۔

نبی ﷺ نے مومن کے اچھے خواب کو خوش خبری سے تعبیر فرمایا ہے، لہذا اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ نیک خواب مومن کے لیے باعث مسرت ضرور ہوتا ہے، لیکن اس سے زیادہ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں بلکہ اتباع شریعت کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ خوابوں کی۔

مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو فضائل اعمال بکثرت بیان کرتا ہے، ان کا ایک تبلیغی نصاب ہے جو نماز کے بعد پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ درس قرآن و درس حدیث کی جگہ اسے دی جاتی ہے، حالانکہ اس تبلیغی نصاب میں بزرگوں، صوفیوں کے اقوال اور ضعیف و موضوع روایات کی بھرمار ہے۔ اس پر عمل کرنے کی سخت تاکید کی جاتی ہے اور قرآن نے نہی عن المنکر کا جو فریضہ عائد کیا ہے، اس کی طرف سے خاموشی ہے۔ شرک و بدعت اور سماجی برائیاں سیلاب کی طرح پھیل رہی ہیں، ان کے خلاف آواز اٹھانا اس کے پروگرام میں شامل نہیں ہے، حالانکہ یہ طریقہ صوفیوں کا ایجاد کردہ ہے اور موجودہ زمانہ میں تبلیغ و اصلاح کا کام کرنے والے اس کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(۱) ابن جلا د کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا۔ مجھ پر فاقہ تھا۔ قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور عرض کیا: حضور میں آپ کا مہمان ہوں۔ مجھے کچھ غنودگی سی آگئی تو

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

میں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی، حضور ﷺ نے مجھے ایک روٹی مرحمت فرمائی، میں نے آدھی روٹی کھائی اور جب میں جاگا تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

(تبلیغی نصاب، فضائل حج، ص ۱۳۳)

مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبر میں لوگوں کی فریاد سنتے ہیں خواہ وہ کسی زبان میں کی گئی ہو اور مدد کے لیے بنفس نفیس پہنچتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے جو باندھا گیا ہے اور اس کے لیے دین میں کوئی دلیل نہیں اور ایسی بے سرو پا باتیں پھیلانا عظیم گناہ کا موجب ہے۔ کسی بزرگ کی طرف ایسے خواب کو منسوب کر کے دین کی خدمت تو نہیں کی جاسکتی، البتہ فاسد عقائد پیدا کیے جاسکتے ہیں۔

(۲) شیخ احمد بن محمد صوفی کہتے ہیں کہ میں جنگل میں تیرہ ماہ تک حیران پریشان پھرتا رہا۔ میرے بدن کی کھال بھی چھل گئی۔ میں اسی حالت میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوا اور روضہ اقدس پر حاضر ہو کر حضور کی خدمت میں اور حضرات شیخین کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ اس کے بعد میں سو گیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خواب میں زیارت کی ارشاد فرمایا: ”احمد تم آئے میں نے عرض کیا کہ جی حضور ﷺ حاضر ہوا ہوں اور میں بھوکا ہوں آپ کا مہمان ہوں۔“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ہاتھ کھولو، میں نے دونوں ہاتھ کھول دیے، آپ نے ان کو درہم سے بھر دیا۔ میری جب آنکھ کھلی تو دونوں ہاتھ درہم سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے اسی وقت روٹی اور فالودہ خریدا اور کھا کر جنگل چلا گیا۔

(تبلیغی نصاب، فضائل حج، ص ۱۳۴، از محمد زکریا صاحب)

یہ خواب من گھڑت ہے، کیونکہ شرعاً یہ عقیدہ فاسد ہے کہ حضور ﷺ قبر سے اٹھ کر آتے ہیں اور کسی کی جھولی بھرتے ہیں۔ ایسا عقیدہ رکھنا بزرگ پرستی اور اندھی تقلید ہے۔

(۳) شیخ ابو یعقوب سنوسی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں

کل ظہر کے بعد مر جاؤں گا، چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا، طواف کیا اور

تھوڑی دور جا کر مر گیا۔ میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا۔ جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا کہ مرنے کے بعد زندگی ہے، کہنے لگا: میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔ (تبلیغی نصاب، فضائل صدقات، حصہ دوم، ص ۴۷۶)

قارئین غور فرمائیں کہ اس واقعہ میں کس قدر قرآن مجید کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنزِلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾ (لقمن: ۳۴)

”بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے؟ کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ کس زمین پر مرے گا۔ بے شک اللہ ہی جاننے والا خبردار ہے۔“

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا یہ غیب کی باتیں ہیں۔ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ان کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، لیکن تبلیغی نصاب کا یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ ایک مرید نے یہ بتا دیا کہ میں کل ظہر کے وقت مرجاؤں گا اور ہوا بھی یہی کہ وہ مرید دوسرے دن ظہر کے وقت مر گیا، گویا کل کا علم اس مرید کو تھا۔

(۴) حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا مجھے بڑی مشقت اٹھانی پڑی اور بڑی مصیبت پیش آئی۔ میں نے برداشت کیا اور خندہ پیشانی سے اس پر صبر کیا۔ جب میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو مجھ میں اس کا نامہ پر ایک عجب سا پیدا ہوا۔ طواف کی حالت میں پیچھے سے ایک بڑھیا نے آواز دی کہ اے ابراہیم! اس جنگل میں یہ بندی بھی تیرے ساتھ تھی مگر میں نے تجھ سے اس لیے کوئی بات نہیں کی تھی کہ اللہ جل شانہ سے تیرا دھیان ہٹ کر دوسری طرف لگے گا۔ یہ وسوسہ جو تجھے اس وقت آگیا

اس کو اپنے دل سے نکال دے۔ (تبلیغی نصاب، فضائل حج، ص ۲۰۰)

کیا اس واقعہ میں یہ درس نہیں کہ اولیاء اللہ اگرچہ نظروں سے غائب ہوتے ہیں مگر ساتھ ساتھ ہوتے ہیں، حتیٰ کہ دلوں کے ارادوں سے بھی واقف ہوتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ. (آل عمران: ۱۵۳)

”سینوں کی باتوں کو اللہ ہی جانتا ہے۔“

دلوں کے خیالات کا جاننا یہ اللہ کی صفت ہے۔ بندے اس صفت میں کیسے اس کے شریک ہو سکتے ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ. (التوبہ: ۱۰۱)

”اور اہل مدینہ میں بھی کچھ ایسے لوگ ہیں کہ نفاق جن کی سرشت میں داخل ہو گیا ہے،

آپ انھیں نہیں جانتے ہیں، انھیں ہم جانتے ہیں۔“

غور فرمائیں کہ اللہ کے رسول ﷺ منافقوں کے حال سے واقف نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ منافقوں نے آپ کو دھوکہ دیا، بیڑ معونہ کے مقام پر ستر قاری شہید کر دیے گئے۔ اگر نبی ﷺ دلوں کا حال جانتے تو کیوں دھوکے میں آتے۔ ایک طرف یہ لاعلمی دوسری طرف تبلیغی بزرگ ہیں کہ سب کچھ جانتے ہیں۔ کیا ان تمام سوالوں کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ بات شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب نے لکھی ہے، لہذا صحیح ہوگی۔ قارئین کرام بتائیں، کیا یہ جواب صحیح ہے؟

قارئین کی خدمت میں ہم نے صرف چار واقعات مثال کے طور پر تبلیغی نصاب سے نقل کیے ہیں۔ تبلیغی نصاب میں اس قسم کے سینکڑوں واقعات درج ہیں جن میں ضعیف و موضوع روایات کا سہارا لے کر اور بے سرو پا شرک و بدعت کی باتیں لکھ کر دین کی خدمت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جب کہ اعمال صالحہ کی قبولیت کا دار و مدار توحید پر

ہے۔ کاش تبلیغی اکابرین ایسے واقعات کو تبلیغی نصاب سے خارج کر دیں اور ان کی جگہ قرآن اور احادیث صحیحہ سے مستند واقعات درج کریں۔ ہمیں امید ہے کہ علماء حق اس سلسلہ میں توجہ فرمائیں گے۔

دیوبندیوں کا ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمائیں:

(۱) دیوبند پہنچ کر ایک ہی تا نگہ میں سوار ہو کر حضرت کے دولت کدہ پر پہنچے۔ دورہ حدیث پڑھنا شروع کیا، احاطہ باغ میں نسائی شریف کا مطالعہ کر رہا تھا کہ اچانک غنودگی طاری ہو گئی۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ دوپہر کے وقت مہمان خانہ میں تشریف لا کر مریدین کے ساتھ تخیلہ کرتے تھے اور انھیں ذکر کی تلقین کرتے تھے۔ میں روزانہ حضرت کے قریب بیٹھ کر آپ کی داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ ایک دن میں نے کہا: حضرت مجھے کوئی ذکر بتادیتے تو پاس انفاں کا ذکر بتلایا۔ کیا بتلاؤں ایک ہفتہ تک اندھیرا ہی اندھیرا محسوس ہوتا رہا۔ قرآن کے حروف بھی نظر نہیں آتے تھے۔ ایک دن خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنے آپ کو ذبح کر ڈالا۔ حضرت جنازہ کی نماز پڑھا رہے ہیں۔ حضرت کو خواب سنایا، اس وقت حضرت کے خلفاء آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، انھوں نے بتلایا کہ تم فنا فی الشیخ ہو گئے ہو۔ (فیوض مدنی، ص ۲۸)

ایسا اندھیرا محسوس ہوتا کہ قرآن کے حروف بھی نظر نہ آئیں۔ کوئی بات تو ہے نہیں مگر اس کو بھی شیخ کی کرامت سمجھ لیا گیا اور تصوف میں یہی ہوتا ہے کہ جنوں کا نام خرد رکھ لیا جاتا ہے۔ پھر خواب کی تعبیر بتا کر کس طرح فنا فی الشیخ کی ترغیب دی گئی ہے۔ قرآن و حدیث میں فنا فی الشیخ کی تعلیم نہیں دی گئی ہے۔ پھر یہ بدعت اور شرک نہیں تو اور کیا ہے؟

(۲) ایک بی بی نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے لڑکے سے فرمایا: میرا کفن ایسا خراب ہے کہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جاتے شرم آتی ہے۔ پرسوں فلاں شخص آنے والا ہے اس کے کفن میں اچھا کپڑا رکھ دینا۔ صبح کو صاحبزادے نے اٹھ کر اس کو دریافت کیا۔

معلوم ہوا کہ وہ بالکل تندرست ہے اور کوئی مرض نہیں۔ تیسرے روز خبر ملی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے، لڑکے نے فوراً نہایت عمدہ کفن سلوا کر اس کے کفن میں رکھ دیا اور کہا: یہ میری ماں کو پہنچا دینا۔ رات کو وہ صالح خواب میں تشریف لائیں اور بیٹے سے کہا: خدا تمہیں جزائے خیر دے، تم نے بہت اچھا کفن بھیجا۔ (ملفوظات احمد رضا خاں، ص ۹۵)

پہلا واقعہ دیوبندیوں کا بیان کردہ ہے، آخر میں بریلیوں کا بیان کردہ خواب کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ کسی مردے کے ذریعہ جو ابھی دفن ہونے والا ہے، کسی ایسے مردے کو جو دفن ہو چکا ہے نئے کفن کا پارسل بھی بھیجا جاسکتا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سوال یہ ہے کہ اگر دیوبندی بزرگوں کے بیان کردہ خوابوں پر اعتماد کیا جانا چاہیے تو پھر بریلیوں بزرگوں کے بیان کردہ خوابوں پر بھی کیوں نہ اعتماد کیا جائے اور دیوبندیوں، بریلیوں میں فرق کیا رہا؟ دونوں ایک ہی رنگ میں نظر آتے ہیں۔

سال گرہ کی حرمت کے اسباب

دور حاضر کے مسلمانوں کی اکثریت اسلام کی سچی اور روشن تعلیمات سے منحرف و برگشتہ ہو کر اوہام و خرافات کے دلدل میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے اور غیر اسلامی اقدار و روایات کی رسیا ہوتی جا رہی ہے، جس سے اسلام کا اصلی چہرہ دھندلا اور مکدر دکھائی دیتا ہے۔ یہ روایتیں کچھ تو خود ساختہ ہیں اور کچھ غیروں کے مراسم سے انفعالیت کا نتیجہ ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا واضح ارشاد ہے کہ من تشبه بقوم فهو منهم۔

(سنن ابی داؤد و مسند احمد بن حنبل مشکوٰۃ المصابیح ۲/۱۲۳۶، رقم الحدیث ۴۳۴۷)

”جو کوئی مسلمان غیر قوم کے طور طریقوں کو اپنائے وہ انہیں میں سے ہے۔“

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ سال گرہ کا طریقہ بھی عیسائی کلچر کا

حصہ ہے اور اس کی مخصوص تہذیبی ترجیحات کا آئینہ دار ہے۔ آج بھی یہودی قوم کے علاوہ عیسائیوں میں بھی عید نصاریٰ (کرسمس ڈے) گڈ فرائی ڈے اور عید فصیح سے جیسی متعدد عیدوں اور تہواروں کا اہتمام ہوتا ہے، جن میں یہ لوگ رات بھر جاگتے، خوشیاں مناتے اور دعوتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بہانے بہانے سے اس قوم میں سال بھر کسی نہ کسی جشن اور دن کا سلسلہ چلتا رہتا ہے، جسے ایک طرح سے عالمی کلچر کا درجہ حاصل ہوتا جا رہا ہے۔ دوسرے پہلوؤں سے ہٹ کر اسلامی نقطہ نظر سے آخری پیغمبر ﷺ کے پیدائش کے دن جشن و عید میلاد النبی کی کراہیت کی اصل وجہ یہی ہے کہ یہ عیسائی قوم کے طور طریقوں کی پیروی ہے۔ اپنے پڑوس کے عیسائی بادشاہوں کو دیکھ کر وہ اپنے پیشوا کی پیدائش کا جشن بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ بعض مسلمان حکمرانوں کو بھی اس کا شوق ہوا کہ اسی طرح وہ اپنے پیغمبر ﷺ کا جشن منائیں۔

شریعت اسلامیہ کے لحاظ سے نہ یہ جشن صحیح ہے اور نہ وہ۔ پس آج کے مسلمان معاشرے میں بچے کی پیدائش کے دن کو بطور جشن منانے کی برائی اور خرابی کا سب سے نمایاں پہلو یہی ہے کہ یہ یہودی اور عیسائی اقوام کی پیروی ہے۔ آخری محمدی شریعت موسوی اور عیسوی شریعت کی ناخ ہے اور اس کی پسند اور ترجیحات اس سے بالکل مختلف ہیں۔ برتھ ڈے کا مروجہ طریقہ بھی ایک ایسا ہی طریقہ ہے جو محمدی شریعت کے لیے

۱۔ کرسمس ڈے عیسائی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا دن عیسائیوں کا بڑا دن جو ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے۔ اسے عید نصاریٰ بھی کہتے ہیں۔

۲۔ گڈ فرائی ڈے مسیحی عقیدہ کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر چڑھنے کا دن، ایک عیسائی تہوار جو اپریل میں جمعہ کے دن منایا جاتا ہے۔

۳۔ عید فصیح یا ایسٹر عیسائیوں کے اعتقاد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مصلوب ہونے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا دن۔ عیسائیوں کا یہ تہوار ۲۱ مارچ یا اس کے بعد اتوار کو اوقات کے بعد حضرت عیسیٰ کے دوبارہ زندہ ہونے کی یاد میں منایا جاتا ہے۔ فیروز اللغات دہلی ۱۹۸۷ء

ناقابل قبول ہے اور اسے کسی صورت سے اپنانے کے لیے تیار نہیں ہے، کیونکہ اس رسم بد میں اسراف و تبذیر، نمود و نمائش اور فقراء و مساکین کی دل شکنی ہوتی ہے۔

سعودی عرب کے مرحوم مفتی اعظم علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء کا ایک فتویٰ ہے جس میں دوسری تمام برسیوں کے ساتھ مطلق طور پر بچوں کی سال گرہ منانے کو غیر اسلامی اور قابل مذمت فعل قرار دیا گیا ہے۔ (روزنامہ ’قومی آواز‘ نئی دہلی، ۶ جنوری ۱۹۹۹ء۔ زیر عنوان سال گرہ برسی منانے کے خلاف سعودی عرب میں فتویٰ جاری ہوا)

مسجد میں عقد نکاح

اسلام میں عقد کے لیے کسی جگہ کی تخصیص نہیں ہے۔ جہاں بھی آسانی ہو اور لوگ جمع ہو سکیں، عقد نکاح کیا جاسکتا ہے، کیونکہ کتاب و سنت میں اس طرح کا کوئی مخصوص مقام مذکور نہیں ہے۔ البتہ دوسری قوموں کی عبادت گاہوں، فواحش اور منکرات کے اڈوں سے احتراز ضروری ہے، کیونکہ اس میں دوسری قوموں کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ جس سے ملت اسلامیہ کو منہج کیا گیا ہے۔ مسجد میں عقد کرنا جائز ہے مگر مسجد میں عقد نکاح کو سنت قرار دینا اور اس کو ضروری سمجھنا غلط ہے، کیونکہ اس سلسلہ میں جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

اعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد واضربوا عليه بالدفوف.

(جامع ترمذی، کتاب النکاح، باب ماجاء فی اعلان النکاح البیہقی ۲۹۰/۷)

”اس نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجدوں میں کرو اور اس پر دھواؤ۔“

اس روایت کی سند میں ایک راوی عیسیٰ بن میمون ہیں جن کو امام ترمذی نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد خود ضعیف قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

وعیسیٰ بن میمون الانصاری یضعف فی الحدیث.

”عیسیٰ بن میمون الانصاری حدیث میں ضعیف قرار دیے جاتے ہیں۔“

امام بیہقی فرماتے ہیں: عیسیٰ بن میمون ضعیف ہیں۔ امام ابن معین کا کہنا ہے کہ ”لیس بشیء“ یعنی عیسیٰ بن میمون کسی کام کے نہیں۔

حافظ ابن حجر ”تقریب التہذیب“ میں فرماتے ہیں کہ ابن میمون ضعیف ہے۔ امام ابو حاتم کا بیان ہے کہ عیسیٰ بن میمون متروک الحدیث ہے یعنی اس کی حدیث نہیں لی جاتی۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ للالبانی، رقم الحدیث ۹۷۹)

اس حدیث کے سلسلہ میں ترمذی شریف کے موجودہ نسخوں میں امام ترمذی کا یہ قول منقول ہے ”ہذا حدیث حسن غریب“ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے، اس لیے قابل استدلال ہے، لیکن مشکوٰۃ شریف میں یہی روایت صاحب مشکوٰۃ نے نقل کی ہے اور اس کے بعد امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ”ہذا حدیث غریب اور جب امام ترمذی کسی حدیث کو غریب کہتے ہیں تو اس سے مراد ضعیف ہوا کرتی ہے۔ صاحب مشکوٰۃ اور امام شوکانی کے پاس ترمذی کا جو نسخہ موجود تھا وہی صحیح تھا، کیونکہ اس کے بعد یہ کہنا ”وعیسیٰ بن میمون الانصاری یضعف فی الحدیث“ عیسیٰ بن میمون الانصاری حدیث میں ضعیف ہیں، اس پر دلالت کرتا ہے کہ روایت حسن نہیں بلکہ غریب ہے۔ (تحفة الأحوذی للمبار کفوری ۲/۱۷۰-۱۷۱)

اگر موجودہ نسخوں میں جو عبارت ہے ”حسن غریب“ اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی اس سے استدلال نہیں کر سکتے، کیونکہ امام ترمذی نے یہاں جو حسن کہا ہے وہ روایت کے پہلے فقرہ کے متعلق ہے۔ ”اعلنوا هذا النکاح“ یہ فقرہ دوسری روایات سے ثابت ہے جیسا کہ عبداللہ بن زبیر سے مرفوعاً یہ فقرہ مروی ہے جس کی بنیاد پر امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے اعلان نکاح ہی کے بیان میں ذکر کیا ہے اور حدیث کا دوسرا ٹکڑا ”واجعلوه فی المساجد“ یعنی نکاح مسجدوں میں کرو، کسی دوسری روایت سے ثابت نہیں ہے، اس لیے اسے حسن نہیں کہا جاسکتا۔ (الضعیفہ للالبانی، رقم الحدیث ۹۷۹)

ان تشریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس روایت سے مسجد میں نکاح کے مسنون اور افضل ہونے یا ضروری ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

عقد نکاح کے بعد چھوہارے لٹانا

عقد نکاح کے بعد چھوہارے یا کسی اور چیز کا لٹانا اور تقسیم کرنا کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہے۔ چھوہارے لٹانے کے سلسلے میں جتنی روایتیں بیان کی جاتی ہیں، سب کی سب موضوع اور گھڑی ہوئی ہیں۔

عن عائشہ ان النبی ﷺ حضر املاک رجل من الانصار فنشرت الفاكهة والسكر علی راسه فامرهم بالانتهاج وقال انما نهيتكم عن نهبة العساكر.

”نبی ﷺ ایک انصاری کی شادی میں شریک ہوئے تو اس پر میوے اور شکر لٹائے گئے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو لوٹنے کا حکم دیا اور فرمایا میں نے تم کو فوجوں کی لوٹ سے منع کیا ہے اس سے منع نہیں کیا۔“

اس روایت کو العقیلی نے نقل کیا ہے اور اس روایت کی سند میں بشیر بن ابراہیم انصاری ہے جو موضوع روایتیں بیان کیا کرتا ہے اور طبرانی نے الاوسط کے اندر اس کو نقل کیا ہے اور اس کی سند کو مچھول قرار دیا ہے۔

(الفوائد المجموعه من الاحادیث الموضوعه للشوكاني، ص ۱۲۴)

علامہ عقیلی کا کہنا ہے کہ ”هو عندی ممن یضع الحدیث“ یعنی وہ میرے نزدیک ان لوگوں میں سے ہے جو حدیثیں گڑھتے ہیں۔

(لسان المیزان ۲/۱۱۸، الموضوعات لابن الجوزی ۲/۶۵)

امام ابن جوزی نے اس روایت کو عائشہ اور معاذ بن جبل سے نقل کیا ہے اور اس میں

یہی بشیر بن ابراہیم موجود ہے اور دوسری سند سے بھی نقل کیا ہے جس میں دو مجہول راوی ہیں۔ وہ جازم و لمازہ ہیں جن کا پتہ ہی نہیں کون ہیں۔

(الموضوعات لابن الجوزی ۲/۲۶۵)

امام ابن جوزی نے حضرت انس سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں خالد بن اسماعیل الانصاری ہے، جس کے بارے میں ابن عدی کا بیان ہے کہ ”کان یضع الحدیث“ یعنی وہ حدیثیں گڑھتا تھا اور ابن حبان کا بیان ہے کہ لا یجوز الاحتجاج بہ بحال۔ (لسان المیزان ۲/۲۷۲، الموضوعات لابن الجوزی ۲/۶۵) یعنی کسی قیمت پر اس کی روایات سے استدلال و احتجاج جائز نہیں۔

ان تحقیقات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ چھوہارے لٹانے اور لوٹنے کی جتنی روایتیں بیان کی جاتی ہیں سب کی سب موضوع اور گڑھی ہوئی ہیں۔ ان سے استدلال جائز نہیں، بلکہ حرام ہے اور لٹانا اس لیے بھی ناجائز ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تحقیر ہوتی ہے۔ پاؤں سے روندنا جاتا ہے، اس لیے ایک مسلمان کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

گردن پر مسح کرنا

بعض لوگ وضو میں کان اور سر کے مسح کے ساتھ گردن پر بھی الگ سے مسح کرتے ہیں، حالانکہ صحیح احادیث میں وضو کا طریقہ جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے اس میں گردن کے مسح کا ذکر نہیں ہے۔ گردن کے مسح کے سلسلہ میں جو یہ حدیث مروی ہے:

من توضأ ومسح عنقه لم یغل بالآغلال یوم القیامة.

”جس نے وضو کیا اور اپنی گردن کا مسح کیا اس کی گردن میں قیامت کے دن پھندا نہ ڈالا

جائے گا۔“

یہ حدیث موضوع ہے اس میں کئی راوی متکلم فیہ ہیں۔ بعض ضعیف ہیں اور بعض

منکر الحدیث ہیں۔ (سلسلہ الاحادیث الموضوعه، ص ۷۴۴)

اسی مفہوم کی ایک اور حدیث ہے:

مسح الرقبة امان من الغل.

”گردن کا مسح گلے کے پھندے سے امان ہوگا“

مگر یہ حدیث بھی موضوع ہے۔ امام نووی المجموع شرح المہذب میں فرماتے ہیں:

هذا موضوع ليس من كلام النبي ﷺ.

”یہ موضوع حدیث رسول اللہ ﷺ کا کلام نہیں ہے۔“

بعض دوسرے ائمہ حدیث نے بھی اس پر نقد کیا ہے۔ علامہ البانی ان روایات کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان جیسی روایات کو منکر شمار کیا جائے گا۔ خاص کر اس صورت میں کہ غیر صحیح سند سے مروی حدیثیں ان تمام حدیثوں کے خلاف ہیں، جس میں وضو کی صفت بیان کی گئی ہے اور ان صحیح حدیثوں میں کہیں بھی گردن کے مسح کا ذکر نہیں ہے۔

(سلسلہ الاحادیث الضعیفہ، حدیث نمبر ۶۹)

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

لم يصح عنه في مسح العنق حديث البتة.

(زاد المعاد، ج ۱، ہدیہ فی الوضوء)

”رسول اللہ ﷺ سے گردن کا مسح کرنا کسی بھی صحیح حدیث میں وارد نہیں ہے۔“

صاحب عون المعبود فرماتے ہیں:

ما روى في مسح الرقبة كلها ضعاف كما صرح به غير واحد من

العلماء فلا يجوز الاحتجاج بها.

”گردن کے مسح کی بابت جتنی احادیث بھی مروی ہیں، سب ضعیف ہیں جیسا کہ متعدد

علماء نے اس کی صراحت کی ہے پس ان احادیث سے دلیل پکڑنا جائز نہیں ہے۔“

انگوٹھا چومنا

بدعتیوں میں اشہدان محمداً رسول اللہ کا کلمہ مؤذن سے سن کر انگوٹھا چوم لینا یا انگشت شہادت آنکھوں پر پھیر لینا معمول بہ ہے، حالانکہ اس پر عمل کا سراغ دور سلف میں نہیں ملتا۔ گمان غالب ہے کہ اس پر بدعتیوں میں عمل کی بنیاد کچھ اس طرح کی روایات پر ہوگی۔ مثلاً

مسح العينين بباطن انملتي السبابتين عند قول المؤذن اشهدان محمد رسول الله الخ وان من فعل ذلك حلت له شفاعته ﷺ.

”جب مؤذن اشہد ان محمد رسول اللہ کہے تو سننے والوں کا انگشت شہادت کے باطنی حصے کو دونوں آنکھوں پر پھیر لینا ایسا کارِ ثواب ہے کہ جو شخص ایسا کرے اس کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔“

علامہ البانی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ، حدیث نمبر ۷۳) اسے دیلمی نے ”مسند الفردوس“ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اس حدیث کی بابت محمد طاہر مقدسی نے کتاب تذکرۃ الموضوعات میں لکھا ہے کہ لا یصح۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور یہی بات شوکانی نے ”الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ“ میں اور سخاوی نے المقاصد الحسنۃ میں لکھی ہے۔

زبان سے نیت کرنا

لغت عربی کے اعتبار سے نیت دل کا فعل ہے۔ منجد میں ہے ”النیت عزم القلب“ نیت کے معنی دل کا قصد و ارادہ ہے۔ اگر زبان سے کہے تو قول ہوگا نیت نہیں ہوگی۔ بہت

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

سے لوگ نماز سے پہلے زبانی نیت کرتے ہیں جو بالاتفاق ائمہ اسلام منع ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

ان النية الواجبة محلها القلب بالاتفاق الائمة الاربعة سوى بعض المتأخرين فانه يوجب التلفظ بها وهو محجوج بالاجماع ثم هل يستحب التلفظ بها بعد اتفاهم على عدم مشروعية الجهر بها وتكرارها فاستحب بها مشيخة من اصحاب ابى حنيفة والشافعى واحمد وغيرهم رحمهم الله ولم يستحب المتأخرون من اصحاب مالک واحمد وغيرهم رحمهم الله وهو اولى فان ذلك بدعة لم يفعلها رسول الله ﷺ ولا اصحابه ولو كان من تمام الصلوة لفعلوا. (شرح الاشباه والنظائر از علامہ حموی مجموع فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۲۲/۲۳۶، ۲۳۷)

”نیت واجبہ کی جگہ دل ہے باتفاق ائمہ اربعہ، لیکن بعض متأخرین نے تلفظ کو واجب کہا ہے مگر یہ قول اجماع سے مردود ہے۔ اب آیا اس اتفاق کے بعد کہ نیت کے الفاظ کا تکرار و اظہار جائز و مشروع نہیں کیا زبان سے ادا کیگی مستحب ہے؟ تو اس سلسلہ میں ابو حنیفہ اور شافعی اور احمد کے اصحاب میں سے بعض لوگوں نے مستحب کہا ہے، لیکن متأخرین اصحاب مالک و احمد رحمہم اللہ اس کے استحباب کے قائل نہیں ہیں اور اس کا عدم استحباب ہی بہتر ہے، کیونکہ یہ بدعت ہے۔ اس کو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ نے نہیں کیا۔ اگر یہ تکمیل صلوٰۃ میں داخل ہوتا تو وہ لوگ ضرور کرتے۔“

یہاں علامہ حموی نے امام ابن تیمیہ کے فتویٰ کو مختصر نقل کیا ہے حالانکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی درج ذیل عبارت سے تمام شکوک و شبہات دور ہو جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

فان الجهر بالنية لا يجب ولا يستحب لا في مذهب ابى حنيفة ولا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

احد من ائمة المسلمين بل كلهم متفقون على انه لا يشرع الجهر بالنية
ومن جهر بالنية فهو مخطئ مخالف للسنة باتفاق ائمة الدين.

(فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۲/۲۳۵-۲۳۶)

”آواز سے نیت کرنا نہ واجب ہے، نہ مستحب۔ امام ابوحنیفہ اور تمام ائمہ متفق ہیں کہ یہ
درست نہیں جو اونچی آواز سے نیت کرے وہ سنت کا مخالف ہے۔“

علامہ ابن قیم الجوزیہ فرماتے ہیں:

وكان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة قال الله اكبر لم يقل شيئاً
قبلها ولا تلفظ بالنية ولا قال اصلى صلوة كذا مستقبل القبلة أربع ركعات
اماماً أو ماموماً ولا اداءً ولا قضاء ولا فرض الوقت وهذا عشر بدع لم
ينقل عنه احد قط باسناد صحيح ولا ضعيف ولا مسند ولا مرسل لفظه
واحدة منها البتة بل ولا احد من اصحابه ولا استحسنة احد من التابعين
ولا الائمة الاربعة. (زاد المعاد ۱/۲۰۱)

”رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر فرماتے اس سے پہلے کچھ نہ
کہتے حتیٰ کہ زبان سے نیت بھی نہ کرتے نہ یہ فرماتے کہ میں چار رکعت نماز کی نیت کعبہ کی طرف
رخ کر کے امام یا مقتدی بن کر کرتا ہوں۔ نہ ادا اور قضا کا لفظ استعمال فرماتے نہ وقت کا نام لیتے
یہ ساری باتیں بدعت ہیں، اس سلسلہ میں آپ سے کچھ بھی مروی نہیں اور نہ ہی تابعین اور ائمہ
میں سے کسی نے اس کو پسند کیا ہے۔“

علامہ کمال ابن الہمام فتح القدير شرح الهداية میں لکھتے ہیں:

قال بعض الحفاظ لم يثبت عن رسول الله ﷺ صحيح ولا ضعيف
انه كان يقول عند الافتتاح اصلى كذا ولا من احد من الصحابة والتابعين
بل المنقول انه ﷺ اذا قام الى الصلوة كبر وهذه بدعة. (فتح القدير شرح

الهدایة ۱/۲۶۶، مطبوعہ مصر ۱۳۸۹ھ)

”بعض حفاظ حدیث نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح نہ ضعیف کسی طرح سے یہ فعل ثابت نہیں ہوا کہ آپ نے نماز شروع کرتے ہوئے کہا ہو کہ میں نیت کرتا ہوں فلاں نماز پڑھنے کی اور نہ صحابہ و تابعین میں سے کسی سے ثابت ہے۔ آپ سے جو کچھ منقول ہے وہ صرف اتنا ہے کہ آپ جب نماز پڑھنے کو کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے اور زبان سے نیت کہنا بدعت ہے۔“

علمائے محققین کے اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ زبان سے نیت کی ادائیگی جو آج کل رائج ہے۔ رسول اللہ ﷺ، صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ سے ثابت نہیں ہے بلکہ بدعت ہے۔ زبان سے کہنے کے بجائے نیت دل میں کرنا چاہیے۔ نماز شروع کرتے وقت تکبیر تحریمہ کے علاوہ کوئی لفظ زبان سے نہیں کہنا چاہیے۔

امامت کے حقدار کی ترتیب

صحیح مسلم وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے:

يَوْمَ الْقَوْمِ اَقْرُوهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ فَاِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَاَعْلَمَهُمْ
بِالسَّنَةِ فَاِنْ كَانُوا فِي السَّنَةِ سَوَاءً فَاَقْدَمَهُمْ هَجْرَةَ فَاِنْ كَانُوا فِي الْهَجْرَةِ
سَوَاءً فَاكْبَرَهُمْ سَنًا.

(صحیح مسلم کتاب المساجد باب من احق بالامة ۳/۱۸۷، رقم الحدیث ۲۹۰)

”قوم کی امامت وہ شخص کرائے جو کتاب اللہ کا زیادہ پڑھا ہو اگر اس میں سب برابر ہوں تو امامت کرائے وہ شخص جو ان میں سنت رسول اللہ کا زیادہ عالم ہو اگر اس میں بھی سب برابر ہیں تو امامت کرائے جو ہجرت میں مقدم ہو۔ (اور بعض روایتوں میں ہے کہ پھر وہ مستحق ہے جو اسلام میں مقدم ہو) اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ امامت کا مستحق ہے جو ان میں عمر کے لحاظ سے بڑا ہو۔“

صحیح روایتوں میں بس اسی قدر ہے مگر بعض غیر صحیح روایتوں میں ہے کہ اگر عمر میں سب برابر ہوں تو امامت کا مستحق وہ شخص ہے جو زیادہ خوبصورت ہو، چنانچہ بیہقی نے ابو زید انصاری سے مرفوعاً یہ حدیث ذکر کی ہے:

اذا كانوا ثلاثة فليومهم اقرؤهم لكتاب الله فان كانوا في القوافة سواء

فاكبرهم سنا فان كانوا في السن سواء فاحسنهم وجها.

”جب تین آدمی ہوں تو ان میں امامت کا مستحق وہ شخص ہے جو کتاب اللہ کا زیادہ پڑھا ہوا ہو، اگر اس میں سب برابر ہوں تو امامت کا حق دار وہ ہے جو ان میں زیادہ عمر کا ہو اور اگر وہ سب عمر میں برابر ہوں تو امامت کا حق دار وہ ہے جو ان میں زیادہ خوبصورت ہو۔“

اس حدیث کی بابت علامہ البانی کا تبصرہ ہے ”منکر لا اصل له“ اور علامہ البانی نے ابن حبان کا بھی یہی قول اس حدیث کی بابت نقل کیا ہے جس کی تائید علامہ ابن حجر کے قول سے بھی ہوتی ہے اور حاکم نے بھی اسے خبر منکر کہا ہے، گویا یہ حدیث مقبول نہیں مردود ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، حدیث نمبر ۲۰۹)

ایک روایت ابن عدی نے یہ ذکر کی ہے: لیومکم احسنکم وجہا فانہ احری ان یکون احسنکم خلقا۔ چاہیے کہ وہ شخص تمہاری امامت کرائے جو تم میں زیادہ خوبصورت ہو تو قیاس ہے کہ وہ تم میں زیادہ بااخلاق ہوگا، مگر یہ حدیث موضوع ہے اس کی سند میں کئی راوی متکلم فیہ ہیں۔ بعض مجہول ہیں اور بعض کذاب ہیں۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، حدیث نمبر ۲۰۸)

گویا امامت کے حقدار کی ترتیب بسند صحیح اسی قدر مروی ہے جو صحیح مسلم وغیرہ کے حوالہ سے سب سے اوپر والی حدیث میں بیان ہوئی اور اسی قدر کافی بھی ہے۔ اس سے آگے یہ قول کہ اگر عمر میں سب برابر ہوں تو امامت کا حق دار وہ ہوگا جو ان میں زیادہ حسین ہو۔ پھر وہ جس کا سر زیادہ بڑا ہو پھر وہ زیادہ حق دار ہے جس کا عضو تناسل سب سے زیادہ

چھوٹا ہو، سب بے اصل لغو اور مضحکہ خیز ہے۔

علامہ البانی فقہائے حنفیہ کے اس قول کو مراقی الفلاح کے حوالہ سے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

كانهم لم يسعهم الوقوف عند الاحاديث الصحيحة كحديث ابى مسعود المتقدم انفا بل ولا عند الاحاديث الموضوعه والمنكرة حتى اخترعوا من آرائهم شروطا اخرى وليتها كانت معقولة وغير مستهجنة ومن الممكن العمل بها والا فقل لي بريك كيف يمكن معرفة الاصغر عضوا مع كونه اكبرهم راسا الا بالكشف عن العورات ثم هم مع ذلك يسمون مثل هذه الراء فقها فاللهم توفيقك وهدايتك.

(سلسلة الاحاديث الضعيفة، ج ۲، ص ۷۷ [حاشیہ])

امام کی اقتداء

باجماعت نماز میں امام کی اقتداء ضروری ہے۔ تمام ارکان میں مقتدی کو امام کے تابع رہنا چاہیے۔ رکوع و سجود وغیرہ ارکان میں امام سے سبقت کرنا حرام ہے۔ اس سے نماز فاسد ہو جائے گی گویا مقتدی امام ہو گیا، بلکہ امام کے ساتھ بھی ادا کرنا درست نہیں۔ ہر صورت میں امام کے بعد ہی ارکان کو ادا کرنا چاہیے۔ احادیث میں اس کی تائید وضاحت سے مرقوم ہے۔

عن ابی ہریرة قال قال رسول الله ﷺ ما يأمن الذی یرفع راسه فی صلوته قبل الامام ان يحول الله صورته فی صورة حمار.

(صحیح مسلم کتاب الصلاة باب تحریم سبق الامام ۳۸۶/۲، رقم الحدیث ۱۱۵)

”آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو آدمی نماز میں امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے اسے بے خوف

نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ اس کی شکل گدھے کی سی بنا دے۔“

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ایک دفعہ گھوڑے سے گر گئے۔ آپ کے دائیں پہلو میں خراش آگئی ہم بیمار پُرسی کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے وہیں نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھی ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی جب آپ نے نماز پڑھ لی تو فرمایا:

انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا سجد فاسجدوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد واذا صلى قاعدا فصلوا قعودا اجمعون. (صحيح مسلم، كتاب الصلاة باب النهي عن مبادرة الامام بالتكبير ۳۷۱/۲، رقم الحديث ۸۹)

”امام اس لیے ہوتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جب وہ تکبیر کہے تم تکبیر کہو، جب وہ سجدہ کرے تم سجدہ کرو، جب امام سر اٹھائے تم سر اٹھاؤ، جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم ربنا لك الحمد کہو، جب امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تم سب بیٹھ کر نماز پڑھو۔“

امام کے ساتھ مقتدی کا بیٹھ کر نماز پڑھنے کا عمل آپ کی ہنگامی بیماری میں ہوا، لیکن آنحضرت ﷺ کی آخری بیماری میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی اقتداء میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی۔

وكان ابوبكر يصلي وهو قائم بصلوة النبي ﷺ والناس يصلون بصلوة ابي بكر والنبي ﷺ قاعداً. (صحيح مسلم كتاب الصلاة باب استخلاف الامام ۳۷۲/۲، رقم الحديث ۹۰)

”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر آنحضرت ﷺ کی اقتداء فرما رہے تھے۔ لوگ حضرت ابوبکر کی اقتداء کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے۔“

آنحضرت ﷺ کا آخری فعل یہی ہے کہ امام اگر بیٹھا ہو تو مقتدی اس کی اقتداء

کھڑے ہو کر کر سکتا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ کا آخری فعل زیادہ قابل عمل ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث مذکور کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب امام تکبیر کہہ چکے تو تم اس کے بعد تکبیر کہو۔ جب امام سجدہ میں چلا جائے تو تم سجدہ میں جاؤ، جب امام سر اٹھا چکے تو تم سر اٹھاؤ، جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہہ چکے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ مقتدی کو ہر فعل اس وقت کرنا چاہیے جب امام وہ کام کر چکے نہ امام سے پہلے کرنا چاہیے نہ اس کے ساتھ بلکہ امام کے بعد وہ رکن ادا کرنا چاہیے۔ متابعت پیچھے لگنے کو کہتے ہیں۔ عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ:

انه نظر الی من سبق الامام فقال له صلیت وحدک ولا صلیت مع

الامام ثم ضربہ وامرہ ان یعید الصلوٰۃ. (رسالة الصلاة لاحمد، ص ۳۵۲)

”انھوں نے ایک شخص کو امام سے سبقت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا نہ تم نے اکیلے نماز ادا کی نہ امام کی اقتدا کی پھر اسے مارا اور کہا کہ نماز لوٹاؤ۔“

امام احمد بن حنبلؒ نے بڑے بسط سے لکھا ہے کہ امام کے ساتھ ارکان ادا کرنا غلط ہے۔ امام جب رکوع و سجود میں چلا جائے اور اس کی تکبیر کی آواز ختم ہو جائے تو مقتدی کو اس وقت رکوع و سجود وغیرہ امور شروع کرنے چاہئیں۔

ہمارے ملک میں یہ غلطی عام ہے، تمام طبقات یہ غلطی کرتے ہیں اگر سبقت نہ کریں تو امام کے ساتھ ضرور ادا کرتے ہیں، حالانکہ یہ صریح حدیث کے خلاف ہے اور خطرہ ہے کہ نماز ضائع ہو جائے۔

امام کی اطاعت کا شرعاً یہی مطلب ہے کہ تمام ارکان وغیرہ امام کے بعد ادا کرے۔ مقتدی اس وقت شروع کرے جب امام رکن میں مشغول ہو جائے حدیث کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے۔ نہ امام سے سبقت درست ہے نہ امام کی معیت، بلکہ امام جب رکن میں مشغول ہو جائے اس کے بعد مقتدی امام کے ساتھ شریک ہو۔

اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ تمام ائمہ کے نزدیک اقتداء کی یہی صورت ہے۔ تعجب ہے کہ تمام مکاتب فکر اس غلطی میں مبتلا ہیں۔ بریلوی حضرات تو بدعات میں اس قدر محو ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو سنت کی محبت سے خالی کر دیا ہے۔ وہ ہر وقت نئی سے نئی بدعتوں کی تلاش میں پریشان ہیں اور دوسرے گروہ بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں، الا من رحمہ اللہ۔

امام احمد کا ارشاد کس قدر درست ہے:

لو صليت في مائة مسجد مارأيت اهل مسجد واحد يقيمون الصلوة
علي ما جاء عن النبي ﷺ وعن اصحابه رحمه الله عليهم.

(رسالة الصلاة لأحمد، ص ۱۵۴)

”آپ سو مسجدوں میں نماز ادا فرمائیں کسی میں بھی آنحضرت ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام کے طریق پر آپ کو نماز نہیں ملے گی۔“

جمعہ کے دن کی بدعات

جمعہ کے دن منبر کے قریب بیٹھنے والے لوگ خطیب کے منبر سے اترنے کے بعد اس کی طرف لپکتے ہیں اور اس کی پشت موٹدھے اور پہلو کو اس خیال سے چھوتے ہیں کہ وہاں نور اور رحمت کی بارش ہو رہی تھی اور منبروں پر جمعہ کے دن پردے لٹکانا قبیح قسم کی بدعت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دوکان سے پانچامہ خریدا اٹھنے لگے تو دوکان دار نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بوسہ دینا چاہا آپ ﷺ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا:

هذا تفعله الاعاجم بملو كها ولست بملك انما انا رجل منكم.

”یہ حرکت عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں میں بادشاہ نہیں میں تو تم لوگوں

میں کا ایک فرد ہوں۔“

امام مالک رحمہ اللہ نے اس کو مکروہ کہا ہے اور سلمان بن حرب بن عبد الملک کے ہاتھ کو ایک شخص نے بوسہ دینا چاہا تو ہشام نے اس کو ڈانٹا اور کہا یہ حرکت عربوں میں سے ڈرپوک و لالچی لوگ کرتے ہیں اور عجم میں فروتر لوگ کرتے ہیں۔ غرض اس فعل کے مکروہ ہونے پر علماء کا اتفاق ہے کہ خود کوئی شخص اپنا ہاتھ اس مقصد سے لوگوں کی طرف بڑھائے کہ لوگ اسے بوسہ دیں اپنے ہاتھ کو بوسہ دلانے کی خواہش شرعاً ناپسندیدہ ہے یہ جذبہ مکروہ و غیر مستحسن ہے۔ (المنکرات، ص ۳۷)

خطبہ جمعہ ختم ہونے پر پوری جماعت کا بیٹھے رہنا اور تکبیر کہتے وقت لفظ اشہد ان محمدا رسول اللہ کہنے پر اٹھنا بدعت ہے۔ آپ کے عہد مبارک میں صحابہ کا معمول تھا کہ جب خطبہ ختم ہوتا تو نماز کے لیے تکبیر سے پہلے ہی صحابہ کرام اٹھ کھڑے ہوتے۔ جمعہ میں دوران خطبہ بات کرنا لغو کام ہے۔ دوران خطبہ کسی قسم کی بات کرنی جائز نہیں، یہاں تک کہ ازراہ نصیحت اپنے پاس بیٹھنے والے کو یہ کہنا کہ چپ رہو ”فقد لغوت“ (پس اس نے لغو کیا) کے دائرہ میں آتا ہے۔

اسی طرح صفوں کے مکمل ہونے اور جگہ نہ خالی ہونے کی صورت میں جمعہ کے وقت لوگوں کی گردنیں پھانڈ کر آگے جانا ممنوع ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اجلس فقد آذیت. زاد احمد آیت.

”تم بیٹھ جاؤ تم نے لوگوں کو اذیت پہنچائی۔ اور امام احمد کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ تم ثواب حاصل کرنے میں پیچھے رہ گئے۔“

اسی طرح نمازیوں کے سامنے سے گزرنا بھی ممنوع ہے۔ نیز نماز جمعہ کے بعد نماز ظہر احتیاطی طور پر پڑھنا بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام سے جمعہ کے بعد نماز ظہر کا احتیاطاً پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

منبر کے پاس جمعہ کی اذان دینا

بعض مساجد میں دیکھا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ کے لیے منبر پر جاتا ہے تو مؤذن مسجد کے اندر منبر سے متصل ہی خطیب کے بالکل سامنے کھڑے ہو کر جمعہ کی اذان دیتا ہے۔ یہ طریقہ غیر مسنون ہے اور اس سے اذان کا مقصد بھی نہیں حاصل ہوتا۔ اذان لوگوں کے لیے وقت کی اطلاع اور نماز کی طرف بلاوا ہے۔ اسی طرح اذان مسجد کے کھلے حصہ میں عموماً اور اونچی جگہ دی جاتی ہے، تاکہ مؤذن کی آواز دور دراز تک پہنچے اور زیادہ سے زیادہ لوگ اسے سن سکیں۔ عہد رسالت میں جمعہ کی اذان صرف ایک تھی اور وہ مسجد کے کھلے حصہ میں دروازے پر دی جاتی تھی۔

حضرت سائب بن یزید سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھے تو آپ ﷺ کے سامنے مسجد کے دروازے پر جمعہ کی اذان دی جاتی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہی حال رہا کہ جمعہ کی یہی اذان خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد مسجد کے دروازے پر دی جاتی تھی۔ جب حضرت عثمان غنی کی خلافت کا زمانہ آیا اور لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے لیے مقام زوراء پر ایک اذان دلائی شروع کر دی پھر وہیں سے اس اذان کا سلسلہ چل پڑا۔ علامہ احمد محمد شاہ کراچی تعلق ترمذی (۲/۲۹۳) میں فرماتے ہیں:

ابوداؤد کی اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے تو مؤذن آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا۔ اس حدیث سے عوام الناس نے بلکہ بہت سے اہل علم نے سمجھا کہ اذان امام کے سامنے ہونی چاہیے اور انھوں نے جمعہ کے لیے زوراء مدینہ کے بازار میں ایک جگہ تھی وہاں اذان دلانے کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ خرید و فروخت میں منہمک ہیں۔ انہیں اطلاع ہو جائے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا ہے اور اپنا کاروبار بند کر کے جمعہ کے لیے حاضر ہو جائیں۔

کے لیے موذن کا مقام امام کے سامنے منبر سے متصل ہی مقرر کر دیا۔ اس طرح یہ صرف رواجی اذان ہوگئی جس کا لوگوں کو نماز کے لیے بلانے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، جب کہ اذان کا اصل مقصد لوگوں کو نماز کے لیے بلانا ہے، سنت کی اتباع تو یہ ہے کہ اذان مسجد کے دروازے پر کھلی جگہ ہوتا کہ لوگوں کو خبر دینا اور بلانا پایا جائے۔ نیز بہت سے لوگوں نے اذان جمعہ سے پہلی والی (عثمانی) اذان باقی رکھی ہے۔ جب کہ اب اس کی کوئی ضرورت نہیں، جب حضرت عثمانؓ نے اس اذان کا آغاز کرایا تھا اس وقت مدینہ منورہ میں جمعہ کی نماز صرف مسجد نبوی میں ہوتی تھی اور لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگئی تھی کہ مسجد کے دروازے پر دی جانے والی اذان بہت سے لوگوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی تو اس ضرورت کے سبب حضرت عثمان نے جمعہ کی اس اذان سے پہلے بازار میں ایک اذان دلانی شروع کر دی تھی، لیکن اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ مسجدیں تو بہت ہوگئی ہیں اور ان میں اذان کے لیے اونچے اونچے منارے بن گئے ہیں، نیز لوگ نماز کے اوقات جاننے لگے ہیں۔ پس ہم یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ اسی اذان پر اکتفا کیا جائے جو خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی ہے۔ اسی میں سنت رسول کی اتباع ہے نیز موذنوں کو حکم دیا جائے کہ وہ اذان اندر نہیں مسجد کے دروازے پر دیں۔

جب خطیب منبر پر چلا جائے

علامہ البانی رحمۃ اللہ نے طبرانی فی الکبیر کے حوالہ سے عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مرفوعاً یہ حدیث ذکر کی ہے:

اذا دخل احدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلوة ولا كلام حتى

يفرغ الامام.

”جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے اور امام منبر پر ہو تو نہ نماز پڑھے نہ کلام کرے، یہاں

تک کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے۔“

علامہ البانی فرماتے ہیں: یہ حدیث باطل ہے، اس حدیث کی سند میں ایک راوی ایوب بن نہیک ہے جس کی بابت ابن حاتم نے الجرح والتعديل (۱/۲۵۹) میں ذکر کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے سنا، وہ کہتے تھے ایوب بن نہیک ضعیف ہے۔ میں نے ابو زرہ سے کہتے ہوئے سنا، وہ فرماتے تھے: میں ایوب بن نہیک کے طریق سے نہ حدیث بیان کرتا ہوں نہ اس کی حدیث ہم پر پیش کی جاتی ہیں۔ وہ منکر الحدیث ہے اور پیشی نے مجمع الزوائد (۲/۱۸۴) میں فرمایا: یہ شخص متروک ہے۔ جماعت محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اسی لیے حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲/۵۱۹) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور بیہقی نے اپنی سنن (۳/۱۹۳) میں حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ اس لفظ کے ساتھ ”خروج الامام يوم الجمعة يقطع الكلام“ جمعہ کے دن امام کا منبر پر جانا کلام کو منقطع کر دیتا ہے، کا اضافہ حقیقتاً حضرت سعید بن المسیب کا قول ہے اور زیلعی نے بھی نصب الرأیة (۲/۲۰۱) میں اس کا اقرار کیا ہے۔

علامہ البانی فرماتے ہیں کہ میں نے (ایوب بن نہیک والی) مذکورہ بالا حدیث کو باطل جو کہا ہے اس کی سند میں ضعف کے ساتھ یہ وجہ بھی ہے کہ وہ مندرجہ ذیل دو حدیثوں کے خلاف ہے:

(۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إذا جاء أحدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين. (صحیح بخاری کتاب الجمعة باب من جاء والامام يخطب ۲/۵۲۳، رقم الحدیث ۹۳۱، صحیح مسلم کتاب الجمعة باب التحية والامام يخطب ۳/۴۲۹، رقم الحدیث ۵۷۷.

”جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن مسجد آئے اور امام منبر پر جا چکا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ دو

رکعت نماز پڑھے۔“

یہ حدیث حضرت جابر سے مروی ہے۔ حضرت جابرؓ ہی سے دوسری روایت میں ہے کہ سلیم غطفانی مسجد میں آئے اور رسول اللہ ﷺ خطبہ دے رہے تھے تو آپ نے سلیم سے فرمایا:

إذا جاء أحدكم يوم الجمعة والامام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما. (صحیح مسلم کتاب الجمعة باب التحية والامام يخطب ۳/۴۲۹، رقم الحدیث ۵۹)

”جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن مسجد میں آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو آنے والے کو دو رکعت نماز پڑھ لینی چاہیے اور وہ دو رکعت ہلکی پڑھے۔“ (گویا دو رکعت بغیر پڑھ لیے اسے نہ بیٹھنا چاہیے) اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إذا قلت لصاحبك انصت يوم الجمعة والامام يخطب فقد لغوت. (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب فی الانصات يوم الجمعة ۲/۵۲۵، رقم الحدیث ۹۳۳، صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب فی الانصات يوم الجمعة فی الخطبه ۳/۴۰۱، رقم الحدیث ۱۱)

”جمعہ کے دن جب امام خطبہ دے رہا ہو اس وقت تم نے اپنے ساتھی سے کہا چپ رہ تو تم نے لغو کام کیا۔“

پس پہلی حدیث میں صریح طور پر تاکید ہے دو رکعت پڑھ لینے کی امام کے منبر پر جانے کے بعد جب کہ ایوب بن نہیک والی مذکورہ بالا حدیث میں اس سے منع کیا گیا ہے اور بعض خطباء کی یہ بڑی نادانی ہے، جب کوئی خطبہ کے وقت مسجد میں داخل ہوتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتا ہے تو بعض خطباء اسے نماز پڑھنے سے روک دیتے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے مجھے ڈر لگتا ہے ایسے خطباء اللہ تعالیٰ کی اس وعید کے مستحق نہ ہو جائیں:

أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى عَبْدًا إِذَا صَلَّى. (العلق: ۹-۱۰)

”کیا دیکھا تم نے اس شخص کو جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔“
امام نووی نے فرمایا ہے کہ یہ نص صریح ہے، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں اور میں کسی عالم کے بارے میں یہ گمان نہیں کرتا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم صریح معلوم ہو اور پھر وہ اس کی مخالفت کرے۔

دوسری حدیث جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو کلام ممنوع نہیں ہے، صحابہ کا عمل ہے جو عہد فاروقی میں جاری تھا۔ ثعلبہ بن ابو مالک بیان کرتے ہیں کہ لوگ باتیں کرتے رہتے تھے، لیکن جب حضرت عمر بن خطاب خطبہ دینے کے لیے منبر پر کھڑے ہو جاتے تب کوئی بات نہ کرتا، یہاں تک کہ وہ دونوں خطبہ پورا کر لیتے۔ اس حدیث کو امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی مؤطا (۱۲۶/۱) میں اور طحاوی (۲۱۷/۱) نے نقل کیا ہے اور ابن ابی حاتم نے بھی العلل (۲۰۱/۱) میں اسے ذکر کیا ہے اور پہلی دونوں حدیث کی سند صحیح ہے۔

پس معلوم ہوا کہ خطیب کے صرف منبر پر چڑھتے ہی کلام ممنوع نہیں ہو جاتا ہے بلکہ ممنوع اس وقت ہوتا ہے جب وہ خطبہ شروع کر دے۔

(سلسلة الاحادیث الضعیفہ، حدیث نمبر ۸۷)

جمعہ کے دن مسجد میں گداگری

جمعہ کے دن مسجد میں گداگری بری چیز ہے۔ رہا سوال اس حدیث کا جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ”الجمعة حج المساکین“ جمعہ مسکینوں کا حج ہے یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس حدیث کو جامع صغیر میں ضعیف کہا گیا ہے۔ اسی طرح فرض نماز جمعہ سے سلام پھیرنے کے فوراً بعد یا دو چار منٹ کے بعد دو ایک آدمیوں کا صفوں کے درمیان مصلیوں کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کے سامنے ڈبہ کھڑکھڑاتے ہوئے اس لیے گزرنا کہ نمازی حضرات اس ڈبہ میں کچھ ڈال دیں، یہ طریقہ قطعاً مکروہ اور مذموم ہے۔ علامہ محدث عبد اللہ رحمانی مبارکپوری رحمہ اللہ صاحب مرعاة المفاتیح اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں:

مسجد میں کسی ضرورت مند کا سوال کرنا گواہاً جائز ہے جیسا کہ ”سنن ابی داؤد باب المسئلة فی المسجد“ کے تحت روایت کردہ حدیث سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے، لیکن سوال میں چندہ مانگنے کی مذکورہ صورت یعنی فرض نماز سے سلام پھیرنے کے فوراً بعد یا دو چار منٹ کے بعد دو ایک آدمیوں کا صفوں کے درمیان مصلیوں کے سامنے ڈبہ کھڑکھڑاتے ہوئے اس لیے گزرنا کہ مصلیان اس میں کچھ پیسے ڈال دیں، یہ طریقہ قطعاً مذموم و مکروہ ہے۔ چاہے کبھی کبھار ایسا کیا جائے یا ہر جمعہ کو التزاماً اس طرح چندہ مانگا جائے۔ عہد نبوی و عہد صحابہ کرام میں اس طرح چندہ مانگنے کا کہیں اتہ پتہ نہیں ملتا، نیز سلام کے بعد صفوں کے درمیان مقتدیوں کے سامنے اس طرح ڈبہ کھڑکھڑاتے ہوئے فرض نماز کے بعد جواز کا مشروع ہے ان میں خلل پڑنا اور انتشار پیدا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

ہر جمعہ کو والدین کی قبر پر جانا

اولاد پر والدین کے حقوق بہت زیادہ ہیں اور ان حقوق کی ادائیگی کے لیے قرآن و حدیث میں بڑی تاکید آئی ہے اور اولاد پر لازم ہے کہ ان کے حق میں دعائیں کرے، ان کی زندگی میں بھی اور ان کی وفات کے بعد بھی۔ حقوق والدین کی بابت قرآن مجید کی آیات کے ساتھ احادیث صحیحہ کا حاصا ذخیرہ ہے، لیکن غیر صحیح احادیث سے یہ باب بھی خالی نہیں ہے۔ اس سلسلے میں دو حدیثیں تحریر کی جاتی ہیں، جو صحیح نہیں ہیں۔

مشکوٰۃ جلد اول، باب زیارة القبور میں شعب الایمان للبیہقی کے حوالہ سے

یہ حدیث مرسلہ مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) من زار قبر ابویہ أو أحدهما فی کل جمعة غفر له و کتب برآ.
 (مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب زیارة القبور ۱/۵۵۳، رقم الحدیث ۱۷۶۸ و مرعاة
 المفاتیح ۵/۵۱۸)

”جس نے ہر جمعہ کو والدین کی یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کی، اسے بخش دیا جائے گا اور اسے والدین کا وفادار و نیکو کار لکھ دیا جائے گا۔“

علامہ محدث عبید اللہ رحمانی مبارکپوری صاحب مرعاة المفاتیح اس حدیث کی بابت فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کی سند پر واقف نہ ہوسکا، لیکن یہ حدیث مرسل ہے اور اس بارے میں جتنی بھی حدیثیں ہیں سب ضعیف ہیں اور علامہ محدث البانی نے اپنی تعلق مشکوٰۃ حدیث نمبر ۱۷۶۸ میں اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے اور اسے اپنی کتاب سلسلۃ الاحادیث الضعیفة جلد اول، میں طبرانی (فی الصغیر والاوسط) کے حوالہ سے بہ طریق محمد بن النعمان بن عبدالرحمان عن یحییٰ بن البجلی عن عبدالکریم ابی امیہ عن مجاهد عن ابی ہریرۃ مرفوعاً نقل کیا ہے۔ اس میں محمد بن النعمان مجہول ہے۔ یحییٰ بن العلاء کو میزان الاعتدال ولسان المیزان میں متروک قرار دیا گیا ہے۔ امام وکیع نے اسے کاذب کہا ہے اور امام احمد بن حنبل کا ریمارک اس کی بابت کذاب یضع الحدیث کا ہے کہ یہ بڑا جھوٹا تھا، حدیث گڑھتا تھا اور ابن عدی نے اس کی احادیث کو موضوع قرار دیا ہے اور اس کا شیخ ابوامیہ بھی ضعیف ہے، یہ حدیث کسی طریق سے بھی صحیح نہیں ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، حدیث نمبر ۴۹)

دوسری حدیث ہے: من زار قبر والدیه کل جمعة فقراً عندهما او عنده
 (یس) غفر له بعدد کل آية أو حرف.

”جو شخص ہر جمعہ کو اپنے والدین کی قبر کے پاس گیا اور ان کے پاس جا کر سورۃ یٰسین پڑھی

تو اسے بخش دیا جائے گا ہر آیت یا ہر حرف کی تعداد کے برابر۔“

یہ حدیث بھی موضوع ہے اور اس کی سند کا حال بھی پہلی سے بہتر نہیں ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، حدیث نمبر ۵۰)

علامہ البانی اس حدیث پر بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قبر پر قرأت قرآن کا استحباب ثابت ہوتا ہے حالانکہ احادیث صحیحہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ اسی بنا پر علماء متقدمین امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل نے بھی قبر پر قرأت قرآن کو بدعت کہا ہے، اگرچہ دوسری روایت میں امام احمد سے عدم کراہت منقول ہے اور امام محمد سے بھی عدم کراہت منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس اثر کے سبب جس میں مذکور ہے کہ انھوں نے اس بات کی وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کی قبر پر سورہ بقرہ کے ابتدائی اور آخری آیتیں پڑھی جائیں، حالانکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس وصیت کی نسبت بسند صحیح ثابت نہیں ہے اور اگر ثابت بھی ہو جائے تو دفن کے وقت قرأت کا ثبوت ہوگا، نہ کہ مطلقاً۔ پس سنت کو لازم پکڑو، بدعت سے اجتناب کرو، اگرچہ وہ لوگوں کی نظر میں اچھی لگتی ہو اس لیے کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ بحوالہ ضعیف و موضوع روایات، ص ۷۸)

نماز مغرب کے بعد نوافل کی متعین رکعات

نماز مغرب کے بعد دو رکعت سنت مؤکدہ بسند صحیح ثابت ہے۔ اس کے علاوہ نماز مغرب کے بعد کچھ متعین تعداد میں نفل نمازیں پڑھنے کی فضیلت پر مشتمل درج ذیل حدیثیں بھی بیان کی جاتی ہیں، جو صحیح نہیں ہیں۔

(۱) من صلی بعد المغرب ست رکعات لم یتکلم فیما بینہن بسوء

عدلن له بعبادة ثنتی عشرة سنة.

”جس نے نماز مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھیں کہ ان کے درمیان کوئی بدکلامی نہیں کی تو یہ چھ رکعتیں بارہ سال کی عبادت کے برابر ہوں گی۔“

یہ حدیث ”مشکوٰۃ المصابیح (۱/۳۶۸، رقم الحدیث ۱۱۷۳)، باب السنن وفضائلها“ کے فصل ثانی میں بحوالہ ترمذی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی گئی ہے اور علامہ البانی نے اسے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ (۱/۲۸۱) میں ترمذی، ابن ماجہ، قیام اللیل للمروزی اور ترمذی و تریغیب و تریہیب لابن شاہین وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔

امام ترمذی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هذا حدیث غریب لا نعرفه الا من حدیث عمر بن ابی خثعم وسمعت محمد بن اسماعیل یقول هو منکر الحدیث وضعفه جداً.

”یہ حدیث غریب ہے صرف عمر بن ابی خثعم کے طریق سے مروی ہے اور میں نے امام بخاری کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ عمر بن ابی خثعم منکر الحدیث ہے اور امام بخاری نے اسے بہت ضعیف قرار دیا ہے۔“

امام بخاری جب کسی راوی کو منکر الحدیث کہتے ہیں تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ ذہبی نے خود امام بخاری کی وضاحت پہ نقل کی ہے:

من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل رواۃ حدیثہ.

(سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ۱/۲۱۷)

”میں جس کے بارے میں منکر الحدیث کہوں اس کی حدیث روایت کرنی درست نہیں ہے۔“

ابن عدی نے بھی اس شخص کو منکر الحدیث کہا ہے۔ دیگر ائمہ جرح و تعدیل نے بھی اس پر سخت جرحیں کی ہیں۔ (مرعۃ المفاتیح بحوالہ ضعیف و موضوع روایات، ص ۷۷)

(۲) من صلی ست رکعات بعد المغرب قبل ان یتکلم غفرلہ بہا
ذنوب خمسين سنة.

”جس نے نماز مغرب کے بعد کوئی گفتگو کرنے سے پہلے چھ رکعتیں پڑھیں تو ان چھ رکعتوں کے عوض اس کے پچاس سال کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔“

اس حدیث کو محمد بن نصر مروزی نے قیام اللیل میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی کتاب العلل میں عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام ابو زرعد نے اس حدیث کو قابل رد و موضوع قرار دیا ہے اور محمد بن غزوان دمشقی (جو اس حدیث کا راوی ہے) منکر الحدیث ہے۔

(سلسلة الاحادیث الضعیفہ ۱/۴۸۱)

ابن حبان نے اس کے بارے میں فرمایا: ”لا یحل الاحتجاج بہ“ اس شخص کی حدیث سے دلیل پکڑنا درست ہی نہیں ہے۔

(۳) من صلی بین المغرب والعشاء عشرين رکعة بنی اللہ لہ بیتا فی الجنة. (سنن ابن ماجہ کتاب اقامة الصلاة باب ماجاء فی الصلاة بین المغرب والعشاء ۱/۴۳۷، رقم الحدیث ۱۳۷۳، سنن ترمذی ۲/۲۹۹)

”جس نے نماز مغرب و عشاء کے درمیان بیس رکعتیں پڑھیں اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں گھر بنائے گا۔“

اس حدیث کو ترمذی نے تعلیقاً صیغہ ترمیض (وقد روی عن عائشہ) سے ذکر کیا ہے۔ ابن ماجہ نے سنن میں اور ابن شاپین نے ”الترغیب والترہیب“ میں موصولاً یعقوب بن الولید المدائنی عن هشام بن عروة عن ابیہ عن عائشہ کے طریق سے ذکر کیا ہے۔

منذری نے ”الترغیب والترہیب“ میں کہا ہے کہ اس حدیث کے راوی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

یعقوب بن الولید کو امام احمد وغیرہ نے جھوٹا قرار دیا ہے۔ عبد اللہ نے اپنے باپ امام احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام احمد نے فرمایا: خرقنا حدیثہ منذ دھر کان من الکذابین الکبار وکان یضع الحدیث، ہم ایک زمانہ سے اس کی حدیثیں پھاڑ کر پھینک دیتے ہیں، یہ شخص بڑا جھوٹا تھا اور یہ حدیثیں گڑھتا تھا۔ ابن معین نے بھی اسے کذاب کہا ہے اور ابن حبان نے فرمایا: یضع الحدیث علی الثقات لا یحل کتب حدیثہ الاعلیٰ سبیل التعجب۔ یہ شخص حدیثیں گڑھتا ہے اور ثقہ راویوں کے حوالہ سے بیان کرتا ہے اس کی حدیثیں لکھنی درست ہی نہیں سوائے اس کے کہ کوئی اظہار تعجب کے طور پر اس کی کوئی حدیث ذکر کرے۔ اس کے علاوہ بھی ائمہ جرح و تعدیل سے اس کی بابت جرحیں منقول ہیں۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واعلم ان کل ماجاء من الاحادیث فی الحوض علی رکعات معینة بین المغرب والعشاء لا یصح وبعضه اشد ضعفاً من بعض وانما صحت الصلاة فی هذا الوقت من فعله صلی اللہ علیہ وسلم دون تعیین عدد وأما من قوله صلی اللہ علیہ وسلم فکل ماروی عنه واه لا یجوز العمل به. (سلسلة الاحادیث الضعیفه ۱/۴۸۱)

”نماز مغرب و عشاء کے مابین متعین رکعت پر ابھارنے والی جتنی احادیث بھی مروی ہیں، سب غیر صحیح ہیں۔ ان میں سے بعض ضعف میں بعض سے بڑھ کر ہیں۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفل پڑھنی ضرور ثابت ہے مگر کسی متعین عدد پر التزام کے بغیر، لیکن اس کی بابت آپ کے اقوال پر مشتمل جتنی حدیثیں بھی روایت کی جاتی ہیں، وہ سب اس قدر ضعیف ہیں کہ ان پر عمل کرنا جائز ہی نہیں ہے۔“

نفل نماز بعض ممنوع اوقات کے علاوہ ہر وقت پڑھی جاسکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر و حضر میں نفل نمازیں عدد و وقت کی تعیین کے بغیر بھی پڑھتے تھے اور جو چیز متعین نہ

ہو اس کو متعین کرنا نیز جس کا آپ ﷺ نے التزام نہ کیا ہو اس کا التزام کرنا درست نہیں ہے۔

سلام پھیرتے وقت کی بدعات

ضروری وظائف اور ادعیہ سے فراغت کے بعد بارگاہ ایزدی سے ایک مسلمان رخصت ہوتا ہے اور واپس ہوتے ہوئے سلام عرض کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

تحريمها التكبير وتحليلها التسليم. (سنن ترمذی مع التحفة ابواب الصلاة

باب ماجاء فى تحريم الصلاة وتحليلها ۲/۳۳۳، رقم الحديث ۲۳۸)

”تکبیر تحریمہ کے بعد دنیا کے سب کام حرام ہو جاتے ہیں اور سلام کے بعد دنیا کے کام حلال ہو جاتے ہیں۔“

نماز سے فراغت کا یہی صحیح اور مسنون طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ جو طریقہ اختیار کیا جائے گا وہ خلاف سنت ہوگا اور اس سے نماز میں نقص لازم آئے گا۔

دائنی طرف سلام پھیرتے وقت اعدو ذبک من النار کہنا بدعت ہے اور سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارے بھی کرنا بدعت ہے۔ ایسا کرنے والوں پر رسول اللہ ﷺ نے نکیر فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ گویا یہ ہاتھ بد کے ہوئے گھوڑوں کی دم

ہیں۔ (سنن ابی داؤد کتاب الصلاة باب فی السلام ۱/۲۶۲، رقم الحديث ۱۰۰۰+۹۹۸)

دائیں بائیں طرف سلام پھیرتے وقت جو کلمہ ثابت ہے وہ السلام علیکم ورحمة اللہ ہے۔ سلام پھیرتے وقت آپ اپنا چہرہ مبارک اتنا موڑتے تھے کہ رخسار مبارک کی چمک نظر آتی تھی۔ (سنن نسائی، کتاب السهو باب کیف السلام علی الیمین ۳/۶۲)

یہ کلمہ دائیں بائیں منہ پھیر کر کہنے کے بعد نماز مکمل ہوگئی۔ اگر مقتدی تھا تو سلام کے

بعد امام کے ساتھ تعلق ختم ہو گیا۔ اس کے بعد جو ذکر اور دعائیں کی جائیں ان میں امام کی اقتداء کا کوئی دخل نہیں، نہ ہی نماز ختم ہونے کے بعد (مروّجہ طریقے سے) اجتماعی دعا کرنا ضروری ہے۔ فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعا کو نماز کا ایک جزو سمجھ لیا گیا ہے۔ کتاب اللہ اور سنت صحیحہ اور عمل صحابہ سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے اس موقع پر جواز کا ر اور دعاؤں کے کلمات عام طور پر انفرادی شکل میں وارد ہیں۔ ان میں مفرد کے صیغے استعمال کیے ہیں، لہذا نماز کے بعد انفرادی ذکر و دعا مستحب و بہتر ہے اور یہی سنت سے ثابت ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ لابن تیمیہ ۵۲۰/۲۲)

سلام کے بعد کی بدعات

سلام پھیرنے کے بعد پوری جماعت کا ایک آواز میں استغفار کہنا بدعت ہے۔ سنت یہ ہے کہ ہر آدمی آہستہ آہستہ دل میں تین بار استغفر اللہ کہے۔ استغفار کے بعد پوری جماعت کا یا ارحم الراحمین کہنا بدعت ہے۔ فرض نماز کے بعد فوراً سنت پڑھنے کے لیے فصل مستحب ہے۔۔۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز فوراً ملا کر نہ پڑھو۔ دونوں کے درمیان یا تو کوئی بات چیت کر کے فصل کر لویا اس جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ نماز پڑھو۔

سلام پھیرنے کے بعد سر کے اوپر داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو پھیلا کر گھمانا اور پھیرنا، نماز کے بعد ہاتھوں کی انگلیوں کے سروں کو باہم ملا کر آنکھوں پر رکھنا اور اسی کے ساتھ بعض خود ساختہ دعاؤں کو پڑھنا بدترین بدعت ہے۔ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز یا لاؤڈ اسپیکر سے اجتماعی طور پر صلاۃ و سلام پڑھنا بھی بدعت ہے۔ اسی طرح سلام پھیرنے کے بعد انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومنا اور انھیں آنکھوں پر ملنا بھی بدعت ہے۔ رہی بات ان لوگوں کی جو نماز سے فارغ ہوتے ہی داہنا ہاتھ سر پر رکھ لیتے ہیں تو ان کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ

سے بسند صحیح ثابت نہیں ہے، البتہ ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ بیان کی جاتی ہے:

کان اذا صلی مسح بیدہ الیمنی علی راسہ ویقول بسم اللہ الذی لا الہ غیرہ الرحمان الرحیم اللہم اذهب عنی الہم والحزن.

”حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز سے فارغ ہوتے، اپنا داہنا ہاتھ اپنے سر پر پھیرتے اور فرماتے: اللہ کے نام سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، جو رحمن و رحیم ہے۔ اے اللہ! ہم سے فکرو غم کو دور فرما دے۔“

تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث بہت ضعیف ہے۔ اسے طبرانی اور خطیب نے کثیر بن سلیم ابو سلمہ عن انس کے طریق سے روایت کیا ہے۔ کثیر بن سلیم کو امام بخاری اور ابو حاتم نے منکر الحدیث اور نسائی و ازدی نے متروک کہا ہے اور دوسرے ائمہ جرح و تعدیل نے بھی اس کی تضعیف کی ہے۔

نیز اس روایت کو ابن السنی و ابو نعیم نے عن زید العمی عن معاویہ بن قرۃ عن انس کے طریق سے روایت کیا ہے اس سند سے یہ روایت موضوع ہے اس سند کا راوی سلامہ کذاب ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ، حدیث ۶۶۰، بحوالہ ضعیف و موضوع روایات، ص ۶۱)

وفات کے وقت اور وفات کے بعد کی چند بدعات

حالت نزاع کے وقت آدمی کے سر ہانے قرآن مجید رکھنا بدعت ہے۔ قریب المرگ آدمی سے رسول اللہ ﷺ کا اقرار کرنا بدعت ہے۔ روح پرواز کرتے وقت میت کے پاس موجود رہنے والے لوگوں کا سات دنوں تک کاروبار بند رکھنا بدعت ہے۔ میت پر زمانہ جاہلیت کی طرح رونا دھونا بدعت ہے، میت پر اظہار غم کے لیے داڑھی چھوڑ دینا بدعت ہے، کیونکہ یہ رسم ہندوانہ ہے۔ جس جگہ میت کو غسل دیا جائے اس جگہ وفات میت کے بعد تین دنوں تک روٹی اور پانی رکھنا صریح بدعت ہے، کفن پر کوئی دعا لکھنی بدعت

ہے، اسی طرح میت کی پیشانی یا کفن پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ یا کوئی بھی آیت لکھ کر رکھنا اس عقیدہ سے کہ وہ قبر کی تنکیوں سے محفوظ رہے گا اور منکر نکیر اس کے پاس نہیں آئیں گے، صریح بدعت ہے۔ میت کے ساتھ قبرستان میں آگ لے جانا بدعت ہے، ہاں رات کے وقت چراغ وغیرہ روشنی کے لیے لے جانا درست ہے۔ جنازہ کے آگے پیچھے جھنڈیاں لے کر چلنا بدعت ہے۔ قبروں کے گرد جنازہ کا طواف کرانا بھی صریح بدعت ہے۔ قبروں پر چونا وغیرہ لگانا اور کچھ لکھنا بدعت ہے۔

قرآن خوانی

نبی ﷺ کے زمانے میں بھی کئی ایک صحابہ کرام کا انتقال ہوا، ان کی مغفرت کے لیے قرآن خوانی کے لیے قرآن بھی موجود تھا، لیکن نبی ﷺ نے مغفرت کے لیے نہ نقل شریف کیے، نہ قرآن خوانی کی صرف نماز جنازہ کا اہتمام کیا اور دفنانے کے بعد قبر پر کھڑے ہو کر مغفرت کی دعا کی۔ اس اعتبار سے مردے کی مغفرت کے لیے نماز جنازہ اور دعائے مغفرت بعد از تدفین کے علاوہ آج جو کچھ کیا جاتا ہے، مثلاً قرأت قرآن، قرآن خوانی، تیجہ، ساتواں، چالیسواں وغیرہ یہ سب امور محدثات (بدعات) ہوں گے۔ البتہ ایصالِ ثواب کے وہ طریقے اختیار کرنے جائز ہیں جو مختلف احادیث سے ثابت ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان القراءة لا یصل اهداء ثوابها الى الموتی لانہ لیس من عملہم ولا کسبہم ولہذا لم یندب رسول اللہ ﷺ امته ولا حثہم علیہ ولم ینقل ذلک عن احد من الصحابة ولو کان خیرا لسبقونا الیہ فاما الدعا والصدقة فذلک مجمع علی وصولہما ومنصوص من الشارح علیہما واما الذی رواہ مسلم۔ ابی ہریرة قال قال رسول اللہ ﷺ اذا مات الانسان انقطع

عملہ الا من ثلاث من ولد صالح يدعو له أو صدقة جاریة من بعده أو علم
 یتفیع به فهذه الثلاثة فی الحقیقة هی من لسعیه و کده و عملہ.

(مختصر تفسیر ابن کثیر ۳/۴۰۴)

”قرأت قرآن (قرآن خوانی) کا اجر و ثواب مردوں کو نہیں پہنچ سکتا، کیوں کہ اس کا تعلق
 نہ مردوں کے عمل سے ہے اور نہ ان کی کمائی ہی سے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن
 خوانی کو اپنی امت کے لیے جائز قرار نہیں دیا اور نہ امت کو اس پر ابھارا اور نہ صحابہ کرام میں سے
 کسی ایک سے منقول ہے اور اگر یہ (قرآن خوانی) اچھی چیز ہوتی تو صحابہ کرام اس کی انجام دہی
 میں ہم سے سبقت لے جاتے۔ البتہ دعا اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ ایصالِ ثواب پر تقریباً
 اجماع ہے اور ان دونوں چیزوں کے ثبوت کے سلسلہ میں شارع علیہ السلام کی نص موجود ہے۔
 امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
 کہ جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے صرف تین طرح کے اعمال کام آتے ہیں۔ صالح اولاد جو
 اس کے لیے دعا کرے، صدقہ جاریہ اور اس کا وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ درحقیقت یہ
 تینوں چیزیں مردوں کی سعی و محنت اور کد و کاوش اور اس کے عمل کا ثمرہ ہیں۔“

تیجہ، ششماہی، چہلم و برسی

میت کے گھر دفن کے بعد جمع ہونا اور کھانا وغیرہ کھلانے کا اہتمام کرنا، شرعاً ممنوع
 ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

کنا نرى الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام بعد دفنه من النياحة.

(سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی النهی عن الاجتماع الى اهل الميت)

وصنعة الطعام / ۵۱۳، رقم الحدیث ۱۶۱۲، مسند احمد ۲/۲۴۵)

”ہم صحابہ کرام میت کے گھر دفن کے بعد جمع ہونے اور کھانا کا اہتمام کرنے کو نوحہ میں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

شمار کرتے تھے، یعنی حرام جانتے تھے۔“

فاتحہ، تیجہ، دسواں، ششماہی، چہلم ہندوانہ رسوم ہیں جو بعض مسلمانوں میں داخل ہو گئی ہیں چونکہ ہندوستان کے مسلم بادشاہوں کے حرم میں بعض ہندو عورتیں موجود تھیں۔ وہ اپنے ساتھ ہندوانہ رسم لے کر آئی تھیں اور وہ اس پر سختی کے ساتھ کار بند رہیں اور خود بادشاہ و ارکان سلطنت ان رسوم سے گہری دلچسپی رکھتے تھے، اس لیے شدہ شدہ لایعنی رسمیں اسلام سمجھی جانے لگیں۔ اعلانیہ طور پر ان کاموں کو خفی مسلک کا کام بتایا جاتا ہے اس لیے ہم یہاں فقہ حنفی کے اکابر علماء کی کتابوں سے مذکور رسومات کے حرام ہونے کی دلیلیں نقل کرتے ہیں، تاکہ قارئین کرام پر یہ واضح ہو سکے کہ فقہ حنفی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

یکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعده الاسبوع ونقل الطعام الی القبر فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراءة القرآن وجمع الصلحاء والفقراء للختم أو القراءة سورة الانعام أو الاخلاص. (فتاویٰ بزازیہ ۲۰۳/۱)

”پہلے دن، تیسرے دن اور ساتویں دن کھانا کھلانے کا اہتمام کرنا اور ان جیسے مواقع پر کھانا قبرستان لے جانا۔ قرآن خوانی کی دعوت دینا، صلحاء و فقراء کو ختم دلانے یا سورہ انعام یا سورہ اخلاص پڑھانے کے لیے اکٹھا کرنا یہ سب مکروہ ہیں۔“

شرح المنہاج میں ہے:

والطعام فی الایام المنصوصة کالثالث والخامس والسابع والعاشر والعشیرین والاربعین والشہر السادس والسنة بدعة ممنوعة.

”میت کے لیے مخصوص دنوں میں کھانا کھلانے کا اہتمام جیسے تیجہ، پانچواں، ساتواں،

دسواں، بیسواں، چالیسواں، ششماہی اور برسی بدعت اور ممنوع ہے۔“

علامہ کمال الدین ابن الہمام فتح القدیر شرح الہدایہ میں فرماتے ہیں:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اهل المیت لانه شرع فی السرور
ولافی السرور وهی بدعة مستقبحة. (فتح القدیر الجنائز افضل فی الدفن)
”میت کے گھر والوں کی طرف سے دعوت کا اہتمام کرنا مکروہ ہے، کیونکہ یہ چیز خوشی میں
مشروع ہے، غم میں نہیں اور یہ قبیح ترین بدعت ہے۔“
مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی فرماتے ہیں:

”اِس طور مخصوص بدعت نہ درزماں آنحضرت ﷺ بود و نہ درزماں خلفاء بلکہ وجود
آں درقرون ثلاثہ کہ مشہود لہا بالخیر اند و منقول نہ شدہ اِس بدعت صرف در ہندوستان
است۔“ (مجموعہ فتاویٰ سوم)

پھر آگے لکھتے ہیں: ”در شریعت محمدیہ ثابت نیست۔“
”اس کی اصل شرع میں نہیں ہے سوائے ہندوستان کے کسی ملک میں یہ بدعت نہیں
ہے حضور ﷺ اور عہد صحابہ کرام میں نہ تھا اور اسلام میں تیجہ ثابت نہیں ہے۔“

’دلہن کی طرح سو جا‘ کے الفاظ سے عرس کا اثبات

نم کنومة العروس (دلہن کی طرح سو جا) سے یہ استدلال کہ اولیاء دولہا دلہن کی
طرح جاگتے ہیں۔ اس لیے ان کا یوم وفات یوم عرس (شادی کا دن) ہے۔ اول تو یہ تصور
ہی غلط ہے کہ پہلی رات کو دولہا دلہن سوتے ہی نہیں ہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ وصل و
طرب کے لمحات گزار کر دونوں سو جاتے ہیں اور باقی ساری رات سو کر ہی گزارتے ہیں۔
اس لیے پہلی بنیاد ہی غلط ہے اس لیے یہ سارا استدلال بنائے فاسد علی الفاسد کی مثال
ہے۔ دوسرے یہ کہنا کہ اولیاء کا یوم وفات ان کا یوم عرس (شادی کا دن) ہے، یہ حدیث
سے کہاں ثابت ہوتا ہے؟ حدیث میں تو ایسے الفاظ نہیں ہیں جن کا یہ مفہوم ممکن ہو۔
تیسرے یہ کہ اگر تسلیم کر لیا جائے کہ یوم وفات شادی کا دن ہے تو یہ شادی کس کے ساتھ

ہوتی ہے؟ اور اس کا کیا مطلب ہے؟ چوتھے یہ کہ اولیاء اللہ کی دنیوی شادی کے دن کیا ہر سال جب شادی کا دن آتا ہے، تو ان کی دنیوی زندگی میں ہر سال شادی کی خوشی منائی جاتی ہے؟ جب دنیا میں ان کی حقیقی شادی کی سالانہ خوشی (عرس) کا اہتمام نہیں کیا جاتا تو قبر کی اس شادی (جس کی حقیقت کا علم بھی کسی کو نہیں ہے) کو ہر سال منانے کا اہتمام کرنے کا کیا تک ہے؟ اور اس میں کون سی معقولیت ہے؟ استدلال کے اس گورکھ دھندے میں کوئی بات قابل فہم نہیں۔ ایک چیتان ہے جسے صرف لفاظی کے زور پر اور عقیدت کے نام پر سادہ لوح عوام سے منوایا جا رہا ہے جو فکر و نظر سے محروم اور استدلال و استنباط کی باریکیوں سے یکسر نا آشنا ہوتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث کے ان الفاظ سے قبوری شریعت کے اخذ کردہ مفہوم کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں جب مومن صحیح جواب دے کر فارغ ہو جاتا ہے تو پھر اس کو قیامت تک کے لیے آرام و سکون کی نیند سلا دیا جاتا ہے اور قبر سے وہ اسی روز زندہ ہو کر اٹھے گا جب اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو اٹھائے گا۔ ذرا حدیث کے پورے الفاظ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ مفہوم کس قدر واضح ہے۔

نم کنومة العروس لا یوقظہ الا احب اہلہ الیہ حتی یبعثہ اللہ من مضجعه ذلک. (جامع ترمذی کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر ۳۸۳/۳، رقم الحدیث ۱۰۷۱، طبع مصر)

”دلہن کی طرح سو جا جسے صرف وہی اٹھاتا ہے جو اہل خانہ میں سے اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، تا آنکہ اس کو اللہ تعالیٰ اس آرام گاہ سے (قیامت والے) دن اٹھائے گا۔“
مومن چونکہ اللہ کا محبوب ہوتا ہے اور اللہ اس کا محبت جیسا کہ آیت:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمْ اللّٰهُ. (آل عمران: ۳۱)

سے ثابت ہے، اس اعتبار سے اس کو کہا جا رہا ہے کہ مرنے کے بعد اب تو اپنے محبت (اللہ

تعالیٰ) کی بارگاہ میں آگیا ہے اور اتباع رسول کے نتیجے میں تجھے درجہ محبوبیت پر فائز کر دیا گیا ہے۔ اب تو ہمیشہ کے لیے آرام کی نیند سوجا۔ جس طرح دلہن کو اس کا محبت (دولہا) ہی آکر اٹھاتا ہے۔ اسی طرح قیامت والے دن تجھے بھی تیرا محبت ہی تجھے اٹھائے گا، یعنی اللہ ہی تجھے اس ابدی نیند سے بیدار کرے گا۔

اس حدیث میں تو واضح طور پر کہا جا رہا ہے کہ سوال و جواب کے بعد مومن کو قیامت تک کے لیے آرام کی نیند سلا دیا جاتا ہے اور بریلوی حضرات فرماتے ہیں کہ مومن قبر میں سوتا ہی نہیں ہے۔ جاگتا رہتا ہے اور اس پر مزید یہ ردہ چڑھاتے ہیں کہ وہ جاگتے ہیں، اس لیے ان کا عرس (شادی کی خوشی) مناؤ اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان سے مدد مانگو، ان کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھو۔ فانا لله وانا الیہ راجعون۔

علامہ اقبال نے سچ کہا ہے

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

عرس کی حقیقت

آئیے ہم آپ کو بتلاتے ہیں کہ عرس کی اصل حقیقت کیا ہے؟ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ عرس کا یہ طریقہ جو ہندو پاک کے بریلوی حلقوں میں رائج ہے، عہد صحابہ و تابعین اور اس کے کئی صدیوں کے بعد تک اسلامی معاشرے میں موجود نہیں تھا۔ صدیوں بعد جب مسلمان اصل اسلام سے نا آشنا ہو گئے اور مشرک قوموں سے ان کا میل جول ہوا تو ان کے اختلاط سے اسلام سے بے خبر مسلمانوں کے اندر کئی مشرکانہ عقائد و اعمال آ گئے۔ تاریخ کے مختلف ادوار یا عالم جہاں آباد کے مختلف اطراف میں جہاں مختلف افکار و تصورات رائج ہیں وہاں ایک تصور مشرک قوموں میں یہ رہا ہے کہ خالق کائنات اور مخلوق

کے مابین محبت کی نوعیت اس طرح ہے، جس طرح ایک ماں اور اولاد کے درمیان ہوتی ہے۔ اس تصور کے تحت خالق کائنات کا مظہر دیویاں قرار پائیں اور مختلف دیویوں کو پوجا جاتا رہا۔ جیسے آج بھی ہمارے ملک میں درگا دیوی، پاروتی، سرسوتی، دیوی اور لکشمی دیوی وغیرہ کی پرستش ہوتی ہے۔

ایک تصور یہ بھی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان محبت کا تعلق ایسا ہے جیسے باپ اور بیٹوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اس تصور کے تحت خدا رسیدہ بزرگوں کو خدا کا بیٹا قرار دیا گیا اور پھر انھیں خدائی اختیارات کا حامل باور کرا کے دیوتا کے درجہ پر فائز کر دیا گیا اور ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی گئی۔

ایک تیسرا تصور یہ بھی رہا ہے کہ اللہ اور انسانوں کے درمیان اس طرح کا رشتہ محبت ہے جس طرح دولہا دلہن یا میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے۔ اس تصور کے تحت کنواری عورتوں کو عبادت گاہوں میں وقف کیا جانے لگا۔ وہ ساری عمر شادی نہیں کرتیں جس طرح ہندوؤں کے مندروں میں دیوداسیاں اور گرجوں میں عیسائی نون ہوتی ہیں۔ اس تجرد (کنوارے پن) نے انھیں بتدریج خدا کی محبوبائیں یا بیویاں بنا دیا اور یوں انھیں بھی خدائی تقدس اور الہی صفات کا حامل سمجھا جانے لگا۔

یہی تیسرا تصور جاہل مسلمانوں میں آیا اور ملنگوں کا ایک طبقہ معرض وجود میں آ گیا جو عورتوں کی طرح رنگ برنگ کے کپڑے پہنتا ہے۔ ہاتھوں اور پیروں میں کڑے اور چوڑیاں پہنے رہتا ہے، عورتوں کی طرح ناچ گا کر اپنے میاں یعنی اللہ تعالیٰ کو مناتا ہے۔ اسی تصور نے مزید پھیلتے پھیلتے بزرگوں کے یوم وفات کو یوم عرس (شادی کا دن) یا یوم وصال یار بنا دیا۔ یعنی وفات پا کر یہ بزرگ اپنے خواجہ (اللہ میاں) کی حرم سرا میں پہنچ گئے۔ اس اعتبار سے یہ ان کی شادی کا دن ہے یا وصال یار (محبوب کی ملاقات) کا دن ہے۔ اسی لیے بزرگوں کے لیے اس حلقے میں وفات کا لفظ نہایت معیوب سمجھا جاتا ہے اور

وفات کو وصال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ان کی وفات کے دن عرس (شادی) کے نام سے وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو شادی کے موقع پر کیا جاتا ہے۔ قبر کو غسل دیا جاتا ہے، ریشمی چادریں اس پر ڈالی جاتی ہیں، حتیٰ کہ رسم مہندی بھی ادا کی جاتی ہے، پھر تبرک کے نام پر شیرینی تقسیم ہوتی ہے اور لنگر بانٹا جاتا ہے۔ سلامی کے طور پر نذرانے چڑھائے جاتے ہیں۔ مزاروں کے بوسے لیے جاتے ہیں اور ہار پھولوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ ہے عرس کی وہ حقیقت جس کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ (قبر پرستی ایک حقیقت پسندانہ جائزہ، ص ۱۰۰) — فاعاذنا اللہ منہ۔

بزرگان دین کی قبروں پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام شریعت اسلامیہ میں ان کا کوئی جواز نہیں

پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ نے اپنی امت کو جتنی تاکید کے ساتھ شریکہ امور سے بچنے رہنے کی ہدایت فرمائی تھی، افسوس ہے کہ آپ کی یہ نام لیوا امت اسی قدر مشرکانہ عقائد و اعمال میں مبتلا ہے اور اپنے پیغمبر کی تمام ہدایات کو فراموش کر چکی ہے۔ آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں فرمادیا تھا:

ألا وان من كان قبلکم كانوا يتخذون قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد
ألا فلا تتخذوا القبور مساجد انى انهاکم عن ذلك. (صحیح مسلم کتاب
المساجد باب النهی عن بناء المسجد علی القبور ۱۶/۳، رقم الحدیث ۲۳)

”لوگو! کان کھول کر سن لو تم سے پہلی امت کے لوگوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں، اولیاء اور صالحین کی قبروں کو عبادت گاہ (مساجد) بنا لیا تھا۔ خبردار تم نہ (ان کی طرح) قبروں کو مساجد (عبادت گاہ) بنا لینا۔ میں تم کو اس سے روکتا ہوں۔“

آپ ﷺ نے مرض الموت میں یہود و نصاریٰ کے اس مشرکانہ عمل پر لعنت فرمائی

جس کا مقصد اپنی امت کو اس عمل سے بچانا تھا، چنانچہ آپ نے فرمایا:

لعن اللہ اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد.

(صحیح مسلم ۱۵/۳، رقم الحدیث ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲)

”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ

بنالیا۔“

ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں:

اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبيائهم مساجد.

(مسند احمد ۵/۲۰۴)

”اس قوم (یہود و نصاریٰ) پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب نازل ہوا جس نے اپنے نبیوں کی

قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔“

اسی طرح آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو خود اپنے بارے میں غلو کرنے سے روکا،

کیونکہ یہ غلو عقیدت ہی مشرکانہ عقائد و اعمال کا بنیادی محرک ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

يا ايها الناس انا محمد بن عبد الله و رسوله و الله ما احب ان ترفعوني

فوق ما رفعنى الله. (مسند احمد عن انس البدايه و النهايه ۶/۳۴)

”لوگو! میں عبد اللہ کا بیٹا محمد ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔ بخدا مجھے ہرگز یہ پسند نہیں ہے کہ

مجھے اس درجہ سے بڑھاؤ جس پر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سرفراز فرما دیا ہے یعنی نبوت رسالت کے

مقام سے بھی بڑھانے لگ جاؤ۔“

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

لا تطروني كما اطرت النصارى ابن مريم فانما انا عبده فقولوا عبد الله

ورسوله. (صحیح بخاری کتاب الانبياء باب قول الله تعالى واذكر في الكتاب

مريم ۶/۵۱۹، رقم الحدیث ۳۴۳۵)

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

”میری عزت و توقیر میں اس طرح مبالغہ اور غلو نہ کرنا جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم کے ساتھ کیا میں تو صرف اس کا بندہ ہوں۔ اس لیے مجھے صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہنا (خدائی صفات و اختیارات سے مجھے متصف نہ کر دینا)۔“

مولانا حالی مرحوم نے اس حدیث کو کیا خوب شعری پیکر میں ڈھالا ہے:

نہ تربت کو میری بنانا صنم تم نہ کرنا میری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی

کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور اپیلچی بھی

اپنی قبر کے متعلق بھی آپ ﷺ نے اپنی امت کو تنبیہ فرمائی:

لا تجعلوا قبوری عیداً. (عون المعبود ۱۷۱/۲)

”میری قبر کو عید مت بنانا یعنی زیارت کے لیے اجتماع نہ کرنا جیسے عید پر اجتماع کرتے ہو۔“

حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

هذه اشارة الى سد مدخل التحريف كما فعل اليهود والنصارى بقبور

انبيائهم وجعلوها عيداً وموسماً بمنزلة الحج. (حجة الله البالغة ۲/۷۷، طبع مصر)

”اس فرمان سے دین میں تحریف کے دروازے بند کرنا مطلوب ہے کہ یہ امت بھی یہود

و نصاریٰ کی طرح اپنے بزرگوں کی قبروں کو حج کی طرح موسم اور عید ہی نہ بنا ڈالے۔“

اس کے علاوہ آپ ﷺ نے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائی:

اللهم لا تجعل قبوری وثناً يعبد. (مسند احمد ۳/۸۷، طبع ثانی مصر)

”اے اللہ میری قبر کو بت بننے سے بچائیو کہ اس کی پرستش کی جائے۔“

معلوم ہوا کہ کسی قبر کو خاص قابل تعظیم سمجھنا، اسے پتھر کی صورتوں کی طرح بت بنانا

اور سمجھنا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

وقول النبی ﷺ اللهم لا تجعل الخ. دليل على ان القبور قد تجعل اوثانا وهو رسول الله ﷺ خاف من ذلك فدعا الله ان لا يفعله بقبوره واستجاب الله دعائه رغم انف المشركين الضالين الذين يشهون قبر غيره بقبوره.

(كتاب الرد على الاخفاني على هامش، ص ۲۳۳)

”نبی ﷺ کی مذکورہ دعا اس بات پر دلیل ہے کہ قبریں بھی بت بن جاتی ہیں اس لیے نبی ﷺ اس بات سے ڈر گئے تھے کہ کہیں میری قبر بت نہ بن جائے اور آپ نے اللہ سے دعا کی کہ میری قبر کے ساتھ ایسا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔“
ایک اور مقام پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

وهم دفنوه صلى الله عليه وسلم في حجرة عائشة خلاف ما اعتادوه من الدفن في الصحراء لنلا يصلى احد عند قبره ويتخذ مسجدا فيتخذ قبره وثناً. (العقود الدرية، ص ۳۳۸)

”آپ ﷺ کو خلاف معمول کسی کھلی جگہ میں دفن کرنے کے بجائے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں اسی لیے دفن کیا گیا تاکہ کوئی شخص آ کر وہاں نماز اور عبادت نہ کرے، اس طرح آپ کی قبر بت بن جاتی۔“

خود ائمہ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ بھی فرماتی ہیں:

لولا ذلك أبرز قبره غير انه خشي ان يتخذ مسجداً. (صحيح بخارى كتاب الجنائز باب ماجاء في قبر النبي ﷺ ۳/۳۲۶، رقم الحديث ۱۳۹۰، صحيح مسلم كتاب المساجد باب النهي عن بناء المساجد ۳/۱۵، رقم الحديث ۱۹)

”اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ آپ کی قبر کو عبادت گاہ (مسجد) بنا لیا جائے گا تو آپ ﷺ کی قبر چار دیواری کے اندر بنانے کی بجائے کسی کھلے مقام پر بنائی جاتی۔“

اسی طرح آپ ﷺ نے تین مقامات کے علاوہ کسی چوتھے مقام کی طرف تقرب

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

الہی کی نیت سے سفر کرنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ واضح الفاظ میں آپ کا ارشاد ہے:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد. (صحیح بخاری کتاب فضل الصلاة

فی مسجد مکة والمدینة ۳/۸۱، رقم الحدیث ۱۱۸۹، صحیح مسلم کتاب الحج باب

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد ۵/۱۸۰، رقم الحدیث ۵۱۱)

”تین مسجدوں بیت اللہ، بیت المقدس اور مسجد نبوی کے علاوہ کسی چوتھی جگہ کا سفر حصول

ثواب کی غرض سے نہ کیا جائے۔“

۱۔ حضرت بصرہ بن ابی بصرہ غفاری نے جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کوہ طور کی زیارت سے واپس آتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں نے پہلے آپ کو دیکھا ہوتا۔ تو وہاں جانے نہ دیتا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مساجد ثلاثہ کے علاوہ شدرحال سے منع فرمایا ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ تین مساجد کے علاوہ حصول ثواب کے لیے کسی بھی جگہ کا سفر ہی جائز نہیں، کیونکہ اگر یہ مطلب نہیں لیا جائے گا تو تجارت، طلب علم، جہاد، کسی رشتہ دار سے ملاقات یا کسی نیک آدمی سے ملاقات وغیرہ، کسی بھی کام کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہوگا، جب کہ اس کا کوئی قائل نہیں۔ تمام علماء، فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ مذکورہ مقاصد کے لیے سفر کرنا جائز ہے، کیونکہ مذکورہ مقاصد کے لیے سفر کرنے میں کسی مخصوص جگہ کا تقدس پیش نظر نہیں ہوتا اور حدیث زیر بحث کا اصل مقصد یہ ہے کہ کسی جگہ کو مقدس و متبرک سمجھ کر قرب الہی کے حصول کے لیے سفر نہ کیا جائے، کیونکہ اس مقصد کے لیے تین مساجد ہی کے لیے سفر جائز ہے، مثلاً کوہ طور کو لے لیجئے، کوئی شخص اس مقصد کے لیے وہاں جائے کہ یہ پہاڑ اس کے لیے مقدس ہے کہ یہاں اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔ وہاں جانے سے مجھے بھی خصوصی اجر و قرب الہی حاصل ہوگا تو اس نقطہ نظر سے یہ سفر اس حدیث کے خلاف ہوگا البتہ ایک تاریخی مقام کے دیکھنے کے نقطہ نظر سے اس کا سفر جائز ہوگا۔ حدیث کے اس مفہوم کے پیش نظر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ اور دیگر بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ جو کوئی مسلمان مدینہ منورہ جانے کا ارادہ کرے تو زیارت اور تقرب کے لیے اس کی نیت مسجد نبوی کی ہونی چاہیے۔ جب وہ مسجد نبوی میں پہنچ جائے تو نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کا موقع مل جائے گا۔ یوں حدیث رسول کے خلاف بھی اس کا عمل نہیں ہوگا اور قبر مبارک کی زیارت کا شرف بھی اسے حاصل ہو جائے گا۔..... (باقی اگلے صفحہ پر)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اس امتناعی حکم کے ذریعہ سے آپ نے کسی بھی قبر کی طرف بقصد تعظیم و زیارت جانے سے منع فرما دیا ہے۔ جس طرح دور جاہلیت میں عرب مشرکین کے یہاں رواج تھا، جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

(گزشتہ سے پیوستہ)

یہ احتیاط کی ایک عمدہ مثال تھی، لیکن قبوری شریعت نے امام ابن تیمیہ کے اس نقطہ نظر کو مسخ کر کے اس بنیاد پر انہیں بدنام کرنے کی مذموم سعی کی ہے، حالانکہ امام موصوف نے یہ نہیں کہا ہے کہ قبر نبوی کی زیارت ناجائز ہے، بلکہ استحباً تسلیم کر لیتے ہیں۔ البتہ حدیث رسول کے تقدس کے پیش نظر اس حدیث کی تلقین کرتے ہیں کہ سفر کرتے وقت نیت مسجد نبوی کی رکھی جائے وہاں جا کر پھر قبر مبارک کی زیارت بھی کر لی جائے۔

امام موصوف کا یہ نقطہ نظر مذکورہ دلائل شرعیہ اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے کردار و عمل کے بالکل مطابق ہے۔ کاش اہل علم، بدعت و تعصب کی عینک اتار کر اسے دیکھیں اور یہ روایت کہ اذا تحیروتم فی الامور فاستعینوا باہل القبور۔ یعنی جب تم مشکلات میں گھر جاؤ تو اہل قبور سے مدد مانگو، یہ حدیث محدثین کے نزدیک بالاتفاق موضوع ہے اور من گھڑت ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ قبروں پر دعا مانگنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اتفاقاً کسی وجہ سے قبر کے پاس دعا کا وقت آ گیا، جیسے دعا کرتا ہوا راستہ میں جا رہا ہے کہ قبر آگئی تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ سمجھ کر کہ فلاں شخص کی قبر کے پاس دعا زیادہ قبول ہوگی تو یہ قطعاً ممنوع ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ عام حالات میں ایسی جگہوں پر نماز پڑھنا اتنا برا نہیں ہے جتنا حالت اضطرار میں کسی کا ان قبروں کے پاس دعا مانگنا۔ اس لیے کہ اس صورت میں بندہ حاجت روائی اور مقصد براری کے لیے ہر ممکن صورت اختیار کرتا ہے اور اچھے اچھے خوش عقیدہ اور صحیح الخیال لوگ بھی ایسے حالات کا شکار ہو جاتے ہیں اور نفس انہیں یہ دھوکہ دیتا ہے کہ اضطراری حالت میں تو مردار بھی حلال ہو جاتا ہے، حالانکہ یہ نفس کی اتباع کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اس کا حاصل شرک جلی ہے کہ جس کے سر کو اللہ کے سامنے جھکنا تھا کہ وہ دروغ پر پڑا ہوا ہے۔ "اقتضاء الصراط المستقیم۔"

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات

تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من

وكان اهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمة بزعمهم ويزورونها ويتبركون بها وفيه من التحريف والفساد ما لا يخفى فسد النبي ﷺ الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر بالشعائر ولئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله والحق عندي ان القبر ومحل عبادة ولي من اولياء الله والطور كل ذلك سواء في النهي. (حجة الله البالغة، ۱/۱۹۲)

”دور جاہلیت میں لوگ ایسے مقامات پر جاتے تھے جو ان کے گمان میں بڑے بابرکت ہوتے تھے، ان کی تعظیم و زیارت اور حصول برکت کے لیے جاتے تھے۔ اس سے چونکہ عبادت لغیر اللہ کا دروازہ کھلتا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بگاڑ کی اس جڑ کو (حکماً) بند کر دیا اور میرے نزدیک قبریں بھی اس میں داخل ہیں کہ ان کی طرف قصد کر کے قربت الہی کے لیے سفر کیا جائے۔“

دوسری جگہ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

كل من ذهب الى بلدة اجمير او قبر سالار مسعود او ما ضاحاها لا جل حاجة يطلبها فانه اثم اثم اكبر من القتل والزنا اليس مثله الا مثل من كان يعبد المصنوعات او مثل من كان يدعوا للات والعزى.

(التفهيمات الالهية، ۲/۴۹، طبع جدید حیدرآباد سندھ)

”جو شخص بھی اجمیر شہر خواجہ معین الدین اجمیری کی قبر پر یا سالار مسعود اور ان جیسے دیگر بزرگوں کی قبروں پر طلب حاجت کی غرض سے جاتا ہے، وہ ایسے سخت گناہ کا ارتکاب کرتا ہے جو قتل اور زنا سے بڑھ کر ہے اور ایسا شخص ان ہی لوگوں کی طرح ہے جو اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کی پرستش کرتے ہیں۔ یا ان کی طرح ہے جو لات و عزیٰ کو حاجت براری کے لیے پکارتے ہیں۔“

ان احادیث اور فرمودات اکابر سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبروں، مزاروں اور درگاہوں کو قابل تعظیم سمجھنا، ان کی قبر پر سالانہ میلے لگانا، قبروں پر حصول برکات اور

زیارت کی غرض سے جانا، قبروں پر اذان دینا، قبروں پر چادر غلاف، پھول اور مالے چڑھانا، چراغ و بتی کرنا اور قبروں کو غسل دینا، انھیں چومنا، بوسہ دینا، اہل قبور سے استمداد و استعانت، قبروں کا طواف کرنا اور انھیں عبادت گاہ بنانا اور تقرب الہی کے لیے سفر اختیار کرنا، یہ سب امور مشرکانه ہیں، جو ہمیشہ مشرک قوموں کا شعار رہا ہے، جس پر وہ اللہ کے غضب اور لعنت کی مستحق قرار پائیں مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ دور حاضر کے بعض مسلمانوں کا برادران وطن کی طرح یہ عقیدہ ہے کہ ہر کنکر ان کا شکر ہے۔ ہزاروں آستانوں اور درگاہوں اور مزاروں پر حاضری دینا ضروری سمجھتے ہیں اور اپنے پیدا کرنے والے کو چھوڑ کر مشائخ و اولیاء کی قبروں پر جا کر مرادیں اور منتیں مانگتے ہیں الفاظ سخت ضرور ہیں اور شاید بعض نازک طبائع پر گراں بھی گزریں، مگر دل و جگر میں جو گھاؤ ہیں ان کے پیش نظر حق کا اعلان کرنا ہی پڑتا ہے۔

ہے مریدوں کو تو حق بات گواریہ لیکن
شیخ و ملا کو بری لگتی ہے درویش کی بات

قبروں کو پختہ کرنے یا ان پر گنبد وغیرہ بنانے کی ممانعت کے
بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات

قبروں کو پختہ بنانے، ان پر قبے و گنبد بنانے اور کسی قسم کی عمارت تعمیر کرنے یا ان کے ساتھ مسجد بنانے کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ ان چیزوں سے ان کی پوجا پاٹ کا دروازہ کھلتا ہے۔ ہم یہاں درج ذیل چند احادیث تحریر کرتے ہیں:

(۱) عن جابر قال نہی رسول اللہ ﷺ ان یجصص القبر وان یقعد علیہ وان یبنی علیہ. (صحیح مسلم کتاب الجنائز باب النهی عن تجصیص القبر ۴۲/۴، رقم الحدیث ۹۷۰، جامع ترمذی ۱/۱۷۰، کتاب الجنائز، طبع نور محمد کراچی)

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، ان کے اوپر بیٹھنے اور ان پر عمارت تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے۔“

(۲) عن ابی الھیاج الاسدی قال قال علی ابن ابی طالب الا ابعثک علی ما بعثنی علیہ رسول اللہ ﷺ ان لا تدع تمثالاً الا اطمسته ولا قبراً مشرفاً الا سوتیه.

(صحیح مسلم کتاب الجنائز باب الأمر بتسویة القبر ۴/۴۱، رقم الحدیث ۹۶۹)
 ”حضرت ابو ہبیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علی نے فرمایا کہ کیا میں تجھے ایسے کام کے لیے مقرر نہ کروں جس کے لیے مجھے رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا اور وہ یہ ہے کہ جو بھی تصویر ہو اسے مٹا ڈالو اور جو قبر بھی اونچی ہو اسے زمین کے برابر کر دو۔“
 امام نووی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فیه ان السنة ان القبر لا یرفع عن الارض رفعاً کثیراً ولا یُسَمُّ بل یرفع نحو شبر ویسطح. (صحیح مسلم کتاب الجنائز باب الأمر بتسویة القبر ۴/۴۲)
 ”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سنت یہ ہے کہ قبر زمین سے زیادہ اونچی نہ کی جائے اور نہ کوہان بنائی جائے، بلکہ صرف ایک بالشت اونچی رکھی جائے۔ (جیسا کہ دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے) اور چھت کی طرح رکھی جائے۔“
 یہ حدیث جامع ترمذی میں بھی ہے امام ترمذی یہ حدیث درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

حدیث علی حدیث حسن والعمل علی هذا عند بعض اهل العلم یکرهون ان یرفع القبر فوق الارض قال الشافعی اکره ان یرفع القبر الا بقدر ما یعرف انه قبر لکیلا یوطأ ولا یجلس علیہ.

(جامع ترمذی ۱/۱۷۰، کتاب الجنائز طبع نور محمد کراچی)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

”حضرت علیؓ کی یہ حدیث حسن ہے۔ بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے، وہ یہ ناپسند کرتے ہیں کہ قبر زمین سے اونچی رکھی جائے۔ (یعنی زمین کے برابر رکھنا بہتر ہے) امام شافعی فرماتے ہیں کہ میں قبر کو زیادہ اونچی کرنا ناپسند کرتا ہوں۔ قبر صرف اتنی اونچی رکھی جائے کہ جس سے یہ معلوم ہو کہ یہ قبر ہے تاکہ کوئی اسے نہ روند سکے اور نہ اس پر بیٹھ سکے۔“

(۳) ان ثمامة بن شفی حدّثہ قال کنا مع فضالة بن عبید بارض الروم برودس فتوفی صاحب لنا فامر فضالة بن عبید بقبرہ فسوی ثم قال سمعت رسول اللہ ﷺ یأمر بتسویتها. (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر ۴/۴۱، رقم الحدیث ۹۶۸، ابوداؤد ۳/۳۲۱۹، ونسائی ۴/۸۸)

”ثمامہ بن شفی بیان کرتے ہیں کہ ہم سرزمین روم کے جزیرہ رودس میں حضرت فضالہ بن عبید کے ساتھ تھے کہ ہمارے ایک ساتھی کا وہاں انتقال ہو گیا۔ تو حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے (ساتھی کو دفنانے کے بعد) حکم دیا کہ اس قبر کو (زمین کے) برابر کر دیا جائے۔ پھر حضرت فضالہ نے فرمایا کہ (میں نے یہ حکم اس لیے دیا ہے) کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بھی قبروں کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے۔“

(۴) اپنی حیات مبارکہ کے آخری لمحات میں نبی ﷺ نے فرمایا:

لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبور انبیائہم مساجداً.

”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔“ دوسری روایت کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

ألا وإن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبیائہم وصالحیہم مساجد ألا فلا تتخذوا القبور مساجد انی انہاکم عن ذلك. (صحیح

مسلم کتاب المساجد باب النهی عن بناء المساجد ۳/۱۶، رقم الحدیث ۲۳)

”خبردار تم سے پہلے لوگوں نے اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔“

یاد رکھنا تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنالینا میں تمہیں اس سے روکتا ہوں۔“

قبریں سجدہ گاہ اور عبادت گاہ اسی وقت بنتی ہیں جب انہیں پختہ بنالیا جاتا ہے۔ یا اس پر کوئی گنبد اور عمارت تعمیر کر دی جاتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث بھی قبروں کو پختہ بنانے یا ان پر گنبد وغیرہ بنانے کی ممانعت کی دلیل ہے۔

(۵) عن علی قال کان رسول اللہ ﷺ فی جنازة فقال ایکم ینطلق الی المدینة فلا یدع بها وثناً الا کسره ولا قبراً الا سواه ولا صورةً لا لطحها فقال رجل انا یا رسول اللہ فانطلق فہاب اهل المدینة فرجع فقال علی انا انطلق یا رسول اللہ ﷺ قال فانطلق ثم رجع فقال یا رسول اللہ ﷺ لم ادع بها وثناً الا کسرتہ ولا قبراً الا سويتہ ولا صورتاً الا لطحتها ثم قال رسول اللہ ﷺ من عاد لصنعة شئی من ہذا فقد کفر بما انزل علی محمد ﷺ. (الفتح الربانی ترتیب مسند احمد بن حنبل الشیبانی ۸/۷۰-۷۲، دار الحدیث قاہرہ مصر)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک جنازہ میں شریک تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر فرمایا تم میں سے کون ہے جو مدینہ میں موجود ہر بت کو توڑ ڈالے، ہر قبر کو برابر کر دے اور ہر تصویر کو مٹا ڈالے۔ ایک شخص نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں اس کام کے لیے تیار ہوں چنانچہ وہ گیا اور اہل مدینہ سے ڈر کر واپس آ گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پیش کش کی کہ اے اللہ کے رسول میں جا کر یہ کام کرتا ہوں، چنانچہ وہ گئے اور واپس آ کر انہوں نے رپورٹ دی کہ میں نے ہر بت کو توڑ ڈالا، ہر قبر کو زمین کے برابر کر دیا اور ہر تصویر کو مٹا ڈالا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”آئندہ اس قسم کا کوئی کام کسی نے کیا تو اس نے یقیناً اس دین کا انکار کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوا۔“

بعض ضروری وضاحتیں

گزشتہ صفحات میں مُسْنَم اور مُسْطَح کے الفاظ آئے ہیں۔ مُسْنَم کا مطلب ہے کہ قبر کو کوہان نما بنانا اور مُسْطَح کا مطلب ہے کہ چھت کی طرح مربع (چوکور شکل) میں قبر بنانا بعض علماء مُسْطَح قبر بنانے کے بھی قائل ہیں۔ تاہم جمہور علماء مُسْنَم (کوہان نما) ہی کے قائل ہیں، کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ نبی ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں کوہان نما بنائی گئی تھیں۔ (احکام الجنائز للالبانی ص ۱۵۴، الطبعة الاولى ۱۹۶۹ء)

اسی طرح بعض روایات میں قبروں کو زمین کے برابر کرنے کا حکم آیا ہے۔ اس کا مطلب بالکل زمین کے ساتھ برابر کر دینا ہے، بلکہ دوسری روایات کے ساتھ ملا کر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زمین سے زیادہ اونچی قبر نہ بنائی جائے، بلکہ زمین سے ایک باشت اونچی رکھی جائے جس طرح کہ نبی ﷺ نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم کی قبر ایک باشت رکھی تھی۔ (ملاحظہ ہو: الفتح الربانی، ۷۵/۸)

سنن بیہقی کی ایک اور روایت بھی ہے جسے علامہ البانی نے حسن کہا ہے اس میں ہے کہ نبی ﷺ کی قبر مبارک بھی زمین سے تقریباً ایک باشت اونچی بنائی گئی تھی۔

(ملاحظہ ہو: السنن الكبرى للبیہقی ۳/۴۱۰، احکام الجنائز للالبانی ۱۵۳، ۲۰۹)

(۶) عن ابن عباس قال لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسُّرج. (سنن أبي داود كتاب الجنائز في زيارة القبور ۲/۲۱۸، رقم الحديث ۳۲۳۶، سنن الترمذی مع التحفة، كتاب الصلوة، باب ماجاء في كراهية ان يتخذ على القبر مسجداً ۲/۲۲۵-۲۲۶، رقم الحديث ۳۱۹، سنن نسائی كتاب الجنائز باب التغليظ في اتخاذ السُّرج على القبور ۳/۹۴-۹۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور آپ نے ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں پر

مساجد بناتے اور ان پر چراغ بتی کرتے ہیں۔“

افسوس کہ ہمارے یہاں لوگوں نے مذہب کو کاروبار بنا لیا ہے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ قبروں سے مانگنے اور ان کو سجدہ گاہ بنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ خدا سے مانگنے کے لیے کسی وسیلے کی ضرورت نہیں۔ اللہ سے جو مانگیں براہ راست مانگیں، لیکن ہم لوگ اسلام کے منع کرنے کے باوجود مزاروں پر چادریں چڑھاتے ہیں، غسل دیتے ہیں، چراغ بتی کرتے ہیں، حالانکہ مزاروں پر جو کچھ ہوتا ہے یہ سب شرک ہے۔ ہمیں لاکھوں روپے کی چادریں چڑھانے کے بجائے ننگے بدن لوگوں کا تن ڈھانپنا چاہیے، لاکھوں روپے کے عرق گلاب کو مزار دھونے پر ضائع کرنے کی بجائے وہ رقم ہمیں غریبوں میں بانٹنی چاہیے۔

فقہ حنفی سے قبروں کو پختہ بنانے کی ممانعت کی صراحت

(۱) امام ابوحنیفہ کے تلمیذ خاص اور فقہ حنفی کے مدون اول امام محمد اپنی کتاب الآثار

میں لکھتے ہیں:

ارفعوا القبر حتی يعرف انه قبر فلا یؤطا قال محمد وبه ناخذ ولا نری

ان یزاد علی ما خرج منه ونکره ان یجصص او یطین او یجعل عنده مسجدا

و علم ان ینکب علیہ ویکره^۱ الاجران بینی به او یدخل القبر ولا نری برش

۱۔ فقہ حنفی کی مذکورہ کتابوں میں یکره، نکره (کرہ ہے) کے جو الفاظ آئے ہیں اس کا مطلب

کراہت تحریمی ہے، کراہت تنزیہی نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ دعویٰ کرتے ہیں اور پھر اس بنیاد پر

مذکورہ کاموں کا جواز مہیا کر لیتے ہیں۔ ہماری اس بات کی دلیل فقہ حنفی ہی میں بیان کردہ یہ اصول ہے

کہ جب فقہاء کے کلام میں کراہت کا لفظ مطلقاً استعمال ہو تو اس کراہت سے مراد تحریم (حرام ہونا)

ہے، چنانچہ فتاویٰ شامی میں ہے۔ واعلم ان المکره اذا اطلق فی کلامهم فالمراد منه

التحریم (رد المختار شرح در مختار ۱/ ۲۰۷، طبع قدیم مصر)۔

الماء باسا وهو قول ابی حنیفہ اخبرنا ابو حنیفہ قال حدثنا شیخ لنا یرفعه الی النبی ﷺ انه نهی عن تریع القبور وتحصیصها قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفہ. (کتاب الآثار ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراچی ۱۴۰۷ھ، ص ۵۲)

”قبر اتنی او ٹچی کرو کہ وہ قبر معلوم ہوتا کہ وہ روندی نہ جاسکے۔ امام محمد کہتے ہیں یہی ہمارا مسلک ہے۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ قبر سے جو مٹی نکلتی ہے اس سے زائد مٹی قبر پر نہ ڈالی جائے۔ ہمارے نزدیک یہ بھی مکروہ (حرام) ہے کہ قبر کو پختہ کیا جائے یا اس کو مٹی سے لپٹا جائے یا اس کے پاس مسجد یا کوئی علامت قائم کی جائے، یا قبر کے اندر اس کا استعمال کیا جائے۔ البتہ قبر پر پانی کے چھڑکاؤ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ہمیں امام ابو حنیفہ نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے یہ مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے قبر کو چوکور بنانے اور پختہ کرنے سے منع کیا ہے۔ امام محمد کہتے ہیں یہی ہمارا مسلک ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔“

(۲) امام ابو حنیفہ کے دوسرے شاگرد خاص قاضی محمد یوسف اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

عن ابی حنیفہ عن ابراہیم انه کان یکرہ ان یجعل علی القبر علامۃ وان یضع علی اللحد آجر وان یجصص القبر.

(کتاب الآثار، ص ۸۴، الطبعة الاولى قاہرہ مصر)

”امام ابو حنیفہ اپنے استاد ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اس بات کو مکروہ (حرام) جانتے ہیں کہ قبر پر کوئی علامت (نشانی) رکھی جائے یا قبر پر پختہ اینٹ استعمال کی جائے اور قبر کو پختہ کیا جائے۔“

(۳) فقہ حنفی کی معتبر ترین کتاب الہدایہ میں ہے:

ویکرہ الآجر والخشب لانہما لاحکام البناء والقبر موضع البلی ثم بالآجر اثر النار فیکرہ تفاعولا.

(الہدایہ مع فتح القدر ۱۳۹/۲، فصل فی الدفن، طبع مصر ۱۹۷۰ء)

”قبر کے لیے پختہ اینٹ اور لکڑی کا استعمال حرام ہے، اس لیے کہ یہ دونوں چیزیں کسی عمارت کو پختہ بنانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں جب کہ قبر (پختگی کے بجائے) بوسیدگی کی جگہ ہے۔ علاوہ ازیں پختہ اینٹ میں آگ کا اثر ہوتا ہے تو بطور تقاول بھی اس کا استعمال مکروہ ہے۔“

(۴) فتاویٰ عالمگیری میں، جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ اسے پانچ سو حنفی علماء نے مرتب کیا ہے، لکھا ہے:

ويسنم القبر قدر الشبر ولا يربع ولا يجصص ولا باس برش الماء عليه ويكره ان يبنى على القبر او يقعد او ينام عليه او يقضى حاجة الانسان من بول او غائط او يعلم بعلامة من كتابة ونحوه ويكره عند القبر مالم يعهد من السنة والمعهود منها ليس الا زيارته والدعاء عنده قائما. (فتاویٰ عالمگیری ۱/۱۶۶، مطبع امیریہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

”قبر ایک بالشت اونچی کوہان نما بنائی جائے چوکور نہیں۔ اسے پختہ نہ کیا جائے البتہ پانی چھڑکنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور حرام ہے کہ قبر پر کوئی عمارت بنائی جائے، یا اس پر بیٹھا یا سویا جائے، یا اسے رونداجائے، یا وہاں پانچخانہ پیشاب کیا جائے، یا کوئی کتبہ نشانی قائم کی جائے۔ قبر کے پاس وہ سارے کام حرام ہیں جو سنت سے ثابت نہیں اور سنت سے صرف دو ہی باتیں ثابت و معروف ہیں، ایک قبر کی زیارت، دوسری وہاں کھڑے ہو کر ان کے حق میں دعا کرنا۔“

(۵) اسی طرح کی نصوص فقہ حنفی کی مندرجہ ذیل معتبر کتابوں میں بھی وارد ہوئی ہیں:

بحر الرائق (۲/۲۰۹)، بدائع الصنائع از امام کاسانی (۱/۳۲۰)،
فتح القدیر (۱/۲۷۲)، فتاویٰ ہندیہ (۱/۶۰۱)، ردالمختار (۱/۱۶۶)،
فتاویٰ بزازیہ (۳/۸۱)، کنز الدقائق (ص ۵۰۰)۔

مالکیہ کا مسلک بھی اس مسئلہ میں تحریم ہی کا ہے چنانچہ قرطبی مالکی اپنی تفسیر میں، فصل اول کی پانچویں حدیث حضرت عائشہ صدیقہ کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”ہمارے علماء نے بیان کیا ہے کہ انبیائے کرام اور علماء کی قبروں کو مسجد بنانا مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔“ (شرح مسلم للنووی ۷/۳۷، طبع مصر)

امام شافعی اپنی کتاب ”الام“ میں تحریر فرماتے ہیں:

”مکہ مکرمہ کے علماء قبروں پر بنی ہوئی عمارت کو گرا دینے کا حکم دیتے تھے۔“

(الام بحوالہ قبروں پر مساجد کی تعمیر اور اسلام، ص ۴۴)

اس مسئلہ میں علماء حنبلیہ بھی تحریم کے قائل ہیں جیسا کہ کتب فقہ حنبلی کی شروح میں ہے۔ بعض علماء نے تو یہ بھی تصریح کی ہے کہ قبروں پر تعمیر شدہ مساجد کے اندر نماز باطل ہے اور ایسی مسجدوں کو مسمار کر دینا واجب ہے۔

یہ ہیں کتاب و سنت اور علمائے اسلام کی واضح نصوص مگر قبوری شریعت کو اصرار ہے کہ قبروں کو پختہ کرنا اور ان پر قبے اور گنبد وغیرہ بنانا ضروری ہے، حالانکہ آپ نے پتھر کے بت توڑ دیے، اینٹ اور چونے سے بنی ہوئی قبروں کو ڈھا دیا۔ آپ نے جاری و ساری وثنیت پر ضرب کاری لگائی جو مقدس و صالح زندہ و مردہ شخصیتوں کی پرستش کی صورت میں جلوہ گر تھی۔ مجھے یقین ہے کہ ساری دنیا اور ہندوستان میں تمام مسلمان جس قدر نقصان اٹھا رہے ہیں، وہ غیر اللہ کی پرستش کا نتیجہ ہے۔ ہندوستان میں آپ سب سے بڑی اقلیت ہیں اور پوری دنیا میں انڈونیشیا کے بعد مسلمان دوسرے نمبر پر ہیں مگر آپ کی تباہی اور آپ کی ذلت اور مصیبت کی اصل وجہ صرف یہ ہے کہ نفس کی پیروی، خاندانی رسم و رواجوں کی پیروی اور اللہ کے سوا دوسرے انسانوں کی پرستش نے آپ کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ سینوں میں جو بت خانے بنے ہیں، سب سے زیادہ ضروری بلکہ مسلمان ہونے کے لیے اولین شرط ان بتوں کو توڑنا ہے:

سمجھ میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے

تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

مسلمانوں کا تو اولین فرض یہ تھا کہ پوری دنیا کو توحید کی دعوت دیتے مگر وائے ناکامی یہ مسلمان خود شرک و وثنیت کا مظہر بن گئے ہیں:

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا
علامہ اقبال سہیل علیگ نے دور حاضر کے مسلمانوں کا کیا ہی خوب نقشہ کھینچا ہے:

تو نے بت توڑ دیے کتنے صنم خانوں کے
خود مگر معتکف کلیر و اجمیر رہا
کبھی کاغذ کو کبھی قبر کو پوجا تو نے
بت پرستی سے کبھی جی بھی تیرا سیر رہا
یہی کروت ہیں تیرے تو سن اے نگ سلف
تو رہا ہند میں اب تک تو بہت دیر رہا
اس سے بڑھ کر ابھی آئی ہے تباہی تجھ پر
عقل کا تیری اسی طرح اگر پھیر رہا

زیارت قبور اور دعا کا مسنون طریقہ

- قبرستان جانا مسنون عمل ہے، لیکن مخصوص قبروں (جو مزار یا درگاہ کہلاتی ہیں) پر جانے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ وہ قبرستان کے حکم میں نہیں ہے۔
- کسی قبرستان میں جا کر یا کسی بزرگ کا نام لے کر اس طرح دعا کرے کہ بحرمت فلاں یا فلاں کے صدقے یا اللہ میرا فلاں کام کر دے، میری حاجت پوری فرما دے، فلاں مشکل سے نجات عطا فرما دے۔ یہ صورت مشرکانہ تو نہیں مبتدعانہ ضرور ہے یعنی غیر مسنون طریقہ دعا ہے۔ نبی ﷺ نے اس طرح کبھی دعا نہیں

مانگی، صحابہ کرام نے بھی اسی طرح دعا نہیں کی، کسی صحیح حدیث سے اس طرح دعا کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ بنا بریں دعا کے لیے کسی قبر پر جانے کی ضرورت نہیں، بغیر کسی واسطے اور وسیلے کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے البتہ نیک اعمال کے واسطے اور وسیلے سے دعا کرنی جائز ہے، مثلاً یہ کہ یا اللہ میں نے فلاں کام محض تیری رضا کے لیے کیا تھا، اس کے واسطے اور وسیلے سے میری دعا قبول فرمالے۔

○ اسی طرح شب برأت، محرم، عیدین، جمعہ اور دیگر خاص ایام و مواقع پر قبرستان جانا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں۔ قبرستان جب چاہیں جائیں خصوصی موقعوں پر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔

○ اپنے کسی عزیز خاص کی قبر پر مغفرت کی دعا کرنی جائز ہے۔

○ قبرستان میں جانے کا مقصد موت^۱ کی یاد دہانی اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ متحضر کرنا ہے۔

○ قبر پر پھول وغیرہ چڑھانے کا رواج بھی غیر مسنون ہے، اس سے اجتناب ضروری ہے۔

○ قبروں پر چراغاں کرنا بھی ناجائز ہے۔ ایک تو یہ بدعت ہے دوسرا اضاعت مال ہے، تیسرا آتش پرستوں کی نقل اور ان کی مشابہت ہے۔

○ بعض لوگ استغاثہ عن القبور (قبروں میں مدفون بزرگوں سے روحانی فیض حاصل کرنے) کو تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ وہ بزرگوں کی قبروں پر چلہ کشی یا مراقبہ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ان سے فیض حاصل ہوگا۔ یہ تصور بھی غلط

۱۔ موت کو موت ہی کہنا چاہیے، اصل عربی لفظ بھی یہی ہے۔ موت کو وصال سے تعبیر کرنے میں عقیدے کی وہی غلطی کارفرما ہے کہ مقربان بارگاہ الہی کو موت نہیں آتی۔ صرف دنیا سے ظاہری پردہ فرما جاتے ہیں اور اللہ سے جا ملتے ہیں۔ وصال کے لفظی معنی بھی ملنے کے ہیں۔ اس لیے موت کو وصال سے تعبیر کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

ہے۔ اگر قبروں سے یہ استغاثہ جائز یا ممکن ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین نبی ﷺ کی قبر مبارک سے ضرور روحانی فیض و برکت حاصل کرتے، لیکن کسی صحابی نے ایسا نہیں کیا۔ اس لیے استغاثہ عن القبور بھی صوفیوں کی ایک بدعت ہے جس سے شرک کا راستہ ہی ہموار ہوتا ہے۔

○ قبرستان میں جا کر یہ مسنون دعا پڑھی جائے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ. (صحیح مسلم کتاب

الجنائز باب ما يقال عند دخول القبور ۴/۴۸، رقم الحدیث ۱۰۴)

”اے خاموش گھروں کے مومن و مسلمان ساکنو! تم پر سلامتی ہو۔ اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت کے طالب ہیں۔“

○ اس مسنون دعا یا ان کی مغفرت اور عذاب سے نجات کے لیے اپنی زبان میں دعا کرنے کے علاوہ کسی اور چیز کا ثبوت نہیں، جس طرح کہ لوگ فاتحہ پڑھ کر یا کوئی قرآنی سورت پڑھ کر مُردوں کو بخشتے ہیں یا ان کی مغفرت کی دعا کے لیے اس طریقے کو ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ طریقہ بالکل غلط ہے۔ مُردوں کے لیے فاتحہ خوانی یا قرآن خوانی کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ نہ اس طریقے سے ان کے حق میں مغفرت کی دعا ہی ہوتی ہے، کیونکہ فاتحہ یا قرآن مجید کی کسی اور سورت میں مُردوں کی مغفرت کے لیے کوئی دعائیہ لفظ نہیں ہیں۔ دعائیہ الفاظ تو اسی دعا میں ہیں جو نبی ﷺ نے ہمیں قبرستان والوں کے لیے سکھلائی ہے۔ جس کے الفاظ اوپر نقل کیے گئے ہیں، اس لیے صرف یہی دعا قبرستان میں جا کر کرنی چاہیے۔ یہ دعا یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں مردوں کی مغفرت کے لیے دعا کریں۔

زیارت قبر نبوی ﷺ کی شرعی حیثیت اور اس کا مسنون طریقہ

زیارت قبور کے مسائل میں ایک نہایت اہم مسئلہ زیارت قبر نبوی ﷺ ہے۔ یہ تو ہر صاحب علم جانتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

لا تتخذوا قبوری عیداً وصلوا علی حیثما کنتم فان صلواتکم تبلغنی.

(مشکوٰۃ المصابیح ۱/۲۹۲، رقم الحدیث ۹۲۶)

”میری قبر کو عید (میلہ) نہ بنانا، تم جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو تمہارا درود مجھ تک پہنچ

جاتا ہے۔“

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے:

لا تتخذوا قبوری وثناً یعبدا اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور

أنبیائہم مساجد. (حوالہ مذکور، بحوالہ قاعدہ عظیمہ امام ابن تیمیہ، تحقیق

جدید دار العاصمہ ریاض، ۱۴۱۱ھ)

”میری قبر کو تم بت مت بنالینا کہ اس کی پوجا شروع کر دی جائے۔ (یاد رکھنا) اس قوم پر

اللہ کا سخت عذاب نازل ہوا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ (عبادت گاہ) بنالیا۔“

ان دونوں حدیثوں کا مفاد یہ ہے کہ نبی ﷺ کی قبر مبارک کو سد ذریعہ کے طور پر

زیارت گاہ نہ بنایا جائے، کیونکہ یہی چیز کسی بھی قبر کے عید (میلہ) یا عبادت گاہ بننے کا ذریعہ

ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کسی کھلی جگہ پر بنانے کے بجائے حضرت عائشہ کی

حجرے میں بنائی گئی، تاکہ لوگوں کی وہاں آمد و رفت زیادہ نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ صحابہ

کرام کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لیے آیا کرتے

تھے۔ اسی طرح دوسرے شہروں سے بھی لوگ خلفائے اربعہ (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ) سے ملنے اور دربار

خلافت میں بہت سے مسائل کے حل کے لیے حاضری دیا کرتے تھے اور خلفائے راشدین کا دربار خلافت مسجد نبوی ﷺ ہی تھا، لیکن لوگ زیارت قبر نبوی ﷺ کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ نہ کوئی وہاں جاتا ہی تھا اگر صحابہ و تابعین کے دور میں زیارت قبر نبوی کا یہ معمول ہوتا تو یقیناً کتابوں میں اس کا ذکر ہوتا۔ اہل تاریخ و اہل سیر کی خاموشی واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ عہد خیر القرون میں زیارت قبر نبوی ﷺ کو شرعی لحاظ سے بجا طور پر وہ اہمیت نہیں دی گئی جو اہمیت اس مسئلہ کو خیر القرون کے بعد عہد فساد و فتن میں دے دی گئی ہے، بلکہ قبر نبوی کی زیارت کی فضیلت میں حدیثیں گڑھ لی گئی ہیں، حالانکہ اس کی بابت کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کل حدیث روى فی زیارة قبره فانہ ضعیف بل کذب موضوع.
 (قاعدہ عظیمہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص ۸۵، بحوالہ قبر پرستی ایک حقیقت پسندانہ جائزہ، ص ۱۸۴)
 اس کی دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ پر صلوة و سلام پڑھنے کا حکم ہے۔ سلام تو التحیات میں السلام علیک ایہا النبی کے الفاظ میں پڑھ لیا جاتا ہے اور درود شریف بھی التحیات کے بعد پڑھ لیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر اوقات میں بھی درود پڑھا جاتا ہے اور اس کی بابت نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ تم جہاں کہیں ہو درود مجھ تک فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اذان کے بعد جو شخص بھی اللهم رب ہذہ الدعوة التامة والصلوة القائمة آت محمدن الوسيلة والفضيلة وابعثہ مقاماً محمودان الذی وعدتہ پڑھے گا۔ اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جائے گی اس دعا کے ذریعہ سے نبی ﷺ کے حق میں دعائے خیر ہو جاتی ہے گویا چوبیس گھنٹوں یا شب و روز میں کم از کم پانچ مرتبہ یہ دعائے خیر اور متعدد مرتبہ صلوة و سلام ہر مسلمان آپ کے

لیے پڑھتا ہے۔ اس لیے قبر مبارک پر جانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، کیونکہ قبر پر جا کر بھی یہی کام کرنا مسنون ہے۔ جو ایک مسلمان دن اور رات میں متعدد مرتبہ کرتا ہے صحابہ کرام اور تابعین عظام نے جو شریعت کے صحیح رمز شناس تھے۔ اسی وجہ سے زیارت قبر نبوی ﷺ کو معمول بنانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اب سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ کی قبر اطہر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھا جائے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل نقل ہوا ہے کہ وہ الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھا کرتے تھے۔ اس لیے اگر کوئی یہ پڑھنا چاہے تو یہ بھی پڑھ سکتا ہے، البتہ اس کا عقیدہ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ آپ یہ صلوٰۃ و سلام سن بھی رہے ہیں۔

بعض روایات میں جو یہ آتا ہے کہ قریب سے درود پڑھنے والے کی آواز میں سنتا ہوں، اس طرح کی روایات سنداً صحیح نہیں ہیں۔ اس لیے سنانے کی نیت سے نہ پڑھا جائے صرف سنت سمجھ کر سلام پڑھا جائے کہ آپ ﷺ ہی کا فرمان ہے کہ: ”جب قبر والوں کے پاس سے گزرو تو ”السلام علیکم یا اهل القبور“ پڑھا کرو اور درود ابراہیمی بھی پڑھا جا سکتا ہے۔“

بی بی کی صحنک

بی بی کی صحنک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے بطور ایصال ثواب کی جاتی ہے۔ اس کے خاص آداب میں یہ بات بھی ہے کہ اس کو کھانے والی کوئی ایسی عورت نہ ہو جس نے دوبارہ شادی کی ہو اور کھاتے وقت کوئی مرد نہ دیکھے، وغیرہ وغیرہ۔

عہد مغلیہ کے آخری دور میں دہلی اور اطراف دہلی میں شاید ہی کوئی گھر محفوظ رہا ہو جو اس قبیح رسم میں مبتلا نہ تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ شرک و بدعت، کفر و ضلالت، خرافات و منکرات کے مٹانے میں حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید کا کلیدی رول رہا ہے۔ حضرت شاہ

خانہ ساز شریعت اور آئینہ کتاب و سنت

اسماعیل شہید کو کون نہیں جانتا، جن کا سیدہ قرآن و حدیث سے معمور تھا۔ ان جیسے مفسر، محدث، مجاہد، مناظر بہت کم پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام مولانا محمد ابراہیم میرسیا لکوٹی رحمہ اللہ ”تاریخ اہل حدیث“ میں لکھتے ہیں:

”علامہ اقبال جب یورپ کے دورے سے واپس لوٹے تو میری ان کے مکان پر ملاقات ہوئی۔ مجھ اہل حدیث کو دیکھ کر ڈاکٹر علامہ اقبال نے کہا: اگر علامہ محمد

لوگوں کی یہی منطوق ہے کہ اہل حدیث ایک نیا گروہ اور فرقہ ہے۔ کسی گروہ کی جدت اور قدامت معلوم کرنے کے لیے دیکھا جاتا ہے کہ اس فرقہ کا منسوب الیہ کون ہے۔ مثلاً بنی آدم حضرت آدم سے منسوب ہو کر آدمی کہلاتے ہیں تو ان کا نسب حضرت آدم سے جاملتا ہے، لیکن اہل حدیث کی نسبت حدیث کی طرف ہے اور حدیث محمد ﷺ کے اقوال و اعمال کا نام ہے تو گویا اہل حدیث محمد ﷺ کا گروہ ہیں اور اہل حدیث کے پیشوا اور بانی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

اہل حدیث غلو اور شخصیت پرستی کے اتنے مخالف ہیں کہ کبھی کبھی ان میں بعض کی زبان سے ایسے کلمات نکل جاتے ہیں جو کسی کے حق میں بظاہر گستاخی کا پہلو لیے ہوتے ہیں، مگر حقیقت میں یہ گستاخی نہیں ہوتی بلکہ غیرت تو حید اور جذبہ اتباع سنت کا مظاہرہ ہوتا ہے، لیکن مخالفین ان کلمات کے ایک پہلو کو لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہل حدیث اولیاء اللہ اور صالحین کے دشمن ہوتے ہیں، ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، حالانکہ ایسی بات نہیں بلکہ بات دوسری ہے۔ اگر ہم نے انبیاء و صالحین کے حق میں غلو کیا تو یہ اللہ کے ساتھ گستاخی ہے، اسی لیے اہل حدیث تقلید کے بھی مخالف ہیں، کیونکہ یہی غلو اور شخصیت پرستی کا دروازہ ہے اور مسلمانوں کی سیکڑوں سالوں کی تاریخ اس پر شاہد عدل ہے۔ یہ اللہ کا بڑا اکرم ہے کہ اس نے کتاب و سنت کے سارے ذخائر کو محفوظ رکھا ہے، تاکہ یہ امت گمراہی سے بچے اور ہمیشہ اپنی ہدایت و رہنمائی اور رشد و ہدایت کے اصلی سرچشمہ سے سیرابی حاصل کرتی رہے، چنانچہ اہل حدیثوں کے پاس کتاب و سنت ہی دلیل ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن و حدیث یا صرف کتاب سے یا صرف سنت سے ثابت ہو وہ ان کے لیے قابل قبول بلکہ واجب العمل ہے اور وہی دلیل ہے۔ وہ اپنے عمل کی ہر دلیل کتاب و سنت سے پکڑتے ہیں اور اپنے قول و دعویٰ کی ہر دلیل بھی کتاب و سنت سے دیتے ہیں، کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے: ترکت فیکم امرین لن

تضلوا ماتمسکتکم بہما کتاب اللہ و سنتہ رسولہ۔ (الحدیث) (باقی اگلے صفحہ پر)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اسماعیل شہید جیسا ایک اور اہل حدیث محدث مجاہد ہو جاتا تو مسلمانان ہند کی قسمت میں کبھی ذلت نہ ہوتی۔“

(گزشتہ سے پیوستہ)

امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابو داؤد، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام ابن جوزی اور دیگر محدثین کرام رحمہم اللہ اپنے کواہل حدیث ہونے کا کیوں اعلان کر رہے ہیں۔ قائد انقلاب شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کون تھے؟ جنہوں نے یمن و حجاز میں قرآن و حدیث کی اشاعت لسانی اور قلمی جہاد سے کی اور کفر و شرک اور بدعات و خرافات کا قلع قمع کیا۔ عرب کی زمین میں توحید و سنت کے پرچم کو بلند کیا۔ توحید و سنت کے لیے ان کی خالص محنت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج سعودی عرب واحد ملک ہے جہاں اسلامی نظام حکومت قائم ہے اور شرک و بدعت اور قبر پرستی سے وہ زمین پاک و صاف ہے۔ ہندوستان میں حدیث کے خادموں میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ وہ ہیں جنہوں نے پورے برصغیر میں انقلاب برپا کر دیا اور شرک و بدعت کا قلع قمع کیا۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے بہت صحیح ان کا تعارف کرایا ہے:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان اللہ نے ہر وقت کیا جس کو خبردار
گروں نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے فرزند شاہ عبدالعزیز دہلوی شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالغنی شاہ ولی اللہ دہلوی کے پوتے حضرت شاہ اسماعیل شہید ہندوستان کی تاریکی میں چمکتے ہوئے چراغ ثابت ہوئے۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید کی معرکہ الآرا کتاب ”تقویۃ الایمان“ ہے۔ توحید کے موضوع پر اس سے زیادہ واضح اور طاقتور کتاب آج تک نہیں لکھی گئی۔ اس کتاب سے لاکھوں کو ہدایت ملی۔ یہ کتاب توحید کی منجیق ہے۔ یہ سب حدیث رسول کے خادم تھے۔ دہلی میں شیخ الکل فی الکل میاں محمد نذیر حسین محدث دہلوی کو کون نہیں جانتا۔ انہوں نے ساٹھ سال دہلی میں درس حدیث دیا اور ۲۶ ممالک کے طلبہ نے ان سے علم حدیث کو مکمل کیا، جن کے شاگردوں میں پچاس شاگرد ریاستوں کے نواب ہوئے اور پچاس شاگرد شارح سنن ابی داؤد و محدث شمس الحق عظیم آبادی، شارح سنن ترمذی عبدالرحمن محدث مبارکپوری کی طرح محدث اور مفسر کے مرتبہ کو پہنچے، یعنی برصغیر میں انیسویں صدی میں ان جیسا محدث

کوئی پیدا نہیں ہوا۔ میاں صاحب کے شاگرد رشید علامہ عبدالمنان وزیر آبادی..... (باقی اگلے صفحہ پر)
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

بی بی کی صحنک کے سلسلہ میں ایک دلچسپ و عبرت آموز واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

گاے گا ہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

شاہ امیر خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان سے مرزا ثریا جاہ نے بیان کیا کہ اکبر شاہ دہلی کی بہن تھیں، جنھیں بی چھکو کہتے تھے۔ یہ اکبر شاہ سے بہت بڑی تھیں اور انھوں نے اکبر شاہ کو گود میں کھلایا تھا، اس لیے بادشاہ بھی ان کا بہت ادب و احترام کرتے تھے اور تمام شہزادے شہزادیاں غرضیکہ تمام ارکان سلطنت ان کو بڑا مانتے تھے اور تمام اہل قلعہ ان سے دبتے تھے۔ وہ کونسنے اور گالیاں دینے میں بہت مشہور تھیں۔

ایک دفعہ چند شہزادوں، شہدوں اور لفنگلوں نے مشورہ کیا کہ ایک دن بھرے مجمع میں بی چھکو سے شاہ اسماعیل شہید کو گالیاں دلانی چاہیے اور اس کے لیے یہ تدبیر کی گئی کہ ان شہزادوں نے ایک دعوتی جلسہ تجویز کیا، جس میں بی چھکو کو بھی مدعو کیا اور اسماعیل شہید کو بھی اور جو شہزادے و لفنگے ہم مذاق و ہم مشرب تھے ان کو بھی دعوت دی گئی اور جوان کے ہم مذاق نہ تھے ان کو مدعو نہیں کیا گیا اور اس عرصہ میں کارروائی کی گئی کہ بی چھکو کو خوب بھردیا گیا کہ اسماعیل بی بی کی صحنک کو منع کرتا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کی گیارہویں کو منع کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ اور یہ کرتا ہے اور وہ کرتا ہے۔ جب بی چھکو کے کان بھر دیے تو جلسہ منعقد کیا گیا۔ سب لوگ جلسہ میں آئے اور بی چھکو بھی آئیں اور پس پردہ بیٹھیں۔ اتفاق سے

(گزشتہ سے پیوستہ) جو استاد پنجاب کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آنکھوں سے نابینا تھے۔ علامہ محمد ابراہیم میرسیالکوٹی فرماتے ہیں: علامہ محدث عبدالمنان وزیر آبادی جب حدیث پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ حدیث رسول کا دریا بہ رہا ہے اور یہ شخص ابھی ابھی مدینۃ الرسول سے حدیث سن کر آیا ہے، جب آپ کا انتقال ہوا تو شیخ الاسلام فاتح قادیان علامہ ثناء اللہ امرتسری نے بے ساختہ کہا:

”آج ہندوستان کا امام بخاری دنیا سے رخصت ہو گیا۔“

بارہ دفعہ آپ کی نماز جنازہ ہوتی رہی۔ ایسے مقدس گروہ کے ساتھ ہمارا تعلق و محبت قائم رہے، اس ملک کے اندر بھی ہر گھر میں قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی رہیں، یہی میری دعا ہے۔

شاہ اسماعیل شہید کو ذرا دیر ہو گئی اس پر ان لوگوں کو مزید موقع مل گیا اور انھوں نے بی چھکو سے کہا کہ دیکھئے، یہ شخص اسماعیل کتنا مغرور ہے کہ اب تک نہیں آیا، اس پر بی چھکو اور زیادہ برہم ہو گئیں۔ غرضیکہ شاہ اسماعیل شہید جلسہ میں پہنچے، اس وقت بی چھکو کو لوگ خوب گرم کر چکے تھے، ان کے پہنچنے پر بی چھکو نے غصہ کی آواز سے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز کا بھتیجا اسماعیل آ گیا۔ شاہ اسماعیل شہید جلسہ کا رنگ تاڑ گئے کہ آج ضرور کوئی شرارت کی گئی ہے۔ آپ نے تو اس کا کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا: انا، یہ آواز تو چھکوا ماں کی معلوم ہوتی ہے۔ ماں السلام علیکم۔ جب شاہ اسماعیل شہید نے اس انداز سے گفتگو کی تو بی چھکو کا غصہ کا فور ہو گیا اور انھوں نے بڑوں کے قاعدوں سے ان کے سلام کا جواب دیا اور ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے کہا: اسماعیل! ہم نے سنا ہے کہ تم بی بی کی صحت کو منع کرتے ہو؟ علامہ اسماعیل شہید نے فرمایا: میں نہیں منع کرتا، بھلا میری کیا مجال ہے کہ میں بی بی کی صحت سے منع کروں۔ بی چھکو نے کہا: لوگ کہتے ہیں۔

شاہ اسماعیل شہید نے کہا: جو کوئی کہتا ہے، غلط کہتا ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ بی بی کے ابا جان (حضرت محمد ﷺ) منع کرتے ہیں، میں لوگوں کو بی بی جان (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے ابا جان کا حکم سناتا ہوں۔ اس پر بی چھکو نے حیرت کے لہجے میں فرمایا: بی بی جان کے ابا منع کرتے ہیں۔ شاہ شہید نے فرمایا: جی ہاں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد۔ (الحديث)

شاہ اسماعیل شہید نے یہ حدیث پڑھ کر اس کی تفصیل بتائی اور اس سے صحت کی ممانعت ثابت کی۔ بی چھکو نے جو یہ دل پذیر مؤثر تقریر سنی تو مان گئیں اور کہا کہ اب اگر کوئی عورت ایسا کرے گی تو اس کی ناک چٹیا کاٹ لوں گی۔ ہم بی بی جان (فاطمہ رضی اللہ عنہا) پر ایمان نہیں لائے ہیں، ابا جان (حضرت محمد ﷺ) پر ایمان لائے ہیں۔ جب وہی منع کرتے ہیں پھر ہم کیوں کریں۔ (روایات الطیب)

خاتمة الكتاب

اسلام کا ابتدائی دور خیر و برکت ہدایت و سعادت کی دولت سے مالا مال اور ہر قسم کی آمیزش سے پاک و صاف تھا، کیونکہ صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ دین، محدثین کرام اور اس کے بعد کے علمائے حق نے اسلام کی حقیقی تعلیم حاصل کی اور غیر دینی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لیے انتھک جدوجہد فرمائی اور سرفروشی سے ان کا مقابلہ کیا اور پوری زندگی گلشن اسلام کی آبیاری میں گزاری اور جب کبھی اسلامی عقائد و افکار کے خلاف کوئی فتنہ اٹھا، اسلام کے ان سرکف مجاہدوں نے تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر باطل قوتوں کی سرکوبی میں تن من دھن کی بازی لگا دی۔ تب جا کر اسلام کی اصلی تصویر کو محفوظ رکھا مگر افسوس کہ شرک و بدعت، خرافات و منکرات نے بالآخر اسلام کی اصلی تصویر کو مسخ کر ڈالا اور مسلمان ان فتنوں سے نہ بچ سکے۔ جو گزشتہ قوموں میں موجب ضلالت ہو چکے تھے۔ یہ مسلمان ہی تھے، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے بھی ان سنتوں پر عمل کرنے والوں کی گردنوں پر ہتھیار رکھے، یا سنت نبوی کی جگہ پر شرک و بدعت اور خرافات و منکرات سے دین کی اصلی تصویر کو مسخ کر ڈالا۔

ضرورت ہے کہ مختلف گروہوں، فرقوں اور پگڈنڈیوں سے الگ ہو کر مسلمان کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام کر اسی پر متحد ہو جائیں۔ آپ ﷺ کی آخری وصیت ہے:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتہما بہما کتاب اللہ و سنتی.

”دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے تمہیں دو چیزیں دے کر جاتا ہوں جب تک تم قرآن و حدیث کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے ایک اللہ کی کتاب دوسری میری سنت۔“

راہ نجات اسی میں ہے کہ مسلمان کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھام کر اسی پر متحد ہو جائیں۔ یہ ایمانی و عملی اتحاد اللہ کی رحمت و نصرت کے نزول کا بڑا سبب ہے۔ اس سے توحید اور اعمال صالحہ کی وہ دنیا و جود میں آئے گی جو مسلمانوں کے لیے خیر و برکت کا پیغام ہوگی اور اللہ کی نصرت و تائید کے نزول کا سبب بھی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

(آل عمران: ۱۰۳)

”اور سب مل کر اللہ کی رسی (کتاب و سنت) کو مضبوطی سے تھامے رہو اور متفرق نہ ہو اور اللہ کا وہ احسان یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے (جہنم) کے کنارے آگے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اسی طرح تم سے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم سچی راہ پر قائم رہو۔“

دین و دنیا کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اسلام کی اولین بنیاد کلمہ توحید اور اتباع سنت کو اپنی دعوت و تبلیغ کا بنیادی عنصر قرار دیں، کیونکہ یہی دو چیزیں (قرآن و حدیث) حق و باطل کے پرکھنے کی کسوٹی ہیں۔ اللہ تعالیٰ دنیا کی مسلمان آبادی کو پورے شرح صدر کے ساتھ قرآن و حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

منفعت ایک ہے اس قوم کا نقصان بھی ایک ایک ہی سبب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اے اللہ! میں تیرے فضل و کرم کا بے حد شکر گزار ہوں تو میرے اخلاص اور ان مراحل و مشکلات سے بخوبی واقف ہے، جن سے میں اس کتاب کی تیاری و اشاعت کے دوران گزرا ہوں۔ اے رب رؤف! میرے ہاتھ تیرے سامنے پھیلے ہوئے ہیں کہ تو میری اس حقیر خدمت کو قبول فرما۔ میرے قلم کو وہ طاقت و توانائی بخش دے کہ اس سے نکلا ہوا ہر حرف تیری رضا کے لیے ہو اور وہ تیرے دین کی سر بلندی کے لیے وقف ہو جائے۔

اے میرے پالہنار! یہ قلم ہی میری متاع اور سرمایہ ہے جسے میں نے اسلام اور توحید کی بلندی کے لیے وقف کر دیا ہے، لیکن تیری رحمت و عنایت اور توفیق کے بغیر اس کا پیغام یا اس سے نکلی ہوئی دعوت بے اثر ہوگی۔ اے اللہ! میرے لیے دنیا و آخرت کی بھلائی مقدر فرما۔ یقیناً تو غفور و ودود ہے، عرش کا مالک ہے اور بزرگ و برتر ہے۔ اے اللہ! توحید کی امانت و صداقت کو ہمارے دلوں میں باقی رکھے اور توحید ہی پر ہمارا خاتمہ ہو، آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.

وحدت کا لہو ہے رگ رگ میں ایماں کی حرارت ہے دل میں
ہم سارا جہاں گرما دیں گے اللہ احد کے نعروں سے

☆☆☆

خون دل دے کے نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے گلشن کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

تمت بالخیر

والسلام

طالب دعا عبدالرؤف ندوی

تلمسی پور، بلرام پور (پوپی)

فہرست مضامین

- ۵ عرض ناشر ❖
- ۷ پیش لفظ از مصنف ❖
- ۱۷ عقیدہ و فکر کے دائمی اصول اور ضابطے ۱۷
- ۱۷ آیات قرآن کریم ۱۷
- ۱۸ ارشادات نبوی ﷺ ۱۸
- ۲۱ فلاح و نجات کس کے لئے ہے؟ ۲۱
- ۲۳ چند جواب طلب سوالات ۲۳
- ۲۵ نقلی کعبوں کی دھوم ۲۵
- ۲۷ گنبد خضراء کی تاریخ ۲۷
- ۲۹ تو حق کو حق سے مانگ کبھی ماسوا سے نہ مانگ ۲۹
- ۳۱ **عقیدہ توحید و رسالت کا مفہوم** ۳۱
- ۳۱ توحید کیا ہے؟ ۳۱
- ۳۲ توحید کی قسمیں ۳۲
- ۳۲ توحید ربوبیت ۳۲
- ۳۳ توحید الوہیت ۳۳
- ۳۴ توحید اسماء و صفات ۳۴
- ۳۵ اخلاص ۳۵
- ۳۶ سنت کی تعریف ۳۶

۳۷ سنت قولی
۳۷ سنت فعلی
۳۷ سنت تقریری
۳۹ انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد
۴۳ لا الہ الا اللہ کا مطلب
۴۴ محمد رسول اللہ کا مطلب
۴۵ لا الہ الا اللہ کی دعوت
۴۸ کفر و نفاق
۴۸ کفر کا مفہوم
۴۸ کفر انکار
۴۸ کفر جھوٹ
۴۸ کفر نفاق
۴۸ کفر عناد
۴۹ نفاق کا مفہوم
۵۰ شُرک اور اس کی قسمیں
۵۰ شرک کا مفہوم
۵۲ شرک کی قسمیں
۵۲ شرک اکبر
۵۴ وندے ماترم کا ترانہ
۵۴ شرک اصغر
۵۴ شرک جلی
۵۶ شرک خفی

۵۸	فساد عقیدہ کے شکار
۶۱	شخصیت پرستی
۶۵	بدعت کی حقیقت
۶۵	بدعت کی لغوی تعریف
۶۶	بدعت کی شرعی تعریف
۶۷	ہر بدعت گمراہی ہے
۷۲	ایک اہم انتباہ
۷۳	ظہور بدعت کا وقت
۷۴	ظہور بدعت کی جگہ
۷۵	اسلام ایک مکمل دین
۷۷	تبلیغ رسالت پر الزام
۷۹	بدعتی کی تکریم
۷۹	بدعتی کی تکریم پر مواخذہ اخروی کا خوف
۸۱	بدعتی کا انجام
۸۱	حوض کوثر سے محرومی
۸۴	موضوع اور ضعیف حدیثوں کا چلن
۸۴	حدیث موضوع کی تعریف
۸۶	اسباب وضع حدیث
۹۱	حدیث ضعیف کی تعریف
۹۴	اہل بدعت کے متعلق صحابہ کرامؓ کا موقف
۱۰۲	اہل بدعت کے متعلق تابعین عظام کا موقف
۱۰۴	اہل بدعت کے متعلق ائمہ دین کا موقف

- ۱۰۹ **ماہ محرم الحرام کی بدعات**
- ۱۰۹ محرم الحرام سنہ ہجری کا آغاز
- ۱۱۰ ماہ محرم اور موجودہ مسلمان
- ۱۱۴ محرم الحرام کے ابتدائی دس دن
- ۱۱۶ شیعہ رسومات کی تاریخ ایجاد و آغاز
- ۱۱۶ لعنت کا آغاز
- ۱۱۶ عید غدیر کی ایجاد
- ۱۱۷ من کنت مولاهُ... کی تشریح
- ۱۲۱ ماتم اور تعزیہ داری کی ایجاد
- ۱۲۲ شیعیت کا فتنہ
- ۱۲۴ تبر ابازی
- ۱۲۹ ہندوستان میں پہلا تعزیہ
- ۱۲۹ تعزیہ کی تردید
- ۱۳۱ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی برسی
- ۱۳۳ ماتم و سینہ کوبی
- ۱۳۵ یوم عاشوراء کا روزہ
- ۱۳۷ رسومات محرم — علمائے کرام کی نظر میں
- ۱۴۰ ماہ محرم کی بابت موضوع اور ضعیف احادیث
- ۱۵۰ سانحہ کربلا اور حضرت حسینؑ و یزیدؑ
- ۱۵۱ بادشاہوں پر خلیفہ کا اطلاق
- ۱۵۲ یہ خلفاء معصوم نہ تھے
- ۱۵۲ نصب امام کے چند اصول

- ۱۵۳ حفظ مصالِح اور دفع مقاصد
- ۱۵۴ عہد فتن میں خروج کی ممانعت
- ۱۵۴ حضرت حسینؑ کا عزم عراق
- ۱۵۵ شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ
- ۱۵۶ اطاعت فی المعروف
- ۱۵۷ یزید کے بارے میں افراط و تفریط
- ۱۵۸ حقیقت حال
- ۱۵۸ شہادتِ حسینؑ کے بارے میں افراط و تفریط
- ۱۵۹ مقابلہ کا ارادہ ترک کر دیا
- ۱۵۹ واقعاتِ شہادت میں مبالغہ
- ۱۶۰ دندانِ مبارک پر چھڑی مارنے کا واقعہ
- ۱۶۲ یزید نے اہل بیت کی بے حرمتی نہیں کی
- ۱۶۲ حضرت حسینؑ کو شہید کرنے کا گناہِ عظیم
- ۱۶۳ سانحہ کربلا کی حیثیت
- ۱۶۴ حدیثِ قطظنیہ
- ۱۶۶ حضرت محمد بن الحنفیہ کی طرف سے یزید کی صفائی
- ۱۶۸ غزوہِ قطظنیہ کی سپہ سالاری، ایک تاریخی حوالے کی وضاحت
- ۱۷۱ یزید پر لعنت بھیجنے کا مسئلہ
- ۱۷۱ لعنت کے بارے میں شرعی مسئلہ
- ۱۷۲ یزید پر لعنت سے پہلے دو چیزوں کا اثبات ضروری ہے
- ۱۷۳ لعنت کا دروازہ کھولنے کے نتائج
- ۱۷۴ یزید کو رحمہ اللہ کہنا مستحب ہے

- ۱۷۷ امام اور علیہ السلام
- ۱۷۹ **ماہ صفر المظفر کی بدعات**
- ۱۹۱ ماہ صفر کے آخری بدھ کی تاریخی حیثیت
- ۱۹۶ **ماہ ربیع الاول کی بدعات**
- ۱۹۷ تاریخ ولادت میں اختلاف اور راجح اقوال
- ۱۹۹ تاریخ وفات میں اختلاف اور راجح اقوال
- ۲۰۰ چند قابل غور باتیں
- ۲۰۲ بدعت میلاد
- ۲۰۳ مجلس میلاد کی ابتدا
- ۲۰۳ عید میلاد النبی کا موجد
- ۲۰۷ مولد کے موضوع پر پہلی کتاب
- ۲۰۷ مصنف کا حال
- ۲۰۹ قیام کی ابتدا
- ۲۱۰ میلاد میں قیام تعظیمی
- ۲۱۴ کتب میلاد یہ اور روایات موضوعہ
- ۲۱۶ سیرت نبوی کے موضوع پر بعض مشہور روایتیں
- ۲۳۳ عید میلاد النبی کی شرعی حیثیت
- ۲۳۸ کیا اللہ کافی نہیں؟
- ۲۴۱ **ماہ ربیع الثانی کی بدعات**
- ۲۴۱ گیارہویں
- ۲۴۴ تاریخ پیدائش
- ۲۴۴ تاریخ وفات

- ۲۴۴ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے ارشادات
- ۲۴۶ جھوٹی روایتیں
- ۲۵۰ آستانہ پرستی کا آغاز
- ۲۵۲ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایک واقعہ
- ۲۵۳ علامہ آلوسی کی وضاحت
- ۲۵۴ قبر پرست مسلمانوں کا شرک - بزرگان دین کی تصریحات
- ۲۵۵ قبروں پر کئے جانے والے ان کاموں کا بیان جو حرام ہیں
- ۲۵۷ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بڑے اللہ والے تھے
- ۲۵۹ ضمیر سے پوچھئے
- ۲۶۰ تو بھی اسی سے مانگ
- ۲۶۱ یا شیخ عبدالقادر نشیناً للہ کیوں نا جائز ہے؟
- ۲۶۲ یہ تعظیم نہیں تقسیم ہے
- ۲۶۳ یہ انداز فکر بھی ملاحظہ ہو
- ۲۶۵ غیر اللہ سے استغاثہ و استعانت
- ۲۶۶ احاطہ جمیری کا شرک
- ۲۶۷ لطفہ
- ۲۶۸ **ماہِ رَجَبِ كِي بَدْعَات**
- ۲۶۹ ماہِ رَجَبِ كے روزے
- ۲۷۱ معاجنِ رَجَب
- ۲۷۱ صَلَوَةُ الرَغَائِبِ
- ۲۷۲ تاریخِ شَبِّ مِعْرَاجِ
- ۲۷۳ نمازِ شَبِّ مِعْرَاجِ

- ۲۷۳ رجبی کوٹھڑے کا بانی
- ۲۷۵ نذر لغير الله
- ۲۷۷ لمحہ فکریہ
- ۲۷۹ **ماہ شعبان کی بدعات**
- ۲۸۲ پندرہ شعبان کی روایتوں کا جائزہ
- ۲۸۲ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت
- ۲۸۳ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت
- ۲۸۶ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت
- ۲۸۸ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت
- ۲۹۱ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت
- ۲۹۲ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت
- ۲۹۳ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت
- ۲۹۷ شب برأت کی حقیقت کیا ہے؟
- ۳۰۰ ایک شبہ کا ازالہ
- ۳۰۱ ماہ شعبان کا روزہ
- ۳۰۲ پندرہ شعبان کا روزہ
- ۳۰۳ پندرہ شعبان کی شب میں قبرستان جانا
- ۳۰۶ چراغاں کرنا مجوسی سازش
- ۳۰۷ پندرہ شعبان کا حلوہ
- ۳۰۸ روحوں کا عقیدہ
- ۳۰۹ روح ملانے کا ختم
- ۳۰۹ روح ملانے کا ایک دلچسپ واقعہ

۳۱۱ **رمضان المبارک کی فضیلت**

۳۱۱ حدیث حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

۳۱۳ افطار کی دعا

۳۱۳ شب قدر کی فضیلت

۳۱۴ تراویح کی غلطیاں

۳۱۴ جمعۃ الوداع کی فضیلت اور قضائے عمری

۳۱۹ مکہ و مدینہ میں رمضان کی فضیلت

۳۲۲ **ماہ شوال کی بدعات**

۳۲۴ عید ملن

۳۲۴ فول ڈے

۳۲۵ **ماہ ذی الحجہ کی بدعات**

۳۲۵ قربانی کی فضیلت میں احادیث مرویہ

۳۲۹ حجر اسود اللہ کا ہاتھ ہے

۳۳۰ حج اور زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۳۱ پیدل سفر حج کی فضیلت

۳۳۴ ہر حج حج اکبر ہے

۳۳۷ **مسئلہ علم غیب**

۳۳۹ غیب خمسہ کا علم

۳۴۱ پہلی وضاحت

۳۴۱ دوسری وضاحت

۳۴۱ تیسری وضاحت

۳۴۲ چوتھی وضاحت

۳۴۸ مسئلہ بشریت ﷺ
۳۵۳ وسیلہ
۳۶۲ متفرق بدعات
۳۶۲ تعویذ اور گندہ کی حقیقت
۳۶۳ تعویذ و گندے کے مفاسد
۳۶۵ تعویذ فروشوں سے بچنے
۳۶۶ لڑکانہ لڑکی
۳۶۶ ہمارا سب کچھ آپ ہیں
۳۶۷ صدق اللہ العظیم
۳۶۸ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی جگہ ۷۸۶ کا استعمال
۳۷۰ ہرے کرشنا کے اعداد و شمار
۳۷۱ حضرت آدم علیہ السلام کی دعا
۳۷۳ تبلیغی نصاب اور قرآنی تعلیم
۳۷۹ سال گرہ کی حرمت کے اسباب
۳۸۱ مسجد میں عقد نکاح
۳۸۳ عقد نکاح کے بعد چھو ہارے لٹانا
۳۸۴ گردن پر مسح کرنا
۳۸۶ انگوٹھا چومنا
۳۸۶ زبان سے نیت کرنا
۳۸۹ امامت کے حقدار کی ترتیب
۳۹۱ امام کی اقتداء

- ۳۹۴ جمعہ کے دن کی بدعات
- ۳۹۶ منبر کے پاس جمعہ کی اذان دینا
- ۳۹۷ جب خطیب منبر پر چلا جائے
- ۴۰۰ جمعہ کے دن مسجد میں گداگری
- ۴۰۱ ہر جمعہ کو والدین کی قبر پر جانا
- ۴۰۳ نماز مغرب کے بعد نوافل کی متعین رکعات
- ۴۰۷ سلام پھیرتے وقت کی بدعات
- ۴۰۸ سلام کے بعد کی بدعات
- ۴۰۹ وفات کے وقت اور وفات کے بعد کی چند بدعات
- ۴۰۱ قرآن خوانی
- ۴۱۱ تیجہ، ششماہی، چہلم و برسی
- ۴۱۳ 'دلہن کی طرح سو جا' کے الفاظ سے عرس کا اثبات
- ۴۱۵ عرس کی حقیقت
- ۴۱۷ بزرگان دین کی قبروں پر میلوں ٹھیلوں کا اہتمام
- ۴۲۴ قبروں کو پختہ کرنے یا ان پر گنبد وغیرہ بنانے کی ممانعت
- ۴۲۸ بعض ضروری وضاحتیں
- ۴۲۹ فقہ حنفی سے قبروں کو پختہ بنانے کی ممانعت کی صراحت
- ۴۳۳ زیارت قبور اور دعا کا مسنون طریقہ
- ۴۳۶ زیارت قبر نبوی ﷺ کی شرعی حیثیت
- ۴۳۸ بی بی کی صحنک
- ۴۴۳ خاتمة الكتاب





DARUL ILM

PUBLISHERS & DISTRIBUTORS

242, J.B.B. Marg, (Belasis Road),
Nagpada, Mumbai-8 (INDIA)
Tel.: (+91-22) 2308 8989, 2308 2231
fax :(+91-22) 2302 0482
E-mail : ilmpublication@yahoo.co.in

₹ 225/-

